مرتبہ

خلیق انجم

غالب کے خطوط

جلد چہارم

غالب کے خطوط

جلد چہارم

مرتبہ

خلیق انجم

GHALIB KE KHUTOOT
(VOL-4)

BY :

KHALIQ ANJUM

ISBN: 81-8172-050-4

اہتمام	:	شاہد ماہلی
اشاعت	:	۲۰۱۱ء
قیمت	:	۳۰۰؍روپے
مطبوعہ	:	اصیلا آفسٹ پرنٹرس، نئی دہلی

غالب انسٹی ٹیوٹ،

ایوانِ غالب مارگ، نئی دہلی۔۲

www.ghalibinstitute.com-- email: ghalib@vsnl.net

فہرست

مکتوبٌ الیہم

حرفِ آغاز

ایک زمانے میں مجھے قدیم رسالوں کے مطالعے کا بہت شوق تھا۔ مطالعے کے دوران ان رسالوں میں بکھرے ہوئے غالب کے ایسے خطوط ملے جو "اردوئے معلّٰی" اور "عودِ ہندی" کی اشاعت کے بعد دریافت ہوئے تھے۔ ان خطوط کی تعداد خاصی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ان خطوط کو یک جا کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، چنانچہ میں نے یہ خط مرتب کیے اور انھیں "غالب کی نادر تحریریں" کے نام سے ۱۹۶۱ء میں شائع کرا دیا۔ غالب پر میری دوسری کتاب "غالب اور شاہانِ تیموریہ" ہے، جو ۱۹۷۴ء میں چھپی۔

"غالب کی نادر تحریریں" مرتب کرنے کے دوران مجھے غالب کے خطوط میں غیر معمولی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ خطوط میں غالب کی شخصیت کا جس طرح بھرپور اظہار ہوا ہے، اس نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا اور پھر میں نے غالب کے اردو اور فارسی خطوط کے تمام مجموعوں کا کئی بار مطالعہ کیا۔

غالب کے اردو خطوط کے مجموعے تو دستیاب تھے، لیکن ایسا کوئی مجموعہ دستیاب نہیں تھا، جس میں اُن کے تمام تر خطوط شامل ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام میں انجام دوں گا۔

میں نے ۱۹۷۲ء میں خطوطِ غالب کی ترتیب کا کام شروع کیا، لیکن ۱۹۷۴ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) کا سکریٹری مقرر ہونے پر میری مصروفیات اتنی بڑھ گئیں کہ چار پانچ سال تک مجھے اس کام کی طرف باقاعدگی سے توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس دوران لکھنے کا کام تو بند رہا لیکن خطوطِ غالب کا مطالعہ بدستور جاری رہا۔ جب بھی وقت ملتا میں پُرانے رسالے کھنگالتا۔ کچھ عرصے بعد ایک بار پھر میں نے اس کام کو باقاعدگی کے ساتھ شروع کیا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کی ادبی کمیٹی کی عنایت سے "غالب کے خطوط" کی پہلی جلد ۱۹۸۴ء، دوسری ۱۹۸۵ء اور تیسری ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ اب یہ چوتھی اور آخری جلد آپ کے سامنے ہے۔ پہلی جلد کے "حرفِ آغاز" میں میں نے اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ غالب کے خطوں میں جن شخصیتوں، جن رسالوں، کتابوں، اخباروں اور جن

مختلف مقامات کا ذکر آیا ہے، اُن پر "جہانِ غالب" کے نام سے حواشی لکھے گئے ہیں۔ یہ حواشی تقریباً تیار ہیں اور اُن کے بڑے حصّے کی کتابت بھی ہو چکی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ "جہانِ غالب" کا حجم اتنا ہو گیا ہے کہ خود اس کے لیے دو جلدیں درکار ہیں۔ "خطوطِ غالب" کی پہلے ہی چار جلدیں ہو چکی ہیں۔ اس مجموعے کے ساتھ اب اس مواد کو شائع کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ لہٰذا اب صرف پہلی جلد کے حواشی شائع کیے جا رہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا "غالب کے خطوط" کی ترتیب کا کام ۱۹۷۲ء میں شروع کیا گیا تھا، اور یہ کام اب ۱۹۹۱ء میں ختم ہو رہا ہے۔ گویا یہ کام ۱۷ سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ سترہ برس کی اس طویل مدت کا فائدہ یہ ہوا کہ اب غالب کا شاید ہی کوئی ایسا اردو خط ہو جو اس مجموعے میں شامل نہ ہوا ہو۔ اس میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم کے مرتبہ "مکاتیبِ غالب"، آفاق حسین آفاق کے مرتبہ "نادراتِ غالب" اور خلیق انجم کی مرتبہ "غالب کی نادر تحریریں" کے تمام خطوط شامل کر لیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف رسالوں میں جو خطوط بکھرے ہوئے تھے انھیں بھی اس مجموعے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے غالب کے خطوط کا یہ پہلا مجموعہ ہے جس میں تمام دستیاب خطوط ترتیب دے کر یک جا کر دیے گئے ہیں اور اس اعتبار سے بھی خطوطِ غالب کا یہ پہلا مجموعہ ہے کہ جس میں غالب کے اردو خطوط کے تمام دستیاب عکس شامل ہیں۔

اردو کے معروف محقق کاظم علی خاں صاحب نے اپنی کتاب "خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ" میں غالباً پہلی بار غالب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد کی نشان دہی کی۔ کاظم علی خاں کے بیان کے مطابق غالب کے مکتوب الیہم کی تعداد ۹۰ اور خطوط کی تعداد ۸۷۱ ہے۔ مکتوب الیہم میں انھوں نے کولڈ سٹریم کو بھی شامل کیا ہے۔ کولڈ سٹریم دلی سوسائٹی کے سکریٹری تھے۔ ۱۸۶۵ء میں اُن کا دلی سے لاہور تبادلہ ہوا تو غالب نے ایک سپاس نامہ لکھا تھا جس پر مرزا الٰہی بخش کے دستخط کے علاوہ انگریزی اور اردو میں ۴۳ دستخط اور ہیں۔ اس سپاس نامے کو خط نہیں کہا جا سکتا، اس لیے اسے "غالب کے خطوط" میں شامل نہیں کیا گیا۔

میرے مرتبہ مجموعے میں مکتوب الیہم کی مجموعی تعداد بانوے ہے، جن میں پانچ مکتوب الیہم نامعلوم ہیں لیکن خطوط کی مجموعی تعداد ۸۸۶ ہے، یعنی میرے مرتبہ مجموعے میں کاظم علی خاں صاحب کی بتائی ہوئی تعداد سے پندرہ خط زیادہ ہیں۔

"غالب کے خطوط" کی پہلی جلد میں صفحات ۹۳ تا ۹۷ پر غالب کے تمام خطوط کی جو فہرست دی گئی تھی، اسے کالعدم سمجھا جائے۔ اس لیے کہ اس چوتھی جلد میں اب غالب کے خطوط کی نئی فہرست دی جا رہی ہے۔ میں نے

غالب کے خطوط کی پچھلی تین جلدوں میں مکتوب الیہم کے وہ نام دیے تھے جن سے وہ مشہور رہیں۔ اس فہرست میں اُن کے پورے نام دیے گئے ہیں۔ میری تمنا تھی کہ اگر میں اپنے مرتبہ مجموعے میں غالب کے کچھ نو دریافت خطوط شامل کر سکوں تو اس سے میرے کام کی وقعت میں اضافہ ہو سکے گا۔ میری یہ تمنا اور جستجو اس طرح پوری ہوئی کہ مجھے مولوی مہیش پرشاد مرحوم کے اُن کاغذات میں (جو انجمن ترقی اردو (ہند) کی ملکیت ہیں) عبدالرحمٰن تحسین کے نام غالب کے نو خطوط کی نقلیں مل گئیں۔ یہ تمام خطوط پانی پت کے غیر معروف رسالے سہ ماہی "حیات نو" میں شائع ہوئے تھے۔ اس رسالے کی تفصیل "غالب کے خطوط" کی جلد دوم میں صفحات ۹۶۳ تا ۹۶۴ پر موجود ہے۔ ماہرین غالب کو ان خطوط سے متعلق کوئی آگاہی نہیں تھی۔ مولانا غلام رسول مہر نے "خطوط غالب" میں اور سید مرتضیٰ حسین فاضل نے "اردوئے معلّیٰ" میں ایسے تمام خطوط شامل کیے ہیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہوئے تھے۔ ان دونوں حضرات کو بھی ان خطوط کا علم نہیں تھا۔ خود میں نے سترہ سال تک "خطوطِ غالب" کی تلاش میں لیے رسالے کھنگالے ہیں لیکن مجھے ان کا علم نہیں تھا۔ اس لیے ان خطوط کی دریافت کے لیے میں مولوی مہیش پرشاد مرحوم کا شکر گزار ہوں۔

غالب کے ماہروں، محققوں اور نقادوں کے علاوہ دلّی دور درشن، آل انڈیا ریڈیو اور انگریزی اخبارات نے میرے اس کام کی غیر معمولی پذیرائی کی۔ یو۔ این۔ آئی نے پریس ریلیز جاری کیا جس کی وجہ سے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر مختلف زبانوں کے اخباروں میں اس کام کے بارے میں خبریں شائع ہوئیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے کام کی پذیرائی دراصل غالب کے خطوط کی پذیرائی ہے لیکن بہر حال اس سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ اس کے جواب میں میرے پاس دلی شکریے کے علاوہ اور کیا ہے۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مولوی مہیش پرشاد، مالک رام صاحب، آفاق حسین آفاق اور سید مرتضیٰ حسین فاضل نے غالب کے خطوط کی ترتیب میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے۔ ان حضرات کے کام ہر لحاظ سے قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہیں۔ پرتھوی چندر مرحوم نے مرقع غالب میں پہلی بار غالب کے خطوط کے عکس خاصی بڑی تعداد میں ایک ساتھ شائع کیے تھے۔ میں نے ان تمام حضرات کی کاوشوں سے بہت کچھ رہنمائی حاصل کی ہے اور ان کے کام سے استفادہ کیا ہے۔ یہ سب بزرگ بجا طور پر میرے شکریے کے مستحق ہیں۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم اور قاضی عبدالودود مرحوم کو میں نے تحقیق کے میدان میں ہمیشہ اپنا معنوی استاد تسلیم کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات اردو تحقیق کی آبرو ہیں۔ میرے کرم فرماؤں اور دوستوں میں مالک رام صاحب، مشفق خواجہ صاحب، پروفیسر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، رشید حسن خاں صاحب، ڈاکٹر اسلم پرویز،

کاظم علی خاں صاحب اور برادرِ محترم جمیل الدین عالی جیسے لوگوں نے میرے اس کام میں گہری دل چسپی کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ جس کے لیے میں ان حضرات کا بے حد ممنون ہوں۔ ان کے علاوہ اس کام کی تکمیل کے سلسلے میں مجھے جن عزیزوں کا خصوصی تعاون حاصل رہا، ان میں محمد رضا صاحب، ایم حبیب خاں صاحب، ثریا سعید صاحبہ، شمیم جہاں صاحبہ، بہار الہ آبادی صاحب، ڈاکٹر تبارک علی نقشبندی شامل ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا ان حضرات کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔

غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دلی نے چار جلدوں میں غالب کے خطوط شائع کرنے کی ذمہ داری لی۔ میں اس سلسلے میں پروفیسر نذیر احمد، انسٹی ٹیوٹ کی ادبی کمیٹی کے سابق صدر رشید حسن خاں صاحب اور موجودہ صدر جناب مظفر حسین برنی انسٹی ٹیوٹ کے سابق ڈائرکٹر رفعت سروش اور موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد ایوب تاباں اور پبلیکیشن انچارج شاہد ماہلی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی خصوصی دل چسپی اور تعاون سے یہ چاروں جلدیں اتنی خوب صورت شائع ہوئیں۔ آخر میں صرف ایک بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ کام مکمل کرنے کے بعد میرے دل میں ایک نئی اُمنگ پھوٹنی شروع ہوئی ہے، اگر مجھے ایک زندگی اور مل جائے تو میں نئے سرے سے غالب کے خطوط کا تنقیدی اڈیشن تیار کروں بہرحال یہ ایک رُوحانی سا تصور ہے، لیکن مولانا امتیاز علی خاں عرشی سے لے کر اس حقیر کی موجودہ کاوش تک خطوطِ غالب پر جتنا بھی کام ہوا ہے، اگر اس کی بنیاد پر مستقبل کا کوئی محقق نقاد وہ کام کر جائے، جس کا خواب آج میں دیکھ رہا ہوں تو شاید یہ ان سب لوگوں کی مغفرت کے لیے کافی ہو گا جنھوں نے اب تک غالب پر کام کیا ہے۔

خلیق انجم

غالبؔ کے اُردو خطوط کی مجموعی تعداد

یہاں غالبؔ کے ان اردو خطوط کی مجموعی تعداد دی جارہی ہے، جو "غالبؔ کے خطوط" کی چاروں جلدوں میں شامل ہیں۔ ایسی ہی فہرست پہلی جلد کے پہلے اڈیشن میں دی گئی تھی، لیکن جیسا کہ اِس جلد کے حرفِ آغاز میں کہا گیا ہے کہ اب اُسے کالعدم سمجھا جائے۔ "غالبؔ کے خطوط" کی تمام جلدوں میں مکتوب الیہم کے وہ نام لکھے گئے تھے، جن سے وہ مشہور تھے۔ اس فہرست میں اُن کے مکمل نام درج کیے جارہے ہیں۔

مکتوب الیہم	جلد	کُل خطوط
آرام، منشی شیو نراین	۳	۳۷
آزاد، مولانا محمد نعیم الحق آزادؔ	۲	۲
آشوب، ماسٹر پیارے لال	۲	۵
احمد حسن مودودی، سید	۳	۱۱
احمد رام پوری، خلیفہ احمد علی	۴	۱
افضل علی میرن، میر	۲	۳
امین الدین احمد خاں، نواب مرزا میر (عرف) میر	۲	۸
بندہ علی خاں	۲	۱
بیتابؔ، سید محمد عباس علی خاں	۲	۲
بے خبرؔ، خواجہ غلام غوث خاں	۲	۲۵

مکتوب الیہم	جلد	کُل خطوط
تحسین، عبدالرحمٰن	۴	۹
تفتہ، منشی مرزا ہرگوپال	۱	۱۳۳
تفضل حسین خاں	۳	۱
توفیق، منشی ددبشیر الدین	۲	۴
ثاقب، مرزا شہاب الدین احمد خاں	۲	۱۰
جنون بریلوی، قاضی عبدالجمیل	۴	۳۰
جوہر، منشی جواہر سنگھ	۴	۳
حسین مرزا (عرف) ذوالفقار الدین حیدر خاں	۳	۶
حقیر، منشی نبی بخش	۳	۶۰
خلیل، وفوق، منشی محمد ابراہیم	۳	۱
درد، منشی ہیرا سنگھ	۲	۲
ذکا، محمد حبیب اللہ	۴	۱۷
رحیم بیگ، مرزا	۴	۱
رضوان، مرزا شمشاد علی بیگ	۲	۲
رعنا، مردان علی خاں	۲	۲
رفعت شروانی، محمد عباس	۲	۲
زکی دہلوی، سید محمد زکریا خاں	۲	۱
زکی، میر محمد زکی	۱	۲
زین العابدین خاں، عرف کلن میاں	۴	۲
سالک، مرزا قربان علی بیگ خاں	۲	۲
سجاد، سید حسن مرزا حیدر عرف سید سجاد مرزا	۲	۲

مکتوب الیہم	جلد	کُل خطوط
سردار سنگھ بہادر، جا	۲	۱
سرفراز حسین، میر	۲	۲
سرور، چودھری عبدالغفور	۲	۲۷
سیاح، میاں داد خاں	۲	۳۵
سیل چند، منشی	۳	۷
شائق، شاہ عالم مارہروی	۳	۳
شاکر، مولوی عبدالرزاق	۲	۱۰
شفق، انورالدولہ سعدالدین خاں	۳	۲۰
شیفتہ، نواب مصطفیٰ خاں بہادر	۲	۱
صاحب عالم مارہروی	۳	۶
صفی منیری، شاہ فرزند علی (عرف) سید ابو محمد جلیل الدین حسین	۴	۱
صفیر بلگرامی، سید فرزند احمد	۴	۹
ضیا، مولوی ضیاء الدین احمد	۲	۳
ظہیر الدین احمد خاں، حکیم	۲	۲
ظہیر الدین کی طرف سے اُن کے چچا کے نام	۴	۱
عباس بیگ، مرزا	۲	۱
عبدالحق	۲	۱

۱ یہ خط دراصل حکیم غلام نجف خاں کے نام ہے تفصیل کے لیے دیکھیے (استدراک)

مکتوب الیہم	جلد	کُل خطوط
عبداللطیف، منشی	۳	۲
عرشی قنوجی، احمد حسن	۲	۲
عزیز و صادق، عزیز الدین	۴	۱
عزیز، مرزا یوسف علی خاں	۲	۳
علائی، نواب علاء الدین احمد خاں	۱	۵۸
غلام نجف خاں	۳	۲
غلام نجف خاں	۲	۲۳
غلام مرتضیٰ خاں، حکیم	۲	۱
غلام رضا خاں، حکیم	۴	۱
غلام بسم اللہ، منشی	۲	۱
نامعلوم (صاحب میں کل تمہارا مسبل)	۴	۱
نامعلوم خاں صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان	۴	۱
غلام بابا خاں، میر	۳	۱۰
فائق رضوی، قاضی محمد		
نور الدین حسین خاں	۴	۱
فرخ مرزا، مرزا امیر الدین احمد خاں	۴	۱

مکتوب الیہم	جلد	کل خطوط
قرقانی میرٹھی	۲	۱
قدر بلگرامی، سید غلام حسین	۴	۲۲
کاشف، سید بدر الدین احمد	۳	۵
فرحت فقیر		
کامل، مرزا باقر علی خاں	۲	۳
کرامت علی، مولوی	۴	۱
کلب علی خاں، نواب	۳	۷۶
لطیف احمد بلگرامی، شیخ	۲	۱
مجروح، میر مہدی حسین	۲	۵۰
محمد حسین خاں (مدیر دبدبہ سکندری)	۳	۴
محمد عباس مفتی	۴	۱
مدہوش، مفتی سخاوت حسین انصاری	۳	۱
مشتاق، بہاری لال	۳	۲
مہر، مرزا حاتم علی	۲	۱۹
میکش، میر احمد حسین	۲	۲
مینا مرزا پوری، احمد حسین	۲	۲
ناظم، نواب یوسف علی خاں	۳	۴۰

مکتوب الیہم	جلد	کل خطوط
نامعلوم		
(جناب عالی، نامہ و داد پیام)	۴	۱
نامعلوم	۲	۱
(میاں، وہ عرضی کا کاغذ		
افشاں کیا ہوا)		
نامعلوم		
(حضرت میرا حال کیا پوچھتے		
ہو)	۲	۱
نساخ، مولوی عبدالغفور خاں	۴	۱
نشاط، بابو ہرگوبند سہائے	۲	۲
نعمان احمد، مولوی	۴	۴
نول کشور، منشی	۴	۲
نیر رخشاں،		
ضیاء الدین احمد خاں	۲	۱
وفا، میر ابراہیم خاں		
نواب	۳	۵
ولایت علی میر	۴	۲
ولایت و عزیز، صفی پوری		
ولایت علی خاں	۴	۲
ہشیار، منشی کیول رام	۲	۱
یوسف مرزا، نواب	۲	۱۲

کل خطوط ۸۸۶

سید غلام حسنین قدر بلگرامی

(۱)

بندہ پرور!

آپ کے عنایت نامے کے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی۔ ایک تو یہ کہ آپ نے مجھ کو یاد کیا، دوسرے آپ کی طرزِ عبارت مجھ کو پسند آئی، تیسرے آپ حضرت علامہ عبد الجلیل اور "آزاد" مغفور کی یادگار ہیں اور میں اُن کے حسنِ کلام کا معتقد۔ خواہش آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو؟ جب مزاج میں آئے، آپ نظم و نثر بھیج دیں، میں دیکھ کر بھیج دیا کروں گا اور آرائشِ گفتار یعنی حک و اصلاح میں کوشش دریغ نہ ہوگی۔

بارہ برس کی عمر سے کاغذ نظم و نثر میں مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی، پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے۔ اب جسم و جان میں تاب و تواں نہیں۔ نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف؛ اُردو، سو اُس میں بھی عبارت آرائی متروک: جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے۔ پاؤں رکاب میں ہے اور ہاتھ باگ پر، کیا لکھوں اور کیا کروں؟ یہ شعر اپنا پڑھا کرتا ہوں:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا؟

آپ ملاحظہ فرمائیں؛ ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور کسی فیض رسانی

اور قدر دانی کو کیا روئیں؟ اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہیِ ریاستِ اودھ نے باآں کہ بیگانہ محض ہوں، مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا، بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت ناانصاف ہوں گے وہ اہلِ ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے۔ اللہ ہی اللہ ہے۔

کل آپ کا خط آیا۔ آج میں نے جواب لکھا؛ تاکہ انتظارِ جواب میں آپ کو ملال نہ ہو۔
والسلام مع الکرام۔

نگاشتۂ بست و سوم فروری ۱۸۵۶ء از اسد اللہ

(۲)

حضرت!

میں نے چاہا کہ حکم بجا لاؤں، در عبارت کو اصلاح دوں، مگر میں کیا کروں؟ آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے؟ اگر بہ مثل آپ خود نظرِ ثانی میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ پائیں۔ جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں۔ جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کر دوں، تب حک و اصلاح کا طور بنے۔ میرا کام اصلاحِ عبارت ہے، نہ کتابت۔

"زردشت آتش کدہ" کو "زردشت کو آتش کدے" سے وہ نسبت نہیں، جو ساقی کو مے خانے سے۔ زردشت، بہ اعتقادِ مجوس، پیغمبر تھا، آتش کدے کے پجاری کو "موبد" اور "ہیربد" کہتے ہیں۔

"آب حرم اشتیاق" "آبِ حرام" "شراب" کو محلِ مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ "نبیذ" اور "بادہ" اور "رحیق" در "مے" اور "قرقف" اور "راوق" کی طرح اسم نہیں، ناچار "شرابِ شوق" یا "بادۂ شوق" لکھنا چاہیے؛ "اشتیاق" سے "شوق" بہتر ہے۔

"ما ہمہ دوسہ جامگی علی التواتر زدہ بودم" "ما زدہ بودم" تمہارا دل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے؟ "من زدہ بودم" "یا ما زدہ بودیم" اس کے علاوہ "دوسہ جامگی" یہ کاف فارسی یعنی چہ؟ "جام" معلوم "کاف تصغیر کا جانک" چاہیے۔ "جامگ" کیا؟ مگر یہ بیدردی قتیل کی ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر اپنی بنانا چاہتا ہے۔ ظہوری، جلال، ظہیر، طاہر وحید کسی نے

جام' کو 'جامک' نہیں لکھا۔ "دو سہ جامگی" کی جگہ "دو سہ ساغر" یا "دو سہ قدح" لکھو۔

"باچناری گلستان برباغبان است و تیماری او بر قدر دان" میں اس فقرے کو نہیں سمجھا۔ معنی 'برباغبان' کیا ہے؟ 'تیماری' کیا ہے؟ "تیمار" بمعنی 'تیمار داری' و "غم خواری" ہے جب یہ لفظ بزبان دو معنی مصدری کرتا ہے تو یائے مصدری کیسی؟

"تیرہ شبی ہا بسر آمد" "تیرہ شبہا بسر آمد" "تیرہ شبی ہا بسر آمد" یعنی چہ؟

"لیلائے دیدم" کہ با ہزار طرہ طرار" "طرہ" "زلف" کو کہتے ہیں۔ وہ دو ہوتی ہیں نہ کہ ہزار در ہزار۔

"جامگی" مکرر دیکھا گیا معلوم ہوا کہ حضرت نے جو کہیں "جامگی خوار" دیکھا ہے تو اس کو 'جام خوار' بمعنی "شراب خوار" سمجھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ "جامگی خوار" اس نوکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو۔ روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں۔ نظامی نوکر حضرت خضر کے گئتا روزینہ سخن پاتے ہیں، جو خضر فرماتے ہیں:

کہ اے جامگی خوار تدبیر من
زجام سخن چاشنی گیر من

"در توبہ باز است و باب رحمت فراز" یعنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند" ۔ "فراز" اضداد میں سے نہیں ہے۔ "باز" کھلا "فراز" بند۔

"قدر زعفران زار را بوئے گل کرد"۔ اس کا لطف کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ "قدر زعفران زار" کیا؟ اور پھر اس کو کس نے بوئے گل کر دیا؟ "سکتہ"۔ کدام زبان است' عربی یا فارسی؟

"حسب لیاقت خود" کافی است۔ "خودم" چہ محل دارد؟ مگر یہاں شیوۂ ثقیل۔ "بندہ' مجبورم" یہاں سکر ثقیل۔

صاحب بندہ! تحریر میں اساتذہ کا تتبع کرو، نہ مغل کے بچے کا' لہجے کا تتبع بھانڈوں کا کام ہے' نہ دبیروں اور شاعروں کا۔ ایسی تقلید کو میرا سلام۔ فقط زیادہ زیادہ۔

جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض کیجے گا اور یہ کہیے گا کہ میرزا

خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا۔ ہر مہینے میں آٹھ خط تک بلکہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا، بھیجیے۔ رہا جواب کا لکھنا، کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے۔ ہر روز صبح قلعے جانا، دوپہر کو آنا۔ بعد کھانا کھانے کے حضرت کے مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کو[1] خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے۔ والسلام۔

قبل ۱۸۵۷ء[2]

(۳)

مشفق میرے!

میں بعد آپ کے جانے کے دلی سے رام پور آیا اور یہاں میں نے آپ کا دوسرا خط پایا۔ پہلا خط مجھے دلی میں پہنچا تھا، مگر چونکہ اُس خط میں آپ نے مسکن کا پتا نہیں لکھا تھا، میں تحریرِ جواب میں قاصر رہا۔ اب جو یہ خط رام پور میں پہنچا، اُس میں پتا مرقوم تھا، میں پاسخ نگار ہوا۔ آپ کے مسودات ایک بکس میں تھے، وہ بکس وہیں رہا۔ اب جب تک دلی نہ جاؤں گا، اُن کو نہ پاؤں گا۔

اور ایک آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جب میں دلی میں تھا تو ایک خط میاں نوروز علی خاں کا تمھارے نام بہ نشان میرے مقام کے آیا تھا۔ چونکہ اُن دنوں میں مجھ کو آپ کا مسکن معلوم نہ تھا، میں نے اُس پر لکھ دیا کہ وہ بلگرام گئے۔ خدا جانے تمھارے پاس وہ خط پہنچا یا نہیں؟

برخوردار مرزا عباس کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں۔ اگر وہ سعادت مند ہیں، تو وہی ایک خط کافی ہے۔ اب آپ جو مجھ کو خط بھیجیے تو رام پور بھیجیے۔ پتا مقام کا کچھ ضرور نہیں۔ رام پور کا نام اور میرا نام کفایت کرتا ہے۔

جنوری، مارچ ۱۸۶۰ء — خوشنودی کا طالب — غالب

(۴)

سید صاحب!

تمھارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزردہ

نہ ہوتا۔ اب غزلوں کو دیکھا، کہیں حک و اصلاح کی حاجت نہ پائی۔

مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزائے خطابی یہاں شاملِ اسم نہیں ہیں۔ صرف اسم مبارک خطوط و عرائض پر لکھا جاتا ہے۔ رہا قصیدے کا بھیجنا، زائد محض اور بے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیف رہروی اُٹھاتے اور یہاں آتے اور قصیدہ گزرانتے تو بہ طریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا۔ یہ طرز کہ تم بھیجو اور میں گزرانوں، اس سے قطع نظر کہ احتمالِ نفع بھی نہیں رکھتی۔ یہ توسط میرے خلافِ وضع ہے۔ مجھ کو معاف رکھیے اور اب جو خط بھیجیے، دلی کو بھیجیے گا کہ میں اس مہینے میں اُدھر کو جاؤں گا۔ رویتِ ہلال ماہِ صیام اغلب ہے کہ دلّی ہی میں ہو۔

والسلام مع الاکرام۔

سہ شنبہ ۱۲ مارچ ۱۸۶۰ء

غالبؔ

(۵)

سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین کو غالبِؔ گوشہ نشیں کی دعا پہنچے۔

حضرت! کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے، کہیں اصلاح کی حاجت نہیں، مگر دوسری تاریخ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ سے "تکلف" کے عدد نکالنے چاہئیں یعنی پانسوتیس۔ "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" اس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجائش کہاں کہ پانسوتیس نکل جائیں اور ۱۲۷۰ بچ رہیں؟

صاحب! تم بہت دن سے بیکار ہو۔ ایک جگہ مساعدت روزگار کی صورت ہے۔ تم بے تکلف میرا یہ رقعۂ مہری لے کر لکھنؤ چلے جاؤ۔ مطبع اودھ اخبار میں میرے شفیق دلی یعنی منشی نول کشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ اُن کو پڑھوا دو۔ اپنی نظم و نثر اُن کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم اُن پر ظاہر کرو۔ گر وہ بہ مرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھیں گے تو مطبع کا کام تمھارے سپرد کر دیں گے۔ مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائے گا۔ معزز و مکرم رہو گے۔ زندگی کا لطف اُٹھاؤ گے لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ۔ لکھنؤ تم سے نزدیک ہے۔ اتنی راہ کا قطع کرنا

کچھ دشوار نہیں اگر نوکر نہ ہو جاؤ گے، پھر چلے آنا، بخت آزمائی ہے۔

۱۸۶۱ء (۱)

(۶)

بندہ پرور!

آپ کا خط لکھنؤ سے آیا، حالات معلوم ہوئے۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا کام آپ کے سپرد ہوا ہے؟ یہ بھی لکھیے۔ چند روز صبر کرو، گر وطن میں ہوتے تو اس بے کاری میں گھر کی خبر کیا لیتے؟ جس طرح تب گزرتی، اب بھی گزر جائے گی، بلکہ تمھارا خرچ کم ہو گیا۔ بہرحال ابھی اضافے کے واسطے نہ تم لکھو، نہ میں لکھوں، دو چار مہینے کام کرو۔ اس اثنا میں اگر بلگرام میں چھاپے خانہ جاری ہو گیا تو استعفا دے کر چلے جائیو۔ یہاں بعد چند روز کے اضافہ ہونا بھی تو حیزِ امکاں سے باہر نہیں۔

۱۸۶۱ء ۳

(۷)

سید صاحب، سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے۔

آپ کا خط آیا اور میں نے اس کا جواب بھجوایا۔ اس رقعے کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہیے اور یہ رقعہ اُن کو پڑھا کر عرض کیجیے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کے کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے؟ ملتوی ہے تو کب تک کھلے گا؟ جاری ہے تو تصحیح کس طور پر ہے؟ قصیدے در تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں؟ اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں، تو منشی نہیں بھیج دوں۔

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے یا نہیں؟ "قاطع برہان" کے اجزا کی جلدیں بندھ گئیں یا نہیں؟ اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہہ کر، وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں، اُن میں سے ایک جلد لے کر، جناب فیض مآب، خداوند

نعمت، آیۂ رحمت، قبلہ وکعبہ، جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خونِ جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اُس پائے پر پہنچایا ہے کہ اُس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ یہ مجال کہاں کہ داد کا طلب گار ہوں بحرت عزِ قبول کا امید وار ہوں۔

کیجیے سید صاحب! منشی صاحب سے چار سوالوں کا جواب اور جو قبلہ وکعبہ فرمائیں اس کی تقریر میں تغیر بالمرادف بھی نہ ہو۔ جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو، بہ بہو لکھ بھیجو۔

ہاں مولوی ہادی علی صاحب کا جو حال معلوم ہو وہ بھی ضرور لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا۔ بھائی، میں از راہِ احتیاط، تلف ہونے کے ڈر سے، اس خط کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔
دوشنبہ پنجم ذی القعدہ ومئی سال رستاخیز (۱۲۷۸ھ)
۴ مئی ۱۸۶۲ء

(۸)

سید صاحب!

آپ کا خط، جس میں قبلہ وکعبہ کا جو دستخطی توقیع ملفوف تھا، پہنچا۔ میں تم سے بہت راضی ہوا کہ تم نے تکلیف اٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی۔

اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہہ کر اُن کے حکم سے ایک نسخہ "قاطع برہان" کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم کر کے جناب منشی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خون جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے یقین ہے کہ اُس کی داد تم سے سوا اور سے نہ پاؤں گا۔

ہاں صاحب، جناب منشی صاحب سے یہ کہہ دینا کہ پچاس میں سے تین جلدیں میں نے پائیں، اب قیمت کا روپیہ بھیج کر سینتالیس اور منگائے لیتا ہوں۔

"کلیات" کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں ہم اہل مطبع کو خدا منشی صاحب کے

سایۂ عطوفت میں سلامت رکھے کہ لیں گے۔ چھاپا ۱۲۸۰ھ میں شروع ہوا ۱۲۸۰ھ میں تمام ہوگا۔

مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھو اور "کلیات" کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو۔

۲۴ مئی ۱۸۶۳ء

جواب کا طالب غالبؔ

(۹)

سید صاحب!

آپ نے خوب کیا کہ مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دیا۔ اپنے پاس امانت رکھیے۔ جب مفتی صاحب آئیں اُن کو پہنچا دیجے۔

تمہارا قصد یکم جون کو بلگرام جانے کا تھا۔ وہاں کے (بخار) میں کچھ سستی پائی۔ جو فسخ عزیمت کیا؟ اس کی کیفیت ضرور لکھیے۔

اور جو کچھ تم نے سپارش کے باب میں لکھا ہے، میں اس خواہش کو کیوں کر قبول کروں؟ وہ شخص میرا شاگرد نہیں، مرید نہیں، صورت آشنا بھی تو نہیں، کیوں کر لکھوں؟ معہذا تمہارے واسطے میرا لکھنا مضر ہے۔ یعنی وہ صاحب سمجھیں گے کہ حضرت نے کچھ میری شکایت و حکایت لکھی ہوگی۔ جب غالبؔ نے مجھ کو یہ لکھا ہے۔

اس وقت آپ کی وحشت انگیز تحریر پہنچی۔ ادھر اُس کو پڑھا اور ادھر یہ خط تمہیں اور ایک مرزا عباس کو اور ایک خط تہنیت کا منشی صاحب کو لکھا۔ لیکن چوں کہ بلاد شرقیہ کو ڈاک نو دس بجے روانہ ہوتی ہے، ناچار یہ تینوں خط بند کر کے تمہارا اور مرزا عباس کا خط بیرنگ اور منشی جی کا خط بیڈ رکھ چھوڑتا ہوں۔ کل صبح کو بعد از طلوع آفتاب ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ خاطر جمع رکھو۔ میں نے برخوردار کو ایسا کچھ لکھا ہوگا۔ کہ مفید مطلب ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ العظیم۔

چہار شنبہ یازدہ پر تین بجے

(جون ۱۸۶۳ء)

خوشنودیٔ احباب کا طالب غالبؔ

(۱۰)

صاحب!

تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ مرزا کی بی بی میری بہو ہے، بیٹی نہیں۔

تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے، کیا سمجھ کے لکھا؟ میں مرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ بھانجے کی اولاد پوتا پوتی ہے، نہ نواسا نواسی۔ مجھ کو اس کی اولاد کا جدِّ فاسد لکھنا محال یا ہر بات ہے۔

خیر، یہ تو ظرافت تھی، تم یہ تو بتاؤ کہ مرزا لکھنؤ کیوں جاتا ہے؟ اگر کچھ اسباب خریدنا تھا تو ایک معتمد کو بھیج دیا ہوتا۔ بہ ذات خود اس تکلیف بے جا کو گوارا کرنا کیا ضرور؟ یہ بات جواب طلب ہے۔

میرے آنے کی یہ صورت ہے کہ مرزا کی استدعا سے قطع نظر، میرا دل بھی پتھر یا لوہے کا نہیں، جو اپنے بچوں کو دیکھنے کو نہ چاہے۔ ایک بہن اس کی مجموع اولاد وہاں، میرا تو وہ خانہ باغ ہے۔ بہار کے موسم میں باغ کی سیر کو جی نہ چاہے گا؟ بشرطِ صحت آؤں گا، انشاء اللہ۔

صبح یکشنبہ ۳ رمضان ۲۲ فروری سالِ حال

(۱۲۷۹ھ[1] ۔ ۱۸۶۳ء)

(۱۱)

میر صاحب!

ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں سیدھی صف میں دسواں نمبر اور سات پارچہ اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد پنشن جاری ہو گئی لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے جو لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہلِ دفتر نے بموجب حکم کے مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت واگذاشت ہو گیا، مگر دلی میں دربار نہیں۔ انبالے آؤ گے تو

دربار میں نمبر اور خلعت معمولی پاؤ گے۔ میں نے تم میں وجدان کا مزا پایا اور انبالے نہ گیا۔ رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہاں آئے، دربار کیا۔ میں دربار میں نہ گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آکر مجھ کو بلا لے گیا۔ بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا۔

آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے۔ ہاں ردیف، الف کی۔ یہ امر قابل پرستش کے نہیں بدیہی ہے۔ دیکھ لو اور سمجھ لو۔ یہ جو صاحب دیوان مشہور ہیں: حافظ و صائب و سلیم و کلیم۔ ان کے آغاز کی غزل کے مطلعے دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو، کبھی ایک صورت، ایک ترکیب، ایک زمین، ایک بحر نہ پاؤ گے، چہ جائے اتحاد حروف و الفاظ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

مارچ ۱۸۶۳ء

(۱۲)

صاحب!

میں برس دن سے بیمار تھا۔ ایک پھوڑا اچھا ہوا، دوسرا پیدا ہوا۔ اب فی الحال دونوں پاؤں ہاتھوں میں نو پھوڑے ہیں۔ دونوں پاؤں پر دو پھوڑے۔ پنڈلی کی ہڈی پر ایسے ہیں کہ جن کا عمق ہڈی تک ہے۔ انھوں نے مجھ کو بٹھا دیا، اٹھ نہیں سکتا۔ حاجتی دھری رہتی ہے پلنگ پر۔ کسل پڑا پھر پڑ رہا۔ روٹی بھی اسی طرح کھاتا ہوں۔ پاخانے کیا کہوں کیوں کر جاتا ہوں۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔ یہ سطور لیٹے لیٹے لکھے ہیں۔ نیم مردہ ہوں، قریب بہ مرگ ہوں۔ افادہ و استفادہ و اصلاح کے حواس نہیں۔ غزل رہنے دی۔ یہ حال تم کو لکھ بھیجا۔

شنبہ ۲۲ اگست ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالب

۱۴۲۵

(۱۳)

سید صاحب!

تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خاں بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکوہ ادا کیا ہے تم کیوں شکر گزار ہوتے ہو؟ جو کچھ نیکی اور نکوئی اُس اقبال نشان نے تمہارے ساتھ کی ہے، وہ بعینہٖ میرے ساتھ کی ہے۔ اُس کا سپاس میں ادا کروں۔ خدا کی قسم، دل سے دعائیں دے رہا ہوں۔ بھائی، اُس کا جوہر طبع ازروے فطرت شریف ہے۔ پروردگار اُس کو سلامت رکھے اور مدارجِ اعلیٰ کو پہنچائے۔ یہ اپنے والدین کے خاندان کا فخر ہے، اور چوں کہ اُس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے۔ پس، وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے۔

وہ اپنے جی میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا، اور صرف زر سے جی پرایا ہے۔ میں تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ مگر کیا کروں کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا۔ کاشکے جب ایسا ہوتا، جیسا کہ اب ہوں، تو سب سے پہلے پہنچتا۔ جی اُس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے۔ دیکھوں اُس کا دیکھنا کب میسر آتا ہے۔ میں اب اچھا ہوں۔ برس دن صاحبِ فراش رہا ہوں۔ چھوٹے بڑے زخم بارہ اور ہر زخم غول چکاں۔ یک درجن پھاہے لگ جاتے تھے۔ جسم میں جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا۔ تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے، وہ کھا کر جیتا ہوں۔ کبھی کھاتا ہوں، کبھی پیتا ہوں۔ مرض کے آثار میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پاؤں کی دو دو اُنگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں۔ معہذا متورم ہیں، جوتا نہیں پہنا جاتا۔ ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا، مگر ہاں یہ میرا شعر:

درکشاکشِ ضعفم نگسلد رواں از تن

ایں کہ من نمی میرم ہم ز ناتوانیہاست

اب کے رجب یعنی ماہِ آئندہ کی آٹھویں تاریخ سے سترواں برس شروع ہوگا:

چو ہفتاد آمد اعضا رفت از کار

بس، اب شکوۂ ضعف نادانی ہے۔ ایمان سلامت رہے۔

سہ شنبہ ۲۴ نومبر سنہ ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالبؔ

(۱۴)

قرۃ العین میر غلام حسنین، سلمکم اللہ تعالیٰ۔

تمھارا خط پہنچا، دل خوش ہوا۔ مولوی نجف علی صاحب کی کیا تعریف کرتے ہو؟ تم کچھ لکھو، تو جانوں۔ واللہ! اگر کبھی مولوی صاحب میرے گھر آئے ہوں یا میں نے اُن کو دیکھا ہو، یہ جائے اختلاط و ارتباط۔ صرف بہ رعایتِ جانبِ حق چند کلمات انھوں نے لکھے ہیں۔ تم میرے یار ہو اور میری خدمت گزاری کے حقوق ہیں تم پر، مجھ کو مدد دو، اور اپنی قوتِ علمی صرف کرو۔ "محرقِ قاطع برہان" میرے پاس موجود ہے، مجھ سے منگواؤ۔ میں ہر موقع پر خطا اور زلّتِ مؤلف کا اشارہ کر دوں گا۔ تم ہر فقرے کو بہ غور دیکھو اور بے ربطیِ الفاظ اور لغویتِ معانی کو میزانِ نظر میں تولو، اس کی نہیں ہو، عالم ہو۔ آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوتِ عاقلہ سے بے اعانتِ غیر "محرق" کے جامے کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ تمھارے پاس دو نسخے، ایک "دافعِ ہذیان"، ایک "سوالاتِ عبدالکریم" مع استفتاء اور سے دستخطِ علمائے دہلی موجود ہیں اور اب اُس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سود مند پہنچیں گے۔ تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۔ مدعی کا کلام از اصل لغو، پھر تمھارے پاس سرمایۂ علمی موجود اور یہ تین نسخے منقول اس پر مزید علیہ۔ "محرق اور صاحبِ محرق" کا خاکہ اڑ جائے گا۔ میرے اس خط کے پہنچتے ہی جواب لکھیے اور اجازت بھیجیے کہ میں نسخۂ مطبوعۂ "محرق" بہ سبیلِ ڈاک بھیج دوں۔ مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جائے اُسی دن سے آپ اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجیے اور بعدِ اختتام مجھے اطلاع دیجیے۔ پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔ غالبِ اثنا عشری حیدری۔

ہاں صاحب، آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی کا خط مع اشعار آیا، اور میں نے اُس کا

جواب بھجوایا۔ اب جو ڈھونڈا تو میرا مسودہ ہاتھ آیا مگر آغا کا خط نہ آیا۔ اُس مسودے کو صاف کر کے تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ آغا صاحب کا جب خط نکل آوے گا، وہ بھی بھجوا دیا جائے گا۔
سعادت و اقبال نشان مرزا عباس بیگ خاں کو میری دعا کہنا اور یہ ورق اُن کو سراسر پڑھا دینا۔
۱۸۶۵ء

(۱۵)

[سوال :] یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی

[ناسخ :] رہن رکھو، کر ترا عمامہ دو او دوں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہونِ احساں، تو سہی

اس "سہی" اور "تو سہی" کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے؟

(قدر)

[جواب :]
اسما کے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ۔ طرزِ گفتار ہندی کا فارسی، اور فارسی کا ہندی کبھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً "چوری کا گڑ میٹھا"، اس کی فارسی نہ پوچھے گا، مگر نادان "سہی" اور "تو سہی" کی فارسی کیوں کر بتے؟ یہ روزمرّۂ اردو ہے:

گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی

اس مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہو سکتی ہے: "وصل اگر نیست حسرت نیز عالمے دارد"۔
زاہدا تجھ کو کروں مرہونِ احساں تو سہی

ایک نوع کی تنبیہ، ایک قسم کا دعویٰ ہے: "تا مرد باشم، اگر فلاں کار نکنم"، "تا فلاں کار نکنم"

نیا سایم" اہل ہند کی فارسی اسی طرح خام اور ناتمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اردو کے خاص روزمرے کی فارسی بنایا کیے۔ ہندی میں "کچھ نہیں" کی جگہ "خاک نہیں" بولتے ہیں۔ فارسی میں "ہیچ نیست" کی جگہ "خاک نیست" کبھی کوئی نہ کہے گا۔ قتیل چاروں خانے چت گرا ہے:

کشتہ برکشتہ تپاں بود، دگر خاک نبود

یعنی ہیچ نہ بود۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃ۔

ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا۔ چوں کہ میں بلّی ماروں کے محلّے میں رہتا ہوں۔ اُس نے پتا لکھا کہ: "در محلہ گربہ کشاں" واہ فارسی۔!

غالبؔ:

مردم از من داستاں رانند و از دورانِ چرخ
گشت صرفِ طعمۂ زاغ و زغن عنقا ے من

(۱۶)

قدرؔ:

کاٹ کر غیروں کے سر ہائے جو میری نذر کو
ڈال دوں سونے کا آنڈو پاؤں میں جلاد کے

"آنڈو" بہ دالِ ہندی یا بہ دالِ عربی؟ بھائی، واللہ! یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا۔ میں اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سنا ہے کہ فلانا مرد ایسا بہادر، ثابت قدم تھا کہ معرکۂ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں "آنڈو" ڈلوا دیے۔ ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کو مانعِ رفتار ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بندِ خاص ہے۔ استعمال اس لفظ کا محلِ انعام میں نہ چاہیے۔

"آبستن" اور "آبست" کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ "آبست" کو بہ جائے "آبستن" جائز سمجھا ہے۔ "آبست" کوئی لفظ نہیں۔ "آبستن" اصل لفظ اور "آبستنی" مزید علیہ۔ یہ دونوں صحیح

بلکہ "آبستنی" زیادہ فصیح۔ اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں؟ فیضی کی سند مقبول اور مسموع۔ "ارمغاں" اور "ارمغانی" "آبستن" اور "آبستنی" اے، یہ تو فارسی لغت ہیں۔ فارسی گویوں نے "حضور" کو "حضوری" اور "فضول" کو "فضولی" اور "نقصان" کو "نقصانی" لکھا ہے۔

آج تک سنا نہیں کہ "ربِ کبریا" کسی نے لکھا ہو۔ ہاں "کبریائے الٰہی" یعنی خدا کی بزرگی۔ اس نظر پر "ربِ کبیر" لکھیں گے۔ نہ "ربِ کبریا"۔ "کبریا" صفتِ ذاتی ہے، لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے۔ جیسا کہ "زید عدل" بجائے "زید عادل"۔ "جنابِ کبریا" بجائے "جنابِ الٰہی" جائز۔ ایک نکتۂ دقیق ہے، یعنی مذہبِ حقۂ امامیہ میں مجموعِ صفات عینِ ذات ہیں۔ پس اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایتِ نبی اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہے

"حال" کی جگہ "حالات" یا "احوال" لکھنا قبیح نہیں ہے بخصوصاً "احوال" کہ یہ بہ معنی واحد مستعمل ہے۔ اور یہ استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ "احوال" بہ معنی جمع مستعمل نہیں ہوتا۔ جیسے "حور" کہ بہ معنی "حوراء" کے۔ اہلِ فارس اس کو صیغۂ واحد قرار دے کر الف نون کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں۔ سعدی کہتا ہے :

حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف

از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ "حور" کو "حوری" کہہ کر جمع "حوریاں" لاتے ہیں۔ حافظ لکھتا ہے :

شکر ایزد کہ میانِ من و او صلح فتاد

حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند

میں نے ایک مقطع میں "حال" کی جگہ "احوال" لکھا ہے :

جانِ غالب تابِ گفتاری کجاں داری ہنوز

سخت بے دردی کہ می پرسی ز ما احوالِ ما

آخر مجھ کو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذۂ عجم کے کلام پر اطلاع ہے، وہ آبستنی کیوں لکھتا

فلاں باز، فلاں شکرہ، طیار شدہ است و صید می گیرد"۔ بہر حال اب تائے قرشت سے یہ لفظ یا نکل آیا۔ اس لفظ کو مستحدث اور در اصل اردو اور بہ تائے قرشت، بہ معنی آمادہ، اشخاص اور اشیا یہ عام تصور کرنا چاہیے، اور عبارتِ فارسی میں استعمال اس کا کبھی جائز نہ ہو گا۔ (غالب)

فقیر کے نزدیک "نقاب"، "قلم" اور "دہی"، ترجمہ جغرات، یہ تینوں، ہم مذکر ہیں۔ منکر سے مجھے بحث نہیں۔ مجیب کا میں احسان مند نہیں۔ لغت فارسی اور روزمرہ فارسی ہو تو اہلِ زبان کے کلام سے سند کریں۔ منطقِ فارسی میں تذکیر و تانیث کہاں؟ اس امر کے مالک ور اہلِ زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغۂ متکلم مع الغیر ہے۔ یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا و شعرائے دہلی و لکھنؤ۔ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے۔ زیادہ جھگڑا بے فائدہ۔ غالب

بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالب نے
تمام جوہرِ تیغِ زباں اُبھر آئے

"غزل" کی "زے" یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز ہے۔ "قدم" "مفرد" "قدموں" جمع ہے۔
"کھو رہا ہوں" متعدی ہے۔ پوربی اس کو لازمی جانتے ہیں۔ مانند "کھو گیا ہوں"۔ ہم کہیں گے "جلے جاتے ہیں" اہلِ پورب کہیں گے "جلتے ہیں"۔ "جان و دل"، "دل و جگر"، یہ صحیح۔ "جان و جگر" ٹکسال باہر۔

"فریاد" مونث ہے۔ "فریاد کرنی چاہیے"۔ "فریاد کرنا" انگریزی بولی ہے۔ "فکر" مونث ہے۔
معشوق کو ہم زاد بنانا، ظرافت کو اپنے اوپر ہنسانا ہے۔

راقمہ

اندیشۂ بلند رو لامکاں نورد
چوں خواست بام جاہ ترا نردباں نہاد
دیدش ہماں بجا چو سپہر از فراز کوہ
بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقداں نہاد

پہلے مصرع میں "اندیشہ" فاعل ہے "خواست" کا، جو مصرعِ ثانی میں [ہے]۔ "نہاد" بہ معنی
مصدری ہے۔ دوسرے شعر میں "دید" کا اور "نہاد" کا فاعل وہی "اندیشہ" ہے۔ اب ایک بات
سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو
آسمان کو چھو لیں، مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے
نظر آتا تھا۔ "فرقدان" ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر۔ ہمارے قیاس میں
آیا کہ فرقداں پر سے بامِ جاہِ ممدوح نظر آوے گا بہت قریب۔ ہم فرقدان پر گئے۔ وہاں بھی
قریب نہ پایا۔ فرقداں پر ہزار پائی رکھی۔ اُس پر چڑھ کے دیکھا، تو بامِ ممدوح میں اور اُس
مقام میں اُتنا ہی بُعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں۔ یہ مبالغہ حدِ تبلیغ و غلو سے گزر گیا۔

"لگا دیتے ہو" اور "اٹھا دیتے ہو" خطاب بہ جمع حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے یعنی تم۔
معشوقِ مجازی کو "تم" اور "تو" دونوں طرح یاد کرتے ہیں۔ خدا کو یا "تو" کہتے ہیں یا صیغۂ جمع غائب یعنی صیغۂ
جمع غائب کا نظر بہ قرینہ، افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہے۔ تمھاری غزل میں دو چار جگہ "دیتے ہو"
اس طرح آیا ہے کہ محبوبِ مجازی اُس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا:

لا کے دنیا میں ہمیں زہرِ فنا دیتے ہو
ہائے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو؟ سوائے قضا و قدر کے کوئی رنڈی، کوئی لونڈا، اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا
اور علیٰ ہذا القیاس دو ایک شعر اور بھی۔ ناچار صیغۂ جمع رکھ دیا تا کہ "خوباں" اور "بتاں" کی طرف ضمیر راجع
ہو یا شخصِ واحد کی طرف "آپ" کے لفظ کے ساتھ، یا قضا و قدر کی طرف۔ اب خطاب معشوقانِ
مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا۔ غالب۔

(س): "بود" اور "باشد" کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں۔ بہ معنی "ہست" آتے ہیں یا نہیں؟ قدر

(ج): البتہ آتے ہیں۔ غالب

۳: نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے؟ قدر

(ج): بے جا ہے۔ جب تک علامت استمرار نہ ہو، معنی استمراری کیوں کر لیے جائیں گے؟

(س) : فارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے ؟ قدر

(ج) : خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آئی ، فارسی میں کہاں سے ہوگی ؟ مقتضب صفت بحر کی ہے، نہ صفت مصدر کی ۔ غالب ۔

(س) : کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے، قدر ۔

(ج) : جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اُس میں نقط الف نون یا الف نون اور تحتانی بڑھائیں ۔ مثلاً "گشتن" کو "گشتاندن" نہ لکھیں گے ۔ "گردد" سے مصدر بنائیں گے "گردیدن" اور اُس کو "گرداندن" اور "گردانیدن" کہیں گے ۔ جس مصدر کے ساتھ مضارع نہ ہوگا، وہ متعدی نہ بنے گا ، جیسے "برشتن" اور "خستن" ۔ غالب

(س) : "پناہ" کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آیا ہے ؟ قدر ۔

(ج) اردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنی "پناہ" کا لفظ مشترک ہے اردو میں اور فارسی میں ۔ پناہ کا ترجمہ اردو میں پوچھنا نادانی ہے ، ہاں پناہ کی ہندی آسرا ہے ۔ غالب ۔

"برنہ آنا" فصیح "برآنا" ۔ یکساں با ہم ۔ قافیہ ہائے اصلی الفیہ سینکڑوں ہیں ۔ اُن کو چھوڑ کر "نسخہ" اور "نامہ" اور "افسانہ" ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک نامناسب نہیں ، ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو ۔

غالب

(۱۸)

حضرت !

آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ ۔ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف، تم خود اپنی عبارت کو درست نہ پڑھ سکو گے ۔ ناچار جداگانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں ۔

"رنگ" بہ وزن "سنگ" "ترجمہ لون" اور لفظ فارسی الاصل ہے ۔ جب اس کو اردو میں منصرف یا بہ قول بعضے متصرف کریں گے تو نون کا تلفظ موہوم سا رہ جائے گا ۔

"رنگنا" بہ وزن "چندھا" نہ کہیں گے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں :

ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی

یہ صحیح اور فصیح ہے :

ہم نے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی

یہ اعلانِ نون گنواری بولی اور غیر صحیح و غیر فصیح ہے۔

"خرام" کو کون مونث بولے گا، مگر وہ کہ دعوئے فصاحت سے ہاتھ دھولے گا، "رفتار" مونث اور "خرام" مذکر ہے۔ "رفتار" کی تانیث کو "خرام" کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے حرف مسروری، جس کو شتری بھی کہتے ہیں، موحدہ سے زائے معجمہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولوی آل نبی سہارنپوری اور مولوی امام بخش دہلوی میں اس بات پر جھگڑا ہوا۔ مولوی امام بخش "با" کو "بے" کہنا جائز نہیں رکھتے تھے۔ آخر مولوی آل نبی نے آئمہ فن کلام کے کلام سے اس کا جواز ثابت کر دیا، مگر صرف از روئے تلفظ؛ اور اس کی اجازت کا کوئی قاعدہ خاص اس کے واسطے نہیں۔

اردو میں "طا" کو "طوے" اور "ظا" کو "ظوے" کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں۔ لسان عرب و عجم میں موحدہ سے زائے معجمہ تک اواخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں، اور تحتانی بھی "حا"، "خا"، کو "طا"، "ظا" ہی کہیں گے، نہ "طوے"، "ظوے"، نہ "طے"، "ظے"، علیٰ ہذا القیاس حروف باقیہ۔

راقم اسد اللہ خاں

انوری :

بعہد جود تو دائم بیک تنکم ز آنند
زغایت کرم اندر کلام تو "لے" نیست
زمانہ صوت سوال و صدائے آرے را
بہ اعتقاد تو صد حجت نون مگر "بے" را

(۱۹)

حضرت!

کیا فرماتے ہو؟ "ہوا بھی ہو" "قضا بھی ہو" اس ردیف کے ساتھ قافیہ معمولی آ نہیں سکتا۔ "بیتابی ہو" "مہتابی ہو" کیوں کر درست ہوگا؟ وہاں موحدہ کے مابعد ہاے ہوز۔ بے یہاں موحدہ کے آگے۔ "چاپی" کہ باے فارسی اور یاے حطی سے[1] ہے، "چاپی" اور "کاپی" و "ڈرپی" و "پاپی"[2] یہ قافیہ باہم دگر ہو سکتے ہیں۔ "چاپی" لغت انگریزی ہے۔ اس زمانے میں اس امر کا شعر میں لانا جائز ہے، بلکہ مزا دیتا ہے۔ "تار برقی" اور "دخانی جہاز" کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیے ہیں۔ اوروں نے بھی باندھے ہیں۔ "روبکاری" اور "طلبی" اور "فوجداری" اور "رشتہ داری" خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں۔ "چابی" بمعنی "کلید" شوق سے لکھو۔ "چابی" ناسخ لکھتا ہے: "میم صاحب" کے آگے الفاظ بھول گیا ہوں۔ آخر مصرع یہ ہے:

.... مس کے
ناز بے جا اٹھاؤں کس کس کے

الٰہی بخش خاں معروف لکھتے ہیں:

نگینِ دل سوا کھودے تو گھر نیلام ہو جائے

والسلام
غالب

صاحب! تم نے مثنوی خوب لکھی ہے۔ کہیں املا میں، کہیں انشا میں، جو اغلاط تھے دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی۔ فکر تاریخ مثنوی سے مدت العمر معاف رہوں۔[3]

غالب

(۲۰)

صاحب!

واللہ، سواے اس خط کے تمھارا کوئی خط نہیں آیا۔ کیسے چار خط تم نے بھیجے؟ کیوں

باتیں بناتے ہو؟ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے، بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے۔

برخوردار مرزا عباس کی بدلی کی خبر میں نے پہلے ہی سے سنی ہے مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں گئے۔ اب دریافت ہو کہ تمھارے ہمسائے میں آئے ہیں۔ اب اُن سے ملیے۔ خدا اُن کو مروت کی توفیق دے۔

مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے۔ میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے۔ "میر جی" اور "میر صاحب" کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور اس بدعت کا تتبع نہ چاہیے۔

غالب

(۲۱)

سید صاحب!

تم "قدر" اور نورِ چشم مرزا عباس قدردان۔ خاطر جمع رکھو۔ نوکری تمھاری ہو جاوے گی۔ صاحب کی اور راج کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستے ہیں، مگر مرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو۔ یہ تو ایک باغ ہے سرسبز و شاداب، جس میں گلبن ہزار در ہزار، میوہ دار درخت بے شمار، زمین سراسر سبزہ زار، بہت حوض، بہت نہریں، مٹی نظر نہیں آتی۔ سبزہ، یا لہریں۔ فقیر غالب تمھارا خیر خواہ اور تمھارے ممدوح کا دعا گو ہے۔

(۲۲)

حضرت!

فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے، اصلاح دینے سے توبہ کی ہے۔ شعر سننا تو ممکن ہی نہیں، بہرا ہوں۔ شعر دیکھنے سے نفرت ہے۔ پچھتر برس کی عمر۔ پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا، نہ مدح کا صلہ ملا۔ نہ غزل کی داد۔ بہ قول انوری:

۱۴۳۶

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوارِ مدح
اے دریغا نیست معشوقے سزاوارِ غزل

سب شعرا سے اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرۂ شعرا میں شمار نہ کریں اور اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہو۔

اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب والمخاطب بہ نجم الدولہ
خدایش بیامرزاد

منشی جواہر سنگھ جوہرؔ

(۱)

برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعاے دوام عمر و دولت معلوم ہو۔ خط تمھارا پہنچا۔ خیر و عافیت تمھاری معلوم ہوئی۔ قطعے جو تم کو مطلوب تھے، اُس کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے، میں تم سے کہہ نہیں سکتا۔ نری کوشش نہیں روپیہ صرف کیا۔ پندرہ روپے جو تم نے بھیجے تھے وہ، اور پچیس تیس روپے اور صرف کیے۔ پانچ پانچ اور چار چار روپے اور دو دو روپے کو قطعے مول لیے اور بنوائے۔ خرید میں روپے جدا دیے اور بنوانے میں روپے جدا لگائے۔ دوڑتا پھرا۔ حکیم صاحب پاس کئی بار جا کر حضور والا کا قطعہ لایا۔ اب دوڑ رہا ہے ولی عہد بہادر کے دستخطی قطعے کے واسطے۔ یقین ہے کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آوے اور بعد اُس قطعے کے آنے کے، وہ سب کو یکجا کر کے تمھارے پاس بھیج دے گا۔ مدد میں بھی اُس کی کر رہا ہوں۔ لیکن اُس نے بڑی مشقّت کی۔ آفریں، صد آفریں۔ پندرہ روپے میں سے ایک روپیہ اپنے صرف میں نہیں لایا اور یاں کو عاجز کر کے اُس سے بہت روپے لیے۔ جب سب قطعے تمھارے پاس پہنچیں گے، تب اُس کا حسنِ خدمت تم پر ظاہر ہوگا۔

کیوں صاحب، وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے میں بھیجوں گا۔ والدعا۔

سنہ ۱۸۳۴ء

اسد اللہ

(۲)

برخوردار!

تمھارے خطوں سے تمھارا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدے کا پہنچنا اور میرا سنگھ کا ادھر روانہ ہونا معلوم ہوا۔

ہاں لالہ چھج مل اکثر بیمار رہتے ہیں۔ ان دنوں میں خصوصاً اس شدت سے نزلہ چھاتی پر پڑا کہ وہ گھبرا گئے اور زیست کی توقع جاتی رہی۔ بارے کچھ فرصت ہوگئی ہے۔ بھائی یہ آفتاب سرگودہ ہیں۔ میرا کا ان کے پاس رہنا چھاہے۔ تم سے جو ہو سکے گا، تم اُس کے مصدرت کے واسطے مقرر کر دو گے۔

غزل تمھاری ہم کو پسند آئی۔ اصلاح دے کر بھیج دی گئی۔ اس کا تم خیال رکھو کہ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے:

چرا نہ یاس بجانِ امیدوار افتد

یہاں "افتد" مہمل ہے۔ یاس بدل افتادن" "یاس بجان افتادن" روزمرہ نہیں۔ دیگر دو "افتد" ایسے ہی ہیں: سیاہ بختم اگر بر سرم گرار افتد

بسانِ سایۂ ہمانیز سوگوار افتد

"سوگوار ہونا" سایے کا بہ اعتبار سیاہی رنگ ہے۔ اب یہاں دونوں "افتد" ٹھیک ہیں "گزار افتادن" روزمرہ اور دوسرا "افتد" بہ معنی "واقع شود":

شنیدہ ام بہ جفاے تو مبتلاست عدو

چرا نہ شور بہ جانِ امیدوار افتد

"شور افتادن" روزمرہ ہے اور "یاس افتادن" غلط:

بہ حیرتم کہ ز دوزخ، کسانِ دوزخ را

کجا برند چو آہم شرارہ بار افتد

یہاں "افتد" بمعنی "وقوع شود" ٹھیک: نہ گبرم و نہ مسلماں بحیرتم کہ مرا

سوائے دوزخ و مینو کجا گزار افتد

یہ شعر تمھارا بہت خوب ہے۔ آفریں! :

تو در وطن افسردہ میکند دل را

خوشا غریب کہ دور از دیار یار افتد

یہاں بھی افتد صحیح و بامعنی :

نیم رقیب کہ رسوائیم خجل نکند

خوش ست چشم اگر یار پردہ دار افتد

یہاں بھی "افتد" بمعنی واقع شود :

ترا کہ شیوہ دگرگوں کنی بہ غمزہ بتاں

خوش ست گر ز جفا بر وفا قرار افتد

"افتد" یہاں بھی ٹھیک ہے۔ بات اتنی ہی تھی کہ "بود" گدلا لفظ تھا "کنی" صاف ہے:

خط رخ تو بدل دادہ خط آزادی

خوشم کہ در شکن زلف تابدار افتد

وہ صورت اچھی نہ تھی۔ یہ طرز خوب ہوگئی۔ معنی کا عیب رفع ہوگیا:

چکد ز خامۂ جوہر سخن چناں کہ مگر

بزور موج دُرر از بحر بر کنار افتد

دولت و اقبال روز افزوں روزی باد۔

پنجشنبہ ۷ اپریل ۱۸۵۳ء

از اسداللہ

(۳)

برخوردار کامگار سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو بلب گڑھ کی تحصیل داری

مبارک ہو۔ پیلی سے نوح آئے۔ نوح سے بلب گڑھ گئے۔ اب بلب گڑھ سے دلی آؤ گے۔ انشاءاللہ۔

سنو صاحب، حکیم مرزا جان، خلف الصدق حکیم آغا جان صاحب کے، تمھارے علاقہ تحصیلداری میں بہ صیغۂ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہیں۔ ان کے والد ماجد میرے پچاس برس کے دوست ہیں۔ میں اُن کو اپنے بھائی کے برابر جانتا ہوں۔ اس صورت میں حکیم مرزا جان میرے بھتیجے اور تمھارے بھائی ہوئے۔ لازم ہے کہ اُن سے یک دل یک رنگ رہو اور اُن کے مددگار بنے رہو۔ سرکار سے یہ عہدہ بہ صیغۂ دوام ہے۔ تم کو کوئی نئی بات پیش کرنی نہ ہوگی، صرف اسی امر میں کوشش رہے کہ صورت اچھی بنی رہے۔ سرکار کے خاطر نشان رہے کہ حکیم مرزا جان ہوشیار اور کارگزار آدمی ہے۔

۸ فروری ۱۸۶۶ء

غالب

سید ابو محمد جلیل الدین حسین عُرف شاہ فرزند علی صوفی مُنیری

زبدۂ اولادِ حضرت خیر الانام، قبلہ و کعبہ مجموعِ اہلِ اسلام حضرت پیر و مرشد عالی مقام کی خدمت میں فقیر غالب کی بندگی قبول ہو۔ اپنے ابوالآبا کے بوڑھے غلام کو آپ نے اتنا کیوں شرمایا کہ وہ بے چارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے۔ کافی تھا اُن اشعار کا بھیج دینا اور حک و اصلاح کی اجازت دینی۔

میری مدت آپ کے غلاموں کو موجبِ ننگ و عار اور میرے آبا و اجداد کو ذریعۂ عزّ و افتخار۔

حکم بجا لایا۔ دو ایک جگہ املا کی صورت بدل گئی۔ کہیں مصرعے کی جگہ مصرع لکھا گیا — بے مبالغہ بے تکلف و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے۔ لفظ عمدہ، ترکیب اچھی، معنی بلند۔ فقیر اپنا حالِ زار لکھتا ہے۔ اکہتّر برس کی عمر، پاؤں سے اپاہج، کانوں سے بہرا۔ دن رات پڑا رہتا ہوں۔ دو سطریں لکھیں، بدن تھرّایا، حرف سوجھنے سے رہا۔ قوتیں ساقط، حواس مختل، غذا قلیل بلکہ اقل:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

ایّامِ شباب میں کہ بحرِ طبع روانی پر تھا۔ جی میں آیا کہ غزواتِ صاحبِ ذوالفقار لکھنا

چاہیے۔ حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و مغنّی نامہ لکھا گیا۔ داستان طرازی کی توفیق نہ پائی۔ ناچار اس آٹھ نو سو شعر کو چھپوا لیا۔ اغلاطِ "برہانِ قاطع" از روئے انصاف نکالے اور اس کا ایک رسالہ مرتب کیا۔ "قاطع برہان" اس کا اسم اور "درفشِ کاویانی" اس کا عَلَم۔ ان دونوں رسالۂ مطبوع کو ایک پارسل میں اور حضرت کے بھیجے ہوئے اوراق بھی اس پارسل میں اور یہ خط جداگانہ ڈاک میں بھجوا دیا اور توقع رکھتا ہوں کہ اس کی رسید روزِ ورود یا دوسرے دن لکھی جائے۔

سنہ ۱۸۶۷ء[1]

عزیزالدین

صاحب!

کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ دلّی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو جیسے آگے تھی؟ قاسم جان[۱] کی گلی، میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ہے۔ ہاں اگر آبادی ہے تو یہ ہے کہ غلام حسین خاں کی حویلی ہسپتال ہے اور ضیاءالدین خاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالی شان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔ ضیاءالدین خاں اور اُن کے بھائی مع قبائل وعشائر لوہارو میں[۲]۔ لال کنوئیں کے محلے میں خاک اُڑتی ہے۔ آدمی کا نام نہیں۔ تمھارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی اُس کے پاس اور لکھمی کی دکان پر اس اشتہار کو بھیجا[۳]۔ بیگم لاہور گئی ہوئی ہے۔ لکھمی[۵] کی دکان میں کتے لوٹتے ہیں۔ مولوی صدرالدین صاحب لاہور ہیں۔ ایزد بخش تراب علی ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں۔ میں نے آپ مہر کر دی۔ حکیم احسن اللہ خاں اور میاں غلام نجف اور بہادر بیگ ورحیم بخش خاں ساکن دریبہ، اُن کی مہریں ہو گئیں محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔

خط ازروئے احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ پوسٹ پیڈ خط اکثر تلف ہو جاتے ہیں[۶]۔ چنانچہ قاضی عبدالجمیل صاحب کا خط، جس کا آپ نے ذکر لکھا ہے، آنکھیں پھوٹ جائیں، اگر میں نے دیکھا ہو۔ آپ اُن سے میرا سلام نیاز کہیے اور خط کے نہ پہنچنے کی خبر اُن کو پہنچائیے۔

۱۸۵۸ء

غالب

تخلص لکھ دو۔ موجبِ ملال خاطر کیوں ہوا؟ اور اس سے یہ مفہوم کیوں کر پیدا ہوا کہ میں تمھارے کلام کو اصلاح نہیں دوں گا۔ تم ہی غور کرو کہ شعر کو علاقہ تخلص سے ہے یا نام سے..... عرف سے۔ میں نے تو اصلاح دی، تم نے بُرا مانا۔ ذہن تمھارا معوج ہے۔ اکثر کجی کی طرف جاتا ہے۔ تمھاری اس نثر میں حک و اصلاح کی گنجائش نہیں۔ پنج رقعۂ سابق سے لفظاً و معناً تمھاری عبارت بہتر ہے۔ اس قول کو باور نہ کرو گے تو منشا اس کا وہی اعوجاجِ طبع ہو گا مع سوءِ ظنون۔

نجات کا طالب غالبؔ

مفتی محمّد عبّاس

قبلہ!

حضرت کا نوازش نامہ آیا۔ میں نے اس کو حرزِ بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عزّ و افتخار ہے۔ بقیہ امیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی نہ سرسری بلکہ سراسر دیکھا جاوے نہ مثلِ نظر دھرا رہے بلکہ اکثر دیکھا جاوے۔ میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے۔ دیباچہ و خاتمے میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا ہوں طرزِ عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش سلاست سے خالی نہ ہوگی۔ گزارش ظرافت سے خالی نہ ہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن پچپن برس سے محوِ سخن گزاری ہوں۔ مبداءِ فیاض کا مجھ پر احسانِ عظیم ہے۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبتِ ازلی و سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہلِ پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبتِ خداداد تربیتِ استاد سے "حسن و قبحِ ترکیب پہچاننے لگا۔ فارسی کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا۔ "قاطع برہان" کا لکھنا کیا ہے" گویا باسی کڑھی میں ابال آیا۔ لکھنا کیا تھا کہ سہامِ ملامت کا ہدف ہوا ہے۔ سبب یہ تنگ مایہ معارضِ اکابرِ سلف ہوا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "قاطع برہان" کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ حضرت "برہانِ قاطع" و "قاطع برہان" ایک نمط ہے۔ "برہانِ قاطع" سے کیا غرض؟

نہیں سکھ قطع کیا ہے جو آپ نے اس کو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جب تک غیر کی کسی برہان کو قطع نہ کرے گی کیوں کر برہانِ قاطع نام پائے گی۔ برہانِ قاطع کی صحت میں جتنی تقریر کیجے گا[۳] وہ "قاطعِ برہان" کی صحت کے ثبوت کے کام آئے گی۔

قطعہ تاریخ کا کیا کہنا[۴][۵] گویا[۶] یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اُس کا گہنا ہے۔ جناب نواب[۷] صاحب کا نیازمند اور بندۂ فرماں بردار ہوں۔ بعد عرض سلام شعر[۸] کے پسند آنے کا شکرگزار ہوں۔ آپ کے علم و فضل و فہم و ادراک کی جو تعریف کی جائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دکانِ بے رونق ہے۔ انصاف کا طالب[۹]

شنبہ ۹، صفر المظفر ۱۲۷۹ھ[۱۰]

۱۶ اگست ۱۸۶۲ء[۱۱]

غالب

جاں بر سرِ مکتوبِ تو از ذوق فشاندن

از عہدۂ تحریرِ جوابم بدر آورد

ابرِ رحمت سلامت۔ یاد آوری کا شکر بجا لاتا ہوں۔ کیوں اتنی میری تعریف کی جو میں اپنے کو اُس کے لائق نہیں پاتا ہوں۔ ہرگز میں ایسا نہیں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ سخنورانِ گذشتہ کا حرف شناس اور اُن نازک خیالوں کا پیرو ہوں اور مبداء فیاض سے مجھ کو اُن کی تقلید میں پایۂ تحقیق ملا ہے اور میں صاحب طرزِ جدید ہوں۔

اب یہاں ایک بات میں سچ کہتا ہوں آپ باور کریں۔ واللہ میرے ایجاد کیے ہوئے طرز میں آپ سے بہتر نثر کسی نے نہیں لکھی۔ نہ یہ مبالغہ ہے نہ تملق ثانی انصافاً آپ

پس ارشاد کریں کہ بعض اشخاص جو اس روش پر چلتے ہیں۔ باآں کہ خوش رفتار نہیں لیکن مجھ کو بُرا جانتے ہیں اور بُرا کہتے ہیں۔ یہ حق ناشناسی اور ناانصافی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ضرور دیجیے۔

محرّق قاطع برہان جو قاطع برہان میں کہیں کہیں سہو طبعی واقع تھا، تا یار اُس کی ترمیم و تکمیل کے واسطے اُسی نسخے میں کچھ بڑھایا، اور ایک دیباچہ اور لکھا اور اُس رسالے کا "درفشِ کاویانی" نام رکھا۔ کل یکشنبہ ہے۔ پارسل ڈاک میں روانہ نہیں ہو سکتا۔ پرسوں دوشنبے کو بھیجوں گا۔ اس کے سود و پرسش، جس کا خط میں وعدہ ہے، اُس کا منتظر اور رسید پہنچنے کا آرزومند ہوں۔

آپ کے خط کے عنوان پر جو خیال میں آئے گا وہ لکھوں گا اور معذور رہوں گا۔ آیندہ "خانی، نوابی" یا جو اور الفاظ اسم مبارک کے ساتھ معمول ہوں، اُن پر اطلاع پاؤں۔

شنبہ ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

اسد اللہ

لفافے پر پتا

مقام بھیو، پرگنہ بھولی، ضلع سیتاپور، پہنچ کر حضرت فلک رفعت مخدوم و مکرم و معظم جناب نعمان احمد صاحب تعلقہ دار زاد مجدہٗ کی خدمت میں مقبول ہو۔

جواب کا طالب غالب
پیڈ مسٹر وری ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

وہ مطاع ہیں اور میں مطیع۔ بہتّر برس کی عمر۔ حواس مسلوب۔ قوٰی مختل۔ بصارت میں ضعف،
ہاتھ میں رعشہ، نسیان مستولی۔ اب لو آپ کا خط آیا، پڑھا، جواب اور وقت پر حوالے
کرکے خط مع سرنامہ رکھ چھوڑا۔ آج جو جواب لکھنے بیٹھا، خط نہیں ملتا۔ نہ بکس میں، نہ صندوق
میں، نہ طاق میں، حیران کہ اب کیا کروں۔ بارے اتنا کچھ یاد آگیا، اُس کا جواب لکھا۔

"قران کے باب میں عرض یہ ہے کہ زہرہ و مشتری کا ایک برج اور ایک درجہ و دقیقہ میں باہم ہونا
قران السعدین" ہے اور یہ قرانات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور اکثر واقع ہوتا ہے اور یہ قران
.... جب سلطنت موجود نہیں۔ اگر کسی بادشاہ کے ہنگام ولادت یہ قران آپڑا ہوگا تو وہ
اکثر بعد طالع میں یا اوتاد خمسہ یا کل اوتاد میں واقع ہو کر نظر اُس کی طالع مولود پر
ہو تو وہ افادۂ صحت و عیش و عشرت کرتا ہے اور یہ وہ قرانات اور ہیں جو موجب تغیر
اوضاع عالم و انقلاب سلطنت ہوتے ہیں۔ از آں جملہ ایک یہ قران تھا کہ زحل و مشتری برج میزان
میں فراہم ہوئے تھے، ہمارا ہندوستان کی خاک اڑ دی گئی تھی، جو بادشاہ صاحب قران ہوتا
ہے، بہ اعتبار افراط جاہ و جلال و قوت جمال کہا جاتا ہے۔ طالع ولادت میں قران السعدین
واقع ہونا ضرور نہیں۔ "صاحب قران" مرادف شاہنشاہ ہے۔ سو کئی صد سلاطین میں سے دو
شخص "صاحب قران" کہلاتے ہیں۔ امیر تیمور اور شاہ جہاں۔ بعض کلام ساتذہ سے معلوم ہوا
کہ خاقانی نے اپنے کو "صاحب قران" لکھا ہے اور ظہیر فاریابی نے بھی لکھا ہے :

سزد گر نویسند صاحب قرانم

اور بیان مدت توقیع نویسی علت نہیں ہے صاحب قران کہلانے کی۔ فقط۔

شنبہ ششم اکتوبر ۱۸۶۶ء

اسد

زروئے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

۱۳۵۷

حضرت!

آپ کو اپنے حال پر متوجہ پا کر اور مائلِ تحقیق جان کر کل چار سواد میں نے بہ سبیل پارسل روانہ کیے ہیں۔

ایک "دافعِ ہذیان"، مصنف اس کے مولوی نجف علی، مجمع البحرین علمِ فارسی و عربی۔ سبب تالیف یہ کہ ایک شخص عامی فضول نے اپنی شہرت کے واسطے "قاطع برہان" کے مطالب کے رد میں ایک کتاب لکھی، "محرق قاطع برہان" اس کا نام رکھا۔ عبارت مہمل، مقاصد پوچ۔ مولوی نجف علی نے منصفانہ اس کے رد میں ایک رسالہ لکھا، موسوم بہ "دافعِ ہذیان"، نو رتنِ قدیم کی طرز پر۔

دوسرا رسالہ "سوالاتِ عبدالکریم"، یہ شخص طالب علم ساکن دہلی۔ اس نسخے کے خاتمے پر استفتا ہے، جس کو میں نے تیسرا سواد شمار کیا ہے۔

چوتھا "لطائفِ غیبی"، یہ رسالہ زبان اردو میں ہے۔ اس کا حال اس کے مشاہدے سے کھلے گا۔ متوقع ہوں کہ اس پارسل کی رسید ضرور بھیجئے گا اور پرسوں سے کئی دن پہلے ایک خط بھیجا ہے اُس کے جواب کا بھی طالب ہوں۔

نظر بہ احتیاط یہ خط بیرنگ بھیجا ہے، قصور معاف۔

۱۹ اکتوبر ۱۸۶۶ء

اسد اللہ، بے دستخط

آج خیال آیا کہ نامۂ مرقومۂ اکتیس اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے حضرت کا نہیں آیا۔ اُس میں میری بھیجی ہوئی کتابوں کی رسید اور آپ کا عازم اکبر آباد ہونا مندرج تھا۔ اکبر آباد کا ہنگامہ تمام ہوا۔ غالب ہے کہ آپ بھی اپنے دارالریاست کو پہنچ گئے ہوں گے تعجب ہے کہ وہاں پہنچ کر بھی آپ نے یاد نہ کیا۔

للہ الحمد کہ اقبال نشان، عالی دودمان مولوی سلمان احمد خاں کی نوید صحت از روے مکتوب حضرت معلوم ہوئی ہے فقیر کی دعاے بے ریا اُن کو پہنچے۔ میں حسب الحکم خط بیرنگ بھیجتا ہوں، مگر طریق احوط یہ ہے کہ آپ کے خطوط بھی بیرنگ روانہ ہوا کریں کہ فی الجملہ اس میں تلف ہونے کا اندیشہ کم ہے۔

جانتا ہوں کہ آپ شعر کہتے ہوں گے۔ اگر میرا گمان سچ ہے تو جیسا کہ نثر سے متمتع ہوا ہوں، نظم سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔

دوشنبہ ۱۰ دسمبر ۱۸۶۶ء

نامۂ غالب بے ادب

تقصیر معاف، جواب طلب

بنام نامعلوم

جناب عالی.

نامۂ وداد پیام عزِّ صدور لایا۔ حضرت کو اب تو یقین آیا کہ بغیر توسط کے بھی ڈاک کے ہرکارے گمنام کا نام جانتے ہیں۔

اس جھتو معمورہ مرا سرور ہیں غالبِ مغموم بہت مسرور ہے اور کیوں نہ ہو، فقیر کی قدر و منزلت کیا یہاں شہزادہ کیا والیِ شہر ہر دو جانب سے ارزش سے بڑھ کر ہے۔

ارمغاں کی فرمایش سر آنکھوں پر مگر یہاں کا ارمغان اہلِ شہر کی کشش سیرت و صورت اور روشِ خوش و مروت ہے۔ یا نواب[2] عالی جناب معلی القاب کا دیدارِ پُر انوار اور گل افشانیِ گفتار ہے۔ شہر کا حال یہ کہ ذوقِ شعر گوئی و شعر فہمی کا جو پایہ میں نے یہاں پایا، جمیع اہلِ ہند کو بھی میسر نہ آیا۔ رام پور کہاں ہے، اس باب میں رو کشِ شیراز و اصفہان ہے۔ ہر شخص شعر کا فریفتہ، شعر ہر شخص پر فریفتہ۔

شہریار کا حال یہ کہ سچ عرض کرتا ہوں۔ نواب[1] صاحب کو پروردگار نے جیسا حسن و تناسب اعضا و اندام دیا ہے ویسا ہی حسنِ تخیل و اعجازِ کلام دیا ہے۔ چند روز ہوئے بیاضِ مرتب کے اوراق برائے اصلاح مرحمت فرمائے، لیکن اس سحر حلال کو کوئی کیا ہاتھ لگائے۔ خدا کی قسم مجھے اس شخص کے حسنِ صورت پر رشک آتا اگر اپنے تئیں اس کا ہم عصر پاتا۔ بھلا

شیریں کلامی پر نہ کیوں رشک آئے۔ دعا گو کہتا ہے کہ خدا اسے نظرِ بد سے بچائے۔ میں نے تو حضور سے صاف صاف عرض کر دیا کہ ان اشعار کے پردے میں ولی نعمت نے معانی کی پڑیا کو بند کیا ہے۔ فقیر نے حسبِ ارشادِ خداوند نقطہ ہائے اصلاحی کو ان کی دفعِ نظرِ بد کے لیے دانہ ہائے سپند کیا ہے۔ سن کے گلے سے لگا لیا اور فرمانے لگے کہ مرزا صاحب آپ کے نقوش قدم پر قدم رکھنے کی بے ادبی ہوئی ہے تو معاف فرمائیے۔ مگر اس میں ہماری عقیدت کو دخل ہے۔ اس بشارت پر بنسی نہ اڑائیے۔ عرض ہوا حق کہ میرے معروضات میں مبالغے کا شائبہ بھی نہیں اور سنو تعجب کرو گے کہ فرزندِ دل بند بھی نواب صاحب کو اخلاقِ پسندیدہ و اوصافِ حمیدہ کا مالک ملا ہے۔ خوش گفتار، صاحبِ کردار، غرض کئی دن سے یہی اوراقِ غزلیات پڑھ رہا ہوں، کہیں کہیں غلطی املا ہے اور بس، اغلاط کو بناتا اور کاتبِ ناہنجار کو بہ زبانِ قلم بتاتا چلتا ہوں۔ واسطے تمھارے دو غزلیں ارمغاں بھیجتا ہوں۔ انصاف سے کام لو۔ کہاں قلم لگاؤں ضد کی اور بات، کیا ہی کہے جاؤ گے تو نے خواہ نخواہ نواب مصطفیٰ خاں سے بڑھا دیا۔

والسلام مع الاکرام

نگاشتہ صبح، پنجشنبہ نہم فروری سال حال ۱۸۶۰ء[1] — جویب کا طالب غالبؔ

غــزلیات

میں نے کہا کہ دعوئ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

تاثیرِ آہ و زاریِ شبہائے تار، جھوٹ
آوازۂ قبولِ دعائے سحر غلط

سوزِ جگر سے ہونٹھ پہ تبخالہ افترا
شورِ فغاں سے جنبشِ دیوار و در غلط

ہاں سینے سے نمایشِ داغ دروں، دروغ
ہاں آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط

بوس و کنار کے لیے یہ سب فریب ہیں
اظہارِ پاک بازی و ذوقِ نظر غلط

لو صاحبِ آفتاب کہاں اور ہم کہاں
عاقل نہیں ہم اس کو نہ سمجھیں اگر غلط

مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جانِ عزیز پیشِ کشِ نامہ بر غلط

پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام
کہتے ہو جان دی ہے سرِ رہ گزر غلط

ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنے روز اڑائی خبر غلط

آیت نہیں، حدیث نہیں، جس کو مانیے
ہے نظم و نثرِ اہلِ سخن سر بسر غلط

یہ کچھ سنا جواب میں ناظمؔ ستم کیا
کیوں یہ کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط[1]

دیگر

مٹی نہ وصل میں بھی کلفتِ زمانِ فراق
تمام رات کہی ہم نے داستانِ فراق

جہاں میں کیا نہیں ہوتی خزاں کے بعد بہار
بہارِ وصل نہ کیوں ہو پس از خزانِ فراق

خوشا حبیب و ادا ہائے دلستانِ حبیب
بدا فراق و الم ہائے جاں ستانِ فراق[2]

مولوی عبدالغفور خاں نسّاخ

(۱)

جناب مولوی صاحب قبلہ!

یہ درویش گوشہ نشین، جو موسوم بہ اسد اللہ اور متخلص بہ غالب ہے، مکرمت ہائے گوناگوں کا شاکر اور آئندہ افزائشِ عنایت کا طالب ہے۔ "دفترِ بے مثال" کو عطیۂ کبریٰ اور موہبتِ عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا۔ پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس ہیچ مدان کو قابلِ خطاب اور لائقِ عطائے کتاب جانا۔

میں دروغ گو نہیں، خوشامد میری خو نہیں۔ دیوانِ فیض عنوان میں جو کچھ ہے "دفترِ بے مثال" اس کا نام بجا ہے۔ الفاظ متین، معانی بلند، مضمون عمدہ، بندش دل پسند۔ بہ خدا فقیر [illegible] کلمۃ الحق میں بے باک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرزِ جدید کے موجد اور پرانی ناہمواریوں کے ناسخ تھے۔ آپ ان سے بڑھ کر بہ صیغۂ مبالغہ، بے مبالغہ نسّاخ ہیں۔ تم دانائے رموزِ زبان ہو، سرمایۂ نازشِ قلمروِ ہندستان ہو۔

خاکسار نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے۔ پھر اوسطِ عمر میں بادشاہِ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم و نثرِ فارسی کا عاشق اور مائل ہوں۔ ہندستان میں رہتا ہوں مگر تیغِ اصفہانی کا گھائل ہوں۔ جہاں تک زور چل سکا، فارسی زبان میں بہت کچھ بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر، نہ اردو کا ذکر، نہ دنیا میں تمتع، نہ عقبیٰ کی امید [illegible]

اندوہ ناکامی جاوید جیسا کہ خود ایک قصیدہ ونعت کی تشبیب میں کہتا ہوں:

چشم گشودہ اند بہ کردار ہاے من
زایندہ ناامیدم و زرفتہ شرمسار

یہ کہ ستر برس دنیا میں رہا، اب اور کہاں تک رہوں گا؟ ایک ریختہ کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا، ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا، تین رسالے نثر کے، یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے۔ اب اور کیا کہوں گا؟ مدح کا صلہ نہ ملا، غزل کی داد نہ پائی، ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی۔ بقول طالب آملی علیہ الرحمۃ:

لب ز گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

سچ تو یوں ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا، طبیعت میں وہ مزہ، دماغ میں وہ شور نہ رہا۔ پچپن برس کی مشق کا ملکہ کچھ باقی رہ گیا ہے۔ اس سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں۔ حواس کا بقیہ اتنی قدرت ہے کہ معرض گفتار میں مطابق سوال جواب دیتا ہوں۔ روز و شب یہ فکر رہتی ہے کہ دیکھیے وہاں کیا پیش آتا ہے اور یہ بال بال گنہگار بندہ کیوں کر بخشا جاتا ہے۔

حضرت سے یہ التماس ہے کہ آپ جو ہمارے ہادی اور مجھ کو رسالہ نامے کی سبیل کے ہادی ہوئے ہیں، جب تک میں جیتا ہوں نامہ و پیام سے شاد اور بعد میرے مرنے کے دعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہیے گا۔ والسلام بالوف الاحترام۔

۱۸۶۶ء

۱۲۶۵

مولوی کرامت علی

فقیر اسد اللہ جناب مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ میرے ہاں آئے تھے اور میں نے آپ کی ملاقات سے حظ اٹھایا ہے۔ جن معنی اشعار کی ضرورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں، شعرائے متقدمین میں سے کسی کے ہیں بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں۔

خواست کز ما رنجد و ز تقریب رنجیدن نداشت
جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت

"داشتن" بمعنی "رکھنے" کے ہے۔ لیکن اہل زبان بمعنی "بایستن" بھی استعمال کرتے ہیں۔ ظہوری۔

گر سیہ زلف دلم را گفتہ باشم خویش را
گفتہ باشم این قدر بر خویشتن پیچیدن نداشت

میرے شعر میں پہلے مصرع کا "داشت" بمعنی رکھنے کے اور دوسرے مصرع کا "داشت" بمعنی "بایست" ہے۔ مفہوم شعر یہ ہے کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈتا تھا کہ اس کے ذریعے سے مجھ پر خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزردہ ہو مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ قضا را چند دنوں کے بعد رقیب سے معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو شامت آئی، میں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا کہ د

کیا ہو رانده درگاه ہوا، معشوق اسی گستاخی کو بہانۂ عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہوگیا۔ اب شاعر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے "ہاے پرسیدن نداشت" یعنی "پوچھنا نہ چاہیے تھا"

دیر خواندی سوے خویش و زود فہمیدم دریغ
بیش ازیں پایم زگرد راه پیچیدن نداشت

عاشق ایک مدت تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلاوے مگر اس عیار نے نہ بلایا۔ رفتہ رفتہ میں غم سے ایسا زار و ناتوان ہوگیا کہ طاقت رفتار نہ رہی اور گرد راہ سے میرے پاؤں اُلجھنے لگے۔ جب اس نے یہ جانا کہ اب نہ آسکے گا تب بلایا۔ عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اس کی وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلانے اور میں نہ آؤں۔ "دریغ" کو یہ نہ سمجھا جائے کہ "زود فہمیدن" پر ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر ہے۔ دریغ ہے دوست کی بے وفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر :

من بوفا مردم و رقیب بدر زد
نیمہ لبش انگبین و نیمہ تبرزد

"انگبین" شہد کو کہتے ہیں اور "تبرزد" مصری کو کہتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں، جب تک اس کو تبر سے نہ توڑو، مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ "بدر زدن" اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں "باہر مارنا" یعنی "بدر" "باہر" اور "زدن" "مارنا" لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے "نکل جانا"۔ اب جب یہ معلوم ہوگیا تو یوں سمجھیے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے۔ پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی، وہ جب چاہے تب بے تکلف اُڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اس کے شہد میں لپٹ جائیں گے اور وہ مر کر رہ جائے گی۔ پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شہد تھے میرے واسطے

شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری یعنی وہ چاٹ کر لطف اٹھا کر صحیح وسالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں مرکر رہ گیا۔

در نمکش ہین واعتماد نفوذ بش
گر بہ مے افگند، ہم بہ زخم جگر زد

"زدن" لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ لازمی کے معنی ہندی میں "لگ جانا" اور متعدی کے معنی "مارنا" یہاں "زد" لازمی ہے۔ اب یہ سمجھا چاہیے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنی اگر شراب میں نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور زخم پر گر نمک ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کر اس کو اس نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسا ہے کہ اگر وہ اس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا اور زخم پر جا لگتا ہے۔ یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا کام کر رہتا ہے:

کیست درین خانہ کز خطوط شعاعی
مہر نفس ریزہ ہا بہ روزنِ در زد

یہ خیال ہے۔ یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے مگر بہ طریق تجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرطِ شوق سے دروازے کے روزن پر پھینک دیے ہیں۔ آفتاب کے خطوطِ شعاعی کا روزنوں میں پڑنا اور ان خطوطِ شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے:

دعویٰ اورا بود دلیل بدیہی
خندۂ دنداں نما یہ حسن گہر زد

"خندۂ دنداں نما" اس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے

والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا اور ہنسنا کوئی ایسی چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے۔ حاصلِ معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا۔ گویا اس نے یہ دعوے کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں۔ اب دعوے کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوے پر دلیل بدیہی ہے، یعنی ہنسنے میں اس کے دانت نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے وہ لغو ہے۔ حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ پس اس دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چوں کہ بدیہی تھی مان لیا۔

غیرتِ پروانہ ہم بروز مبارک
نالہ چہ آتش بہ بالِ مرغِ سحر زد

پروانے کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیے۔ پروانے کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانے میں ہو یا پروانے کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانے پر یعنی رشک۔ حاصلِ معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں۔ رات کو جو پروانے کو جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا۔ دن کو ایسا کوئی نہ تھا کہ مجھ کو اس پر رشک آوے۔ لو اب وہی غیرت اور وہی رشک جو پروانے پر شب کو تھا، اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغِ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی مستی اور بے خودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب سے ہے۔ مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا جو رات کو پروانے کو دیکھ کر کھاتا تھا۔ اب مرغِ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر جلتا ہوں کہ ہائے یہ کون ہے کہ جو میری طرح جلتا ہے:

شکر کہ ہوشم بزور بادہ نہ شکستی
غمزۂ ساقی نخست راہِ نظر زد

نظر، فکر کو بھی کہتے ہیں اور "نگاہ" کو بھی۔ یہاں نگاہ کے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بے ہوش ہو جاتا۔ مگر کیا کروں کہ پہلے غمزۂ ساقی نے نظر کو خیرہ اور مغلوب کر دیا۔ پھر اس پر شراب پی گئی۔ بے خودی کا استعداد تو بہم پہنچ

ہی گیا تھا ناچار ہوش جاتے رہے۔

زاں بت نازک چہ جائے دعویٔ خون است

دست وے ودامنے کہ او بکمر زد

اس شعر کا لطف وجدانی ہے، بیانی نہیں ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ اس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے۔ خون کا دعویٰ کیا کریں کہ اس کو وقتِ عزمِ قتل دامن گردانے وقت وہ صدمہ پہنچا ہے کہ اس کا ہاتھ ہے اور وہ دامن کہ جو انھوں نے گردان کر کمر پہ باندھا تھا۔ ایسا چہ کا کمر کو پہنچا ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے۔ پس کوئی اس سے خون کا کیا دعوےٰ کرے گا۔

قطعہ

برگ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم

ہرچہ زطبع زمانہ بیہدہ سرزد ق

شاخ چہ بالد گر ارمغاں گل آورد

تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد

شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بہ مقتضائے طبیعت خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً گنّا۔ اب کچھ خاک کو اور ہوا کو یہ منظور نہیں کہ اس کا رس نکلے اور اس کا قند بنے۔ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اس نے اس گنے میں سے یہ بات پیدا کی۔ پس اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں۔ شاخ گل کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ہنر ہے؟ ہم نے اپنے زورِ عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے۔

کام نہ بخشیدہ، گفت چہ شماری

غالبِ مسکیں بہ التفات نیر زد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں۔ تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات کے نہ تھا پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالم عقبےٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے؟ جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجیے، جانے دیجیے، ہم میں التفات کی ارزش نہیں ہے ۱۲

غالب

حکیم غلام رضا خاں

نورِ دیدہ و سرورِ دل و راحتِ جاں، اقبال نشاں، حکیم غلام رضا خاں کو غالبِ نیم جاں کی دعا پہنچے۔ تم سے رخصت ہو کر اور تمھیں خدا کو سونپ کر روانۂ رام پور ہوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جاڑا ابھی چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب و ہوا۔ سایہ و سرچشمہ جا بجا۔ آرام سے رام پور پہنچا۔ نواب صاحب حال بہ مقتضائے اَلوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیہٖ حسنِ اخلاق میں نواب فردوس آرام گاہ کے برابر بلکہ بعض شیوہ و روش میں اُن سے بہتر ہیں۔ بہ تقریبِ مسند نشینی کے غلے کا محصول یک قلم معاف کیا۔ علی بخش خاں سامان کو تیس ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا۔ مفصل حالاتِ بذل و نوال عند الملاقات زبانی کہوں گا۔

سنو صاحب۔ میں فقیر آزادہ کیش ہوں، دنیادار نہیں، مکار نہیں، خوشامد پیشہ نہیں۔ جس میں جو صفت دیکھتا ہوں وہ بیان کرتا ہوں۔ نواب صاحب تو گھر بیٹھے مجھے سو روپے بھیج دیتے ہیں، تم مجھے کیا دیتے ہو جو تمھارے باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر بہ مثل میرا کوئی صلبی بیٹا ایسا ہوتا جیسے تم ہو تو میں اُس کو اپنا فخر و شرف جانتا۔ علم و فضل و خلق و صدق و رشد و حلم کے جامع، تورع و زہد و تقویٰ کے حاوی، کتبِ اخلاق میں حکمائے روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں وہ سب تم میں پائے جاتے ہیں۔ پروردگار تم کو عمرِ طبیعی عطا کرے اور دولت و اقبال شمار سے زیادہ دے۔ انشاء اللہ کہ ہمچنین خواہد بود۔

۱۲ اکتوبر - ۲۸ دسمبر ۱۸۶۵ء (۱)

غالب

قاضی محمد نور الدّین حسین خاں رضوی فائقؔ

(۱)

مخدوم مکرم حضرت قاضی محمد نور الدین حسین خاں بہادر کی خدمت میں عرض ہے کہ برخوردار مرزا شہاب الدین خاں بہادر نے یہ اجزا مجھ کو دیے۔ نظم سے میں نے بالکل قطع نظر کی۔ کامل صاحب کی نثر جو آغاز میں ہے، اُس کو بھی نہیں دیکھا۔ صرف آپ کی نثر کو دیکھا اور اُس کو موافق حکم آپ کے بعض جا دُرست کر دیا۔ بعض موقع پر منشائے اصلاح بھی لکھ دیا ہے۔ مجھ کو یہ پایہ نہیں کہ آپ کی نثر میں دخل کروں۔ بہ فحوائے الامرُ فوقَ الادبِ حکم بجا لایا ہوں۔ مرحبا، آفریں۔ بخدا خوب نثر لکھی ہے۔ اللہ سبحانہٗ آپ کو مدارجِ اعلیٰ کو پہنچاوے اور سلامت رکھے۔

مرقومہ دو شنبہ جولائی سنہ ۱۸۶۲ء[۱] خوشنودیِ احباب کا طالب غالبؔ

محمد حسین خاں

جناب محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں
میں نے اس نسخے کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اسی میں درج کر دیا ہے،
گویا اب غلط نامہ بیکار محض ہو گیا ہے۔ خاتمے کی عبارت کیا میرا بیان
کیا میر قمر الدین کا الحاق اب کچھ ضرور نہیں۔ کس واسطے کہ اب یہ
کتاب ور مطبع میں چھاپی جائے گی۔ یہ مجلد گویا مسودہ ہے۔ اسی کو
بھیج دیجیے۔

غالب

ہے۔ نقل مچاتا ہے، جیسا کہ سعدی بوستاں کی اس حکایت میں جس کا پہلا مصرع یہ ہے:

شبی زیت فکرت ہمی سوختم

فرماتا ہے:

کہ ناچار فریاد خیزد ز درد

جناب مرزا صاحب! کیا تم نہیں جانتے، کیوں کر نہیں جانتے، بے شبہ جانتے ہوگے کہ اکابر امت کو امور دینی میں کیا کیا منازعتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ نوبت بہ تکفیر یک دگر پہنچی ہے۔ اگر فن لغت میں ایک شخص دوسرے کا معتقد نہ ہوا، یہاں تک کہ اس کی تحمیق بھی کی تو اور مدعیان علم و عقل اس مسکین سے کیوں بگڑ بیٹھے؟ خون کیوں بہا رہے ہیں اور جب تک اس کا نقش ہستی صفحۂ دہر سے نہ مٹائیں، آرام نہ پائیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے "قاطع برہان" میں لکھا ہے، نہ اس کو سمجھتے ہیں اور نہ جو کچھ آپ لکھتے ہیں اس کے معنی سمجھتے ہیں۔ سوال دیگر، جواب دیگر پر مدار ہے، خارج از بحث اقوال کی تکرار ہے۔ بہرحال قاطع والے کی محبت سے دل بے قرار ہے، فرط غیظ و غضب سے بدن رعشہ دار ہے۔ منشی سعادت علی نہ ناظر ہے، نہ شمار ہے بموجب اس مصرع کے:

مقتضائے طبیعتش این است

ناچار ہے۔ تم کو معرض تحریر میں تحمل و تامل چاہیے؛ نہ سخن پروری و جانب داری میں توغل چاہیے۔

بر حسب اختلاف طبائع مانو یا نہ مانو، مگر جیسے یہ تو جانو کہ مذہب سوختہ تیرہ کا فرہنگ نویسوں کے باب میں عقیدہ کیا ہے۔ اگرچہ "قاطع برہان" میں جا بجا لکھ آیا ہوں، مگر سب ہندی کی چندی کر کے لکھتا ہوں کہ یہ عقیدہ میرا ہے کہ فرہنگ لکھنے والے جتنے گزرے ہیں، سب ہندی نژاد ہیں۔ ہاں، علم صرف و نحو عربی میں بقدر تحصیل مستعد اور استاد ہیں۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں، جس نے چاہا ہے، کسب استعداد ان کتب کو پڑھ کر پیدا کی

کی جو فرہنگیں حضرات نے لکھی ہیں، مطالب مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں، اور اُس کا علم کس اُستاد سے حاصل کیا ہے؟ آخر ۔ مقاصد صرف و نحوِ عربی بھی تو صرف مطالعہ کتب سے نہیں نکالے ہیں، پہلے تعلیم و تعلّم ہے ۔ پھر کتبِ قواعد کے جا بہ جا حوالے ہیں ۔ قواعدِ فارسی کا رسالہ اہلِ زبان میں سے کس نے لکھا ہے اور ان ہوس پیشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضلِ عجم سے پڑھا ہے؟

شیدائے ہندی بیکروی نے حاجی محمد جان قدسی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے مرزا جلالائے طباطبائی علیہ الرحمۃ نے شیدا کو خط لکھا ہے، سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ اور برساند ردیف، شعرِ اخیر کا مصرعِ ثانی یاد رہ گیا ہے ۔ یعنی:

به مهادیلِ مقوّیٰ برساند

خلاصۂ مضمونِ خط یہ کہ تو صاحبِ زباں نہیں ہے، زبان دل ہے ۔ یعنی مقلّد اور کاسہ لیسِ اہلِ ایراں ہے ۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ، تجھے کس نے کہا ہے کہ اُس سے لڑ؟ کیا تو نے سنا نہیں جو عُرفی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور مؤتمن الدولہ شیخ ابوالفضل کے روبرو ہوئی ہے لغاتِ فارسی اور ترکیبِ الفاظ میں کلام تھا مولانا جمال الدین عرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور نطق آشنا ہو گیا ہوں، اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغاتِ فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا رہا ہوں ۔ فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے اپنے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے وہ ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا ہے ۔ حضرت عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف، خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق گھر کی پیر زالوں کا ہے ۔ ہائے تمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھے کہ یہ حال قلم رو ہند کے صاحب کملوں کا ہے؟ قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو، مجرد تقدم زمانی کا اعتبار دیکھو ۔ مانا کہ عرفی تحصیلِ علومِ عربیہ میں اُن سے کمتر ہے، صاحبِ زبان اور ایرانی ہونے میں برابر ہے ۔ کیا عرفی کیا انوری، کیا خاقانی، ایک شیرازی، ایک خاوری ایک شروانی ۔

اگر مجھ سے کوئی کہے کہ غالب، تیرا بھی مولد ہندوستان ہے، میری طرف سے جواب یہ ہے

کہ بندہ ہندی مولد و پارسی زبان ہے:

ہر چہ از دستگہِ پارس بہ یغما بُردند
تابنالم ہم از آن جُملہ زبانم دادند

زبان دانیِ فارسی میری ازلی دستگاہ، اور یہ عطیۂ خاص من جانب اللہ ہے۔ فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے، مشق کا کمال میں نے استاد سے حاصل کیا ہے۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوش گو اور معنی یاب ہیں، لیکن یہ کون احمق کہے گا کہ یہ لوگ دعویِ زبان دانی کے باب ہیں۔ رہے فرہنگ لکھنے والے، خدا ان کے پیچ سے نکالے۔ اشعارِ قدما آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق چل دیے، وہ بھی نہ کوئی ہم قدم، نہ کوئی ہمراہ، بلکہ سُو بسُو پراگندہ و تباہ، رہنما ہو تو راہ بتلائے استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی نہ استاد اصفہانی، زہے رگِ گردن و خہے دعویِ زبان دانی! میرا یہ قول خاص ہے نہ عام ہے، مجموعِ فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع برہان کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے۔ عبدالرشید کیا شئے اور میاں انجو میں کیا پیری ہے؟ قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہونا گر منشاءِ برتری ہے تو بےچارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری ہے۔

ایک لطیفہ لکھتا ہوں، اگر خفا نہ ہو جاؤ گے تو حظ اٹھاؤ گے جتنی فرہنگیں در جتنے فرہنگ دار ہیں، یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع مانندِ پیاز ہیں تو بر تو اور بس در لباس، وہم در وہم اور قیاس در قیاس، پیاز کے چھلکے جس قدر اتارتے جاؤ گے چھلکوں کا ڈھیر لگ جائے گا مغز نہ پاؤ گے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جاؤ، لباس ہی لباس دیکھو گے شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو، ورق ہی نظر آئیں گے۔ معنی موہوم۔

ظرافت پر مدارِ تحقیق نہیں ہے آپ کے خاطر نشیں کرتا ہوں، جو میرے دل نشیں ہے۔ فرہنگ نویسوں کا قیاس معنیِ لغاتِ فارسی میں سراسر غلط ہے، البتہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔ خصوصاً دکنی تو عجب جانا نہ ہے، لغو ہے، پوچ ہے، پاگل ہے، دیوانہ ہے، وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ باے اصلی کیا ہے اور باے زائدہ کیا ہے۔ حیران ہوں کہ اس کی جانبداری

میں کیا فائدہ ہے، خدا جانتا ہے کہ میں یک رنگ ہوں، مگر دکنی کے جانب داروں کا چور رنگ ہوں۔ مجھے جو چاہو، سو کہو، اوروں سے تم کیوں لڑتے ہو؟ کہیں جامعِ لطائفِ غیبی کو بُرا کہتے ہو، کہیں نگارندۂ دافعِ ہذیان سے جھگڑتے ہو۔ جانتا ہوں کہ دکنی کی عبارت کی خامی، اس کی رائے کی کجی، اس کے قیاس کی غلطی، اگر نہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ ہیچ جانتے ہو، مگر یہ میں نہیں جانتا کہ اتنی محنت کرنی اور اس کے رفعِ تخطیہ کے واسطے توجیہاتِ بارِدہ ڈھونڈنی کس واسطے، ایسا اس کو کیا مانتے ہو؟ مجھ پہ جدا منھ آتے ہو، مولوی نجف علی اور میاں داد خاں سے جدا بگڑتے ہو۔ بھائی صاحب، مُغل بچّہ پن پر آ گئے۔ گُہار لڑتے ہو؟

سچ ہے غالب آگندہ گوش ہے، کسی کی نہیں سنتا۔ اسی آپ کے مقرر کیے ہوئے قاعدے کے موافق بہ حلف کہتا ہوں کہ تم نے "قاطع برہان" و "دافعِ ہذیان" و "لطائفِ غیبی" کو ہرگز نہیں دیکھا۔ آدرزہ و افسوس کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اس کا اقرار اور میرا دوست میاں داد خاں شرمسار ہے۔ جو کچھ اس مصنف نے اس باب میں لکھا، وہ قولِ فیصل و رکافی ہے، مانیں یا نہ مانیں، ناظرین کو اختیار ہے۔

کَلہری بکافِ فارسی مکسور بوزنِ اکہری لغتِ ہندی، الاصل، اس کی شرح میں جداگانہ یک فصل، کافِ فارسی مکسور کی جگہ کافِ عربی مفتوح، اعراب کا بہ وزنِ تشتری وضع۔ مجھے و میرے دوست سیف الحق کو دو سہو طبعی پر استعذار، ہوا خواہانِ بوہرۂ دکنی کو اغلاطِ متواتر کے جو زینہ ہے ... فتجبر یا اولی الابصار۔ "خرہ" بے واو بہ معنی نور اور "خورہ" مع الواو بہ معنی جذام ایک۔ "زیشہ" بہ معنی پاک، اور "آویشہ" بہ معنی ناپاک ایک۔ یہ اور ایسے ہزار اغلاط، سند اور مقبول و منظور۔ گویا یہ مصرع جو حمد میں ہے: "کند ہر چہ خواہد برد حکم نیست" اس کی شان میں صادق سمجھ لیا ہے۔ چشمِ بد دور، اب چاہیے کہ اس کو پوجنے والے اس کے نام کے بعد جلّ جلالہ لکھیں اور اگر اتنی جرأت نہ کریں، تو نظر بہ افادہ و استفادہ عمّ نوالہ لکھیں۔

ستر برس کی عمر، کانوں سے بہرا، جمعیت کم، تفرقہ زیاد، اور پھر خودداری اور کبرِ نفس

اور استغنائے خداداد، بے ہودہ بکنے میں اوقات کیوں صرف کروں، پاسخ نگاری کیوں لفظ بہ لفظ و حرف بہ حرف کروں؟ آپ کو اپنی نمود اور شہرت منظور ہے، خود ستائی و عیب جوئی سے مجھ کو نفرت ہے اور حیا آتی ہے زیادہ گوئی سے۔ آپ کے حسنِ کلماتِ طیبات سے قطع نظر کرکے ناظرینِ منصف کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہوں اور شکایتِ موعودہ سے پہلے تین امر ضروری لکھ لیتا ہوں:

"صیحہ بمعنی آوازِ اسپ زنہار نیست" اس کے سچ ہونے میں کیا کلام ہے؟ جو صیحہ سے آوازِ اسپ مراد رکھے، وہ ناقص ہے، اور خام ہے۔ کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے سن کر تمہارا ذہنِ وقّادِ نقّاد وہاں جا لڑا؟ لعنت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور پھر عرفی جیسا شاعر دیدہ ور بازپرس میں پکڑا جائے۔ تمہارا مذہب ہو وہ دکنی شین منقوط مع التحتانی کے بیان میں شیہہ کو گھوڑے کے ہنہنانے کی فارسی بتاتا ہے۔ عربی میں گھوڑے کے ہنہنانے کو "صہیل" بروزن دلیل کہتے ہیں۔ "صیحہ" بروزن بیعہ عموماً بمعنی صدائے ہولناک و مہیب آتا ہے۔ میں کیوں کر فرہنگ نگاروں کے اور ان کے مددگاروں کے قیاس کو وحی سمجھتا ہوں اور کیوں کر کاتبوں کی املا کو مصحفِ مجید کی طرح [illegible] ہے کہ میں اپنے کو جماد و نبات فرض کرلوں۔

"جرمِ خطائی بوئے برگردنِ بندگانِ جناب است" میں آپ کو مخاطب [illegible] ٹھہرا کر یہ فقرہ پڑھ کر چپ رہتا ہوں، بعد اس کے تبدلِ جیم بہ تحتانی کو مسموع کہتا [illegible] لجہ [illegible] زبان میں جاکوب کہتے ہیں۔ مبدل منہ کہاں [illegible] آپ [illegible] کہتے ہیں۔

"بیدہ اور جودہ کا ترجمہ مطلق نہیں ملتے اور کچھ خانے میں [illegible] لکھوائے" واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو، بہ ضرورت بحر نہیں، بلکہ ازروئے [illegible] لکھواتے ہو۔

خط تمام ہوا، اب مستغیث کی عرضی سماعت ہو لیکن سماعت از روئے [illegible] طاعت

ہو۔ عرضی گزراننے سے پہلے مستغیث پوچھتا ہے کہ آپ کے محکمۂ عالیہ کا سررشتہ دار دیانتدار ہے یا نہیں، سخن فہم و ہوشیار ہے یا نہیں۔ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امین نہ ہو، دلیل سن لیجیے، اگر یقین نہ ہو تو "صیحہ بمعنی اسپ زنہار نیست" اس کے ساتھ اور بھی عبارت ہے۔ سنانے والے نے نہ پڑھی ہو۔ کیا بعید ہے کس واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ رکھنا اور محمد اکرم پنجابی کا شعر تو قابلِ التفات نہیں، مگر مولانا جمال الدین عرفی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر و تتبع کاتب غلط لکھوا دینا تم سے بسا بعید ہے۔ انشا میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو، املا میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ قائل ہو؟ انشا و املا و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ مائل ہو؟ تقصیر معاف، یہ نہ استناد بہ کلامِ عرفیِ عالی مراتب بلکہ پیرویِ خامۂ کج رفتارِ کاتب ہے۔ کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرے کا دماغ، نہ ہجومِ امراضِ جسمانی و آلامِ روحانی سے فراغ۔ آگے جو ہمت نہیں ہاری تھی اور غیب سے توقع مددگاری تھی، تو اپنا یہ شعرِ اردو میرے وردِ زبان اور اس ہنجار سے میں زمزمہ سنجِ فغاں رہتا تھا:

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب جو اصلاحِ حال و حصولِ مطالب سے دل مایوس ہے، تو طبیعت اسی غزل کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا رونا رزق کا ہے، جب معاش مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے، یہ صاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھا لیا، پانی پی لیا اور چین سے سو رہے۔ آدمی عموماً اور صاحبانِ ننگ و ناموس خصوصاً، باوجودِ فراغِ معاش ایسی جاں گداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے، یہ حال تو یا صاحبِ واقعہ جانے، یا خدا جانے، دوسرے سے یہ کارِ افتادہ کیوں کہے اور

بغیر کہے دوسرا کیا جانے؟ مناظرے کا تو ہرگز ارادہ نہیں، اگر مُردہ دل نہ ہوتا تو دو باتیں کچھ زیادہ نہیں، وہ بھی از روے بحث و تکرار نہ بہ اندازِ استفسار اظہار سے مقصود نفسِ اظہار۔
یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے کتنے محققین نے ان کو اپنا امام مان لیا ہے؟ جب تک نہ اجماعِ محققین کا ہوگا یہ خطاب با اجماعِ اہلِ عقل ناجائز و ناروا ہوگا۔ وہ فرماں رواے عہد شہنشاہ کہلائے گا، کئی بادشاہ جس کے فرماں پذیر ہو جائیں گے؛ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا، یہ میر شہنشاہ صاحب کیوں کر شاہ جہاں و جہانگیر ہو جائیں گے؟ اگر حضرت بفتحِ قافِ ثانی بصیغۂ تثنیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوتے اور نراین داس تبدیلی دوسرا ہوتا۔

"ساطع برہان" کے تیرھویں صفحے کی نویں سطر میں آپ لکھتے ہیں:
"و ہم چنیں بر افراط و تفریط توضیح را کار بند نشدہ اند کہ بدان حرف گیری تواند کرد۔"
'تواند' توانستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغہ واحد غائب ہے۔ فاعل چاہتا ہے خواہی معرفہ جیسے احمد، محمود، خواہی نکرہ جیسے فلاں و بہماں، کسی، یا شخصی، مردی یا زنی اور گر فاعل مذکور نہ ہو تو اس صورت میں 'توان کرد' چاہیے کہ توان مالم یسم فاعلہٗ ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں، ہاں از روے حسنِ عقیدت کہتا ہوں کہ آپ نے یوں لکھا ہے کہ کسی بدان حرف گیری تواند کرد" یا "تواند" کی جگہ "توان" رقم فرمایا ہے۔ دیکھیے آپ نے بیل کے جوے کا بوجھ میری گردن پر رکھ دیا اور میں نے ایک بیل کا بوجھ پشتِ مبارک سے اٹھا لیا۔

او اسد اللہ داد خواہ، جلد آ، اور اپنی عرضی لا۔ حضرت آیا اور عرضی لایا، پہلے پانچ کاغذ سا ن نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں۔ پھر سر رشتہ دار صاحب بکمالِ امانت و دیانت عرضی سنا دیں۔ نقلِ عبارتِ برہانِ قاطع: "آبدہ دست بکسرِ دالِ ابجد و ہاے ہوز اشارہ بہ حضرت رسول صلوٰۃ اللہ علیہ است۔ خصوصاً و شخصی را نیز گوید کہ بزرگِ مجلس بود و آرایشِ صدر و زینت از باشد ہمو۔"
نقلِ عبارتِ قاطعِ برہان: "از خاکی عبارت چشم می پوشم و می خروشم کہ آبدہ دست مرکب از آب، دہ کہ صیغۂ امر است از دادن، دوست کہ باوجودِ معانی دیگر مسند را نیز گویند، معنی

ترکیبی رونق دهندهٔ مسند : هر آینه تا مسند را به طرف نبوت یا رسالت یا هدایت مضاف نگردانند به نظام نحت فرو نیارند بلکه در مدح اکابر و صدور نیز بی اضافهٔ لفظ امارت و شوکت و امثال اینها ... زند ... که تنها آبده دست . فادهٔ معنی شویا نندهٔ دست میکنند و آن خود ... است قبیح ؛ بیچاره در نظم و نثر نعت آبده دست رسالت دیده است ، و نیز مضمون را لغت اندیشیده است .

نقل عبارت ساطع برهان : آبده دست . خدا نکند که این اعتراض از جانب مرزا ... من باشد ، کور سوادی همچو من گفته باشد ، به خاطر داشت آن درج کتاب کرد ، ورنه این کنایه قابل اعتراض نیست ، چه آبده دست بلا ترکیب دست که در عربی و فارسی به معنی مسند است مضاف و مضاف الیه محذوف باید دانست ، بلکه لغاتی است مستقل مترادف بالادست ، مضاف و مضاف الیه که معنی صدر مسند و بزرگ قوم باشد . صاحب مؤید الفضلا و لغت فرهنگ این لغت را بسند در کتاب ... ادات و قنیه باشد . به همین صورت و صحت به همین معنی نگاشت ، و در مدار نیز و صاحب رشیدی آورده که آبده دست به معنی بزرگ مجلس و معنی ترکیبی آن رونق ده صدر و مسند . قوله "بیچاره در نظم و نثر ... آبده دست رسالت دیده ، و نیز مضمون را لغت اندیشیده است" انتهی اقول " جامع این کنایه ، در نظم و نثر بی اضافهٔ رسالت دیده است ، و هم چنان در رشتهٔ تحریر کشیده است خاقانی گوید بیت :

" دست آب ده مجاور انش

ارزان ده برج کوتر انش "

... پیرو دان جناب گوش نکنند ، در شرح کنایهٔ ماهی چشمهٔ خضر در باب ایم جو چند که می کنند که آبده دست استعاره برای آن حضرت از خاقانی از رکاکت نیست . وای برین عقیدت که ... برده شکنند و باز به نشیب رکاکت سرنگون انداختند ! نقل عبارت برهان قاطع : ماهی چشمهٔ خضر کنایه از زبان و دهان معشوق است .

قاطع برهان : یارب ، ماهی چشمهٔ خضر کدام لغت است ؟ من در کتاب منطبعه بدیں

صورت دیده ام. ع: قلندر ہر چہ گوید دیده گوید' درضمیر می گذرد که، ی چشمۂ خضر خود بود' و آن خود مضمونی است بطریقِ استعاره بالکنایہ کہ سخنور بسا خونِ جگر خورده باشد تا در نظم و نثرِ خویشش آورده باشد۔ پس ہر کہ این را در گفتہ خویش آرد' سرقہ خواہد بود' از لغاتِ مستقلہ و کنایہ ہاے مشہوره نیست کہ بہ کارِ دیگران رزنگار آید. شیرِ خدا کہ ترجمۂ اسداللہ است، گویی یکی از نام ہاے ولایت پناه است' صد ہزار کس در کلامِ خویش آورده باشد' و سرقہ نیست. دکنی در بحثِ شین مع الیا شیرِ شرزۂ غاب اسمِ حضرتِ امیر علیہ السلام نوشتہ و آن مضمونیست کہ خاقانی در قصیدۂ قسمیہ ہم رسانده' شیرِ شرزه خود صفتی است عام کہ بر ہر مردِ شجاع و سرہنگِ جنگجو اطلاق توان کرد و غاب بہ معنیٔ بیشہ و نیستان است. ہر آئینہ این صفت نہ سزاوارِ شانِ اسد اللّٰہی باشد خاقانی خود بہ طریقِ تنزل گفتہ است. این چنین صفتِ اسمِ کسی کہ بعد از خدا و رسول در پایہ بزرگی توان ستود، چگونہ روا تواند بود؛ ہم چنین آبده دست در بابِ الفِ ممدوده اسمِ حضرتِ ختم المرسلین صلوات اللّٰہ علیہ قرار داده است' و این لفظیست در غایتِ رکاکت. (رکاکت صفت لفظ. پس غالب منع کرتا ہے برہانِ دکنی کو کہ لفظِ رکیک آنحضرت کے حق میں صرف نہ کرو۔)

چنان کہ ہم در آن فصل مفصل نوشتہ ایم' مقصود ما نیست کہ این چنین مضامین لغت مستقل و کنایہ مقبول چرا قرار یابد' ورنہ در شرحِ اشعاری کہ حاوی این کلمات باشد' چہ نگارش پذیرد۔

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم: آب' ترجمہ ماء کا ہندی جس کی پانی' اور بہ معنی رونق و لطف بھی آتا ہے اور اسلحہ کی تیزی اور جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں۔ دست ترجمۂ ید ہے جس کی ہندی ہاتھ' اور بہ معنیٔ قسم و نوع اور بہ معنیٔ مسند بھی مستعمل ہے۔ تم کو اس مقام میں آب بہ معنیٔ پانی' اور دست بہ معنیٔ ہاتھ اور اس کی ترکیب یعنی آبِ دست اور اس کے مقلوب یعنی دستِ آب کے باب میں کلام ہے۔ آبدست بہ حرکت و سکون دو صورت ہو' ترجمۂ غسلِ ید ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں۔

تفہیم کی سند اُستاد کا شعر:

بے تکلف رُو بساقی کن اگر دل خستہ ؟

کا بدستِ او شفا بخشِ ہمہ بیمار ہاست

تخصیص کی سند نامِ حق کی بیت :

آبدست و نماز باید کرد

دل مقام گداز باید کرد

ان میں "بدست" کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں؟ ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔ پس آبدہ دست اور دستاب دہ کی معنی وضو کروانے والا اور ہاتھ دُھلانے والا۔ اب یہ معنی ... و دست بہ معنی سند کا بیان اونجان محض جہل۔ در صرف اہمال یہ تو میرا قول ہے کہ آبدہ دست رسالت رسول کو کہہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط آبدہ دست کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ علم نہ فہم، اس نے اس قباحت کو نہ جانا۔ مرزا رحیم بیگ صاحب! افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں قاطع برہان والے کے قول کو کیوں کر مانا؟ ہے ہے سراسر بے پردہ اشرف الانبیاء علیہ و آلہ السلام کی تذلیل و توہین ہے، اور جو پیمبر کو ایسا کہے وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد و مردود و بے دین ہے، بلکہ من لعنین بھی، جو مسلمان اپنے پیمبر کو برا کہے اس کو برا جانیں گے یقین ہے پس پیمبر کا آبدہ دست نام رکھنے والا ماخوذ و لعنتِ اللہ و الملائکۃ والناس اجمعین ہے۔

خاقانی کے شعر کے لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ یہ شعر قطعہ بند اور اس کا پہلا شعر ... چہ دید ز دست۔ پہلے پوچھتا ہوں کہ دست آبدہ کا فاعل اور ضمیر شین کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان اس میں بطریق مذکور یا مقدر کہاں پایا۔ جب اس مصرع کی رو سے "دست آبدہ مجاور نشیں" دست آبدہ پیمبر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق "از رنج وہ برشت تو تراشی" رزق دہ کا خطاب بھی حضرت پر صادق آیا۔ سبحان اللہ جہاں مصطفیٰ و مجتبیٰ و رحمۃ

للعالمین و خاتم المرسلین آپ کے القاب ہیں، وہاں آبدہ دست بھی آپ کا لقب ٹھہرا۔ مرزاجی میں ترک جاہل ہوں، بجا ہے، اگر مجھ کو گالیاں از روئے عتاب دوگے، خدا کے واسطے پیغمبر کو کیا جواب دو گے؟ بندہ پرور خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے:

روح ازلی آبروی خود را

خلد ازلی رنگ و بوی خود را

دست آبدہ مجاورانش

ارزن دہ برج کوترانش

اوپر کے دونوں مصرعوں میں "را" کا لفظ زائد۔ پہلا مصرع تیسرے مصرع سے، اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق۔ نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے: روح ازلی آبروی خود دست آبدہ مجاوران او ست، و خلد ازلی رنگ و بوی خود ارزن دہ کبوتران او ست۔ یہ دونوں شعر کعبۂ معظمہ کی تعریف میں ہیں اور دونوں شینوں کی ضمیر بطرف کعبہ۔ اب اس عبارت کی تصدیق خواجہ حسین سے کیجیے، اور مہندی کی چندی غالب سے سن لیجیے۔ روح یعنی آفرینش آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ہے کعبے کے مجاوروں کو، اور خلد، خلد رنگ و بو کے واسطے دانہ کھلاتا ہے کعبے کے کبوتروں کو۔ وضو کو پانی دینا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ہے۔ خدا کے واسطے مخدوم کونین کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت؟ معہذا خاقانی کے اس مصرعے سے دستاب دہ پیمبر کو سمجھنا بے اعتنائی اور غفلت ہے۔ خاقانی نے روح کو آبدست دہ کا فاعل مانا، تم نے پیمبر کو۔ مگر اس فعل کا فاعل، اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیوں کر جائز ہے؟

"قافلہ شد" یعنی قافلہ رفت، یعنی قافلہ سالار رفت، یعنی رسول مقبول رحلت کر دیے۔ وقت صبح الالف میں کلام اسی تشبیہ رسول کا ہے۔ دستاب دہ کی شرح میں تحقیر، و "قافلہ شد" میں استہزا ہے۔ برہان قاطع والا اگر یہ قباحتیں نہیں سمجھتا تو احمق ہے، اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر مطلق ہے۔

اب یہ سب خوں نابۂ زخم دل کی روانی اور قلم کی خونابہ فشانی دیکھیے۔ تبصرہ مندرجہ حاشیہ "ساطع
برہان" کے حق میں کیا فرماتے ہو اور اس فقرۂ اخیر کو "بازو در نشیب رکاکت سر انداختند" کس کا
لکھا بتاتے ہو؟ سنو فخر الفضلا و قدوۃ العلما امیر الدولہ مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے رد [illegible]
میں بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور ان عہد کے علما کی اس پر مہریں ہیں۔ اُس رسالے میں جناب
مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت مجامعت بہت تھی، حالانکہ یہ امر
واقعی ہے، بایں کہ آپ کی مردانگی ہے گرچہ اس وقت میں ہو لیکن چونکہ ایک گونہ سوء ادب اور اہانت ہے۔ حاکم اہل
سنت پر واجب ہے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہل شہر پر عزل حاکم واجب
ہے اور اگر اہل شہر ایسا نہ کریں تو وہ شہر دار الحرب ہے۔ پس بموجب فتویٰ علمائے اسلام فقرۂ مذکور
کا لکھنے والا کفر میں شدید ترین است اشد اور کذب میں مسیلمۂ کذاب سے سوا ہے۔ خیر، عقبیٰ میں وہ عاق کا
مستوجب اور دنیا میں خلق کا مطعون ہوگا، مجھ کو کیا ہے!

تمھیں تم پر یہ ہنسی آتی ہے۔ یہ معنی بات سمجھی نہیں جاتی ہے۔ خاقانی روح کو آبدست وہ مجازاً
ہم کہتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ خاقانی "دستاب دہ" سم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے۔ مولوی امام بخش
نے تم کو بہت سمجھایا، مگر طریقہ استنباط معنی نہ بتایا۔ میرے حق میں جو کہتے ہو خود بھی نہیں سمجھتے
کہ کیا کہتے ہو۔ میں نے کب کہا کہ "خاقانی بہ طریق تنزل گفتہ است" اور کیا کہا ہے جو مجھے
برا کہتے ہو؟ وہ بھی ذکر شیر شرزۂ غاب میں "دستاب دہ" کے باب میں اُس نے جناب
امیر المومنین کے واسطے ایک لفظ سہل سرسری لکھا، میں نے قبول نہ کیا، اور اُس کے قول کا
تنزل ظاہر کر دیا۔ آں حضرت کو کس نے "آبدہ دست" یا "دستاب دہ" کہاں لکھا اور کیوں لکھتا۔
نہ احمق تھا نہ بے ادب۔ جب اس نے نہیں لکھا تو میں اُس سے کیوں اُلجھوں اور کب اُلجھا؟ نہ
کج فہم ہوں، نہ مغلوب الغضب۔

آبدہ دست کے پردے کھل گئے۔ بے اضافہ لفظ آخر دست بہ معنی مسند نہ آئے گا،
آبدہ دست ہاتھ دُھلانے والا کہلائے گا۔ ہاں ایک طور ہے، تم نے اُس کو اور طور سے
لکھا ہے۔ میں بطریق رطب و احسن لکھتا ہوں یعنی تخت اور اورنگ سلاطین کے جلوس

کے واسطے اور وسادہ و مسند امرا کے جلوس کے واسطے موضوع ہے۔ نظر اس اصل پر، سلطان کو زیب افزائے اورنگ بے اضافۂ لفظ سلطنت اور امیر کو زینت بخش مسند بے افزائش لفظ امارت لکھو۔ انبیا خصوصاً سید الانبیا مسند پر کب بیٹھتے تھے۔ اُن کے غلاموں کو امارت ننگ ہے اور زمزمۂ الفقر فخری بلند آہنگ ہے۔ میرے خداوند کا فرش حصیر، مسند گلیم، ردا سے صحابہ سطحِ خاک؛ میں مومن مجرم اپنے اُس خداوند کو جس کی شان میں یہ مصرع اگرچہ مدت مجمل ہے:

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

لیکن قولِ فیصل ہے۔ "آب و دست" و "زینت بخش مسند" کیوں کر سمجھوں؟ بلکہ مجموعِ اہلِ اسلام بشرطِ فہمِ صحیح و طبعِ سلیم گوارا نہ کریں گے کہ وہ صفت مخصوص دنیاداروں کے واسطے ہے، قبلۂ دین و دنیا پر صادق آئی۔ دکنی اور اُس کے فضلہ خوار قابلِ خطاب نہیں۔ ایہا الاخ المکرم فضلہ خوار جواب سے "پس گرداں جناب" کہ یہ قلم مستوجب عتاب نہیں۔ یقین ہے کہ آپ نے اب تو از روئے دلالت لفظ و معنی جان لیا ہوگا اور اس فقیر حقیر کو نظر بقومیت ترک و پیشۂ آبائی سپاہ گری غنیمت محققین خطاب دیا ہوگا۔ جاننا اس امر کا کہ "آب و دست" میں اگر آب سے پانی اور دست سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو اسم تبیہ سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آب کو بمعنی رونق اور دست کو بمعنی مسند مانیں تو بے الحاقِ لفظ نبوت و ہدایت و نصرت اس ترکیب کا مشابہ سمجھنا کیسی بلعجبی ہے۔ "آب و دست" و "رونق بخش مسند" صفت ہے تو ما معنون ما اور کی یہاں تک کہ اصطلاح سے تعریف کر سکتے ہیں یعنی ان وسادہ کا اُن بلاد و امصار کی

میں اب قطعِ کلام کرتا ہوں اور آپ کو بکمالِ تعظیم سلام کرتا ہوں، پیچھے کی تقریر کا سلسلہ رکھتے ہو تم جانو اور سیدِ ابرار خاقانی پر بہتان کرتے ہو تم جانو اور وہ میدانِ سخن کا شہسوار۔ مجھ کو جس قدر تم نے لکھا ہے یا کوئی اور لکھے گا اگرچہ وہ سب لغو و جھوٹ ہے، معقول اور درست نہیں لیکن واللہ مجھ کو عرصۂ حشر میں اس کی باز خواست نہیں۔

زمینِ عشق بجوئین صلحِ کل کردیم
تو خصم باش و ز ما دوستی تماشا کن

قاضی عبدالجمیل جنونؔ بریلوی

(۱)

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجلیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون
الاسلام، عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت مجھ کو ذریعہ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامے آپ
کے اوقات مختلف میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیے اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی
اس قدر کی پھیکی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا
محتاج نہیں لیکن باین ہمہ اس کے پڑھنے میں بہت تکلف پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے جگہ
صلاح کی باقی نہیں چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں
کہ میں نے خط چاک کر کے پھینک دیا ہوگا اور مجھ کو یہ اندیشہ کہ آپ کو بدظنی ہو جائے۔ آپ خود دیکھ لیں
کہ اس میں اصلاح کہاں دی جائے۔

واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجیے اُس میں بین الافراد و بین المصرعین فاصلہ زیادہ چھوڑیے۔
اب کے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے، حروف اُس کے روشن ہیں مگر بین السطور مفقود
اور اصلاح کی جگہ معدوم۔ آپ کی خاطر سے رنج کتابت اُٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو
اس ورق پر نقل کر کے اصلاح لکھتا جاتا ہوں۔ مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا۔ اُس سے مقابلہ کر کر
معلوم کر لیجیے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کون سی بیت موقوف
ہوئی؟

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعے میں شہزادگانِ تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر
لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرع طرح کو کیا کیجیے گا اور اُس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا۔ میں کبھی
اُس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے، اس کو دوام کہاں؟
کیا معلوم ہے ابھی نہ ہو، اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام۔

۱۸۵۴ء

اسداللہ

ان دونوں مصرعوں میں سے جو مصرع چاہیے رکھیے۔

جی میں ہے باغ کے گلگشت کو جایا کیجے

جی میں آتا ہے کہ گلزار کو جایا کیجے
جامِ مے تربتِ بلبل پہ چڑھایا کیجے
گر تمھیں سوگ ہی رکھنا ہے عدو کا منظور
مسّی موقوف سہی پان تو کھایا کیجے
گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھ پر
آگ میں ڈالیے پر یوں نہ جلایا کیجے
تاب و طاقت نے دیا ذوقِ جاناں میں جواب
بارِ غمِ ناز نہیں ہے کہ اُٹھایا کیجے
گر ہم آئے تو غضب کیا ہے بُرا کیوں کہیے
یہی کہیے کہ مرے پاس نہ آیا کیجے
مدعا کیا ہے ہمارے دل و دیں سے تم کو
بات کو حضرتِ ناصح نہ بڑھایا کیجے
تھا جنوں بھی کوئی روزوں میں تھا ما ہم راز
گاہ گاہے خبر اُس کی بھی منگایا کیجے

ولہ

اب تو محفل سے وہ اپنی کم اُٹھاتا ہے مجھے
بیٹھ کر غیر کے پہلو میں جلاتا ہے مجھے
مرحبا طالعِ بیدار کہ تنہائی میں
بسترِ خواب پہ وہ شوخ بلاتا ہے مجھے

(۲)

قبلہ!

آپ کو خط کے پہنچنے میں تردد کیوں ہوتا ہے ۔ ہر روز دو چار خط اطراف و جوانب سے

آتے ہیں۔ گاہ گاہ انگریزی بھی، اور ڈاک کے ہرکارے میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا
آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے۔ وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے۔ محلہ بھی ضرور
نہیں۔ آپ ہی انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے رہے اور مجھ کو بلی ماروں میں خط پہنچتا رہا۔

یہ اب کے آپ نے حکیم کالے کا نام کیسا لکھا ہے؟ اس غریب کو تو شہر میں کوئی جانتا
بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ خط آپ کا کوئی تلف نہ ہوا۔ جو آپ نے بھیجا وہ مجھ کو پہنچا۔ جواب کے لکھنے
میں جو میری طرف سے قصور واقع ہوتا ہے، اُس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت مہینا بھر
میں تو پتے لکھتے ہیں۔ میں کہاں تک یاد رکھا کروں؟ ایک مکان ہو تو اُس کو لکھ رکھوں۔
دوسرا سبب یہ کہ شوقیہ خطوط کا جواب کہاں تک لکھوں اور کیا لکھوں؟ میں نے آئین نامہ
نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو تو کیا لکھوں؟

اب کے آپ کے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے۔ ایک تو وہ رباعی
جو آپ نے اس ننگِ آفرینش کی مدح میں لکھی ہے۔ اُس کا جواب بندگی ہے اور کورنش
اور آداب۔ دوسرا امر عدمِ خط کے نہ پہنچنے کا وسوسہ، اُس کا جواب لکھ چکا۔ تیسرا امر جناب
مولوی اللہ یار خاں صاحب کا میرے ہاں آنا اور میرا اُس وقت مکان پر موجود نہ ہونا۔
واللہ مجھ کو بڑا رنج ہوا۔ اگر آپ سے ملیں تو میرا سلام کہیے گا۔ اور میرا ملال اُن سے بیان
کیجیے گا۔ صبح کو میں ہر روز قلعے کو جاتا ہوں۔ ظاہرا مولوی صاحب اوّل روز آئے ہوں گے۔
جب میں سوار ہو جاتا ہوں۔ تب بھی دو چار آدمی مکان پر ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب بیٹھتے،
حقہ پیتے۔ میں اگر قلعے جاتا ہوں تو پہر دن چڑھے آتا ہوں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟

نگاشتہ سہ شنبہ، نہم ربیع الاول ۱۲۷۲ھ
مطابق ۲۰ نومبر ۱۸۵۵ء　　　　از اسد

(۴۳)

[illegible]
[illegible]

پیر و مرشد!

فقیر ہمیشہ آپ کی خدمت گزاری میں حاضر اور غیر قاصر رہے جو حکم آپ کا ہوتا ہے اُس کو بجا لاتا ہوں مگر معدوم کو موجود کرنا میری وسعِ قدرت سے باہر ہے اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ و ردیف لکھا ہے، میں نے کبھی غزل نہیں لکھی۔ خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر سن کر میرا کلام گمان کیا ہے۔ ہر چند میں نے خیال کیا اس زمین میں میری کوئی غزل نہیں۔ دیوانِ ریختہ چھاپے کا یہاں کہیں نہیں ہے۔ اپنے حافظے پر اعتماد نہ کر کر اُس کو بھی دیکھا۔ وہ غزل نہ نکلی۔ بیشتر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چناں چہ انھیں دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرے سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجیے:

اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

میں نے کہا کہ اُن کو واقعی اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش رحمت خدا کی

میں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مطلع ہے، اُس پر بقول اُس کے خدا کی رحمت، اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ "اسد" اور "شیر" اور "بت" اور "خدا" اور "جفا" اور "وفا" یہ میری طرزِ گفتار نہیں ہے۔ بھلا ان دو شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ہے، وہ شعر میرا کیوں کر ہو گیا؟ واللہ باللہ وہ شعر "خدنگ"، "رنگ" کے قافیے کا میرا نہیں ہے۔

والسلام۔

مرسلہ جمعہ ۲۵ ماہ صیام ۱۲۷۵ھ
۲۹ ماہ اپریل سالِ حال ۱۸۵۹ء

غالب

(۴)

[illegible]

جناب مولوی احمد حسن صاحب قنوجی کو میرا سلام پہنچے یکشنبہ ۲۸ اگست

غالب

حسب مطبوعہ مکتوبہ حقیقی   انشائے بینڈ   یکشنبہ ۲۸ اگست

بخدمت فیض موہبت مخدوم مکرم مظہر لطف و کرم جناب قاضی عبدالجمیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بریلی محلہ

حضرت!

کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آگے اس سے جو آپ کے اشعار آئے تھے، وہ دو دن کے بعد اصلاح دے کر بھیج دیے۔ خط ڈاک میں تلف ہو جائے تو میرا کیا گناہ؟ آج آپ کا یہ خط صبح کو آیا، میں نے آج ہی دوپہر کو دیکھ کر لفافہ کر کر ڈاک میں بھجوا دیا۔ اب پہنچے یا نہ پہنچے۔

دو باتیں سنیے "درج" بسکونِ رائے قرشت بمعنی "فریب" ہے۔ لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں۔ وہ دوسرا لغت ہے۔ "طرح" بحرکت رائے قرشت، بروزن "ذبح" اس کو بسکونِ رائے مہملہ بولنا قوم کا منطق ہے۔ معاذ اللہ! اگر تقریر میں اس طرح یعنی بسکون بولوں تو زبان اپنی کاٹ ڈالوں، چہ جائے کہ نظم میں لاؤں۔ ہاں غزل "طرح" کی زمین "طرح" کی یہ بسکون ہے اور یہ بمعنی "روش و طرز" "طرح" ہے۔ بہ تحقیق۔ (دستاں ۔ ۔ ۔) ان نہیں "دستان" کے تین معنی: ایک تو رستم کے باپ کا نام اور وہ علم ہے۔ دوسرے ۔ ۔ ۔ تیسرے "آوازِ خوش" اور یہ جو بلبل کو "ہزار داستاں" کہتے ہیں۔ سوقی اور عوام (لوگ کہتے) ہیں۔ صحیح "ہزار دستان" ہے یعنی بہت طرح کی آوازیں بولتا ہے۔

جناب مولوی احمد حسن صاحب قنوجی کو میرا سلام پہنچے۔

یکشنبہ ۲۸ اگست سنہ ۱۸۵۹ء

(۵)

صاحب!

وہ خط جس میں اشعارِ سید مظلوم کے تھے، مجھ کو پہنچا اور میں نے اُس خط کا جواب تم کو بھیجا اور ذکر اشعار قلم انداز کیا، فارسی کیا لکھوں؟ یہاں ترکی تمام ہے۔ اخوان و احباب یا مقتول یا مفقودالخبر، ہزار آدمی کا ماتم دار ہوں۔ آپ غمزدہ اور آپ غمگسار ہوں۔ اس سے قطع نظر کہ تباہ اور خراب ہوں، مرنا سر پہ کھڑا ہے، پا بہ رکاب ہوں۔

"طرح" بالفتح بہ معنی "نمونہ" اور بہ معنیِ "ذیب" صحیح لیکن "طرح" بہ تحتین، ور چیز ہے۔ غیاث الدین رام پور میں ایک مُلّائے مکتبی تھا، ناقلِ ناعاقل۔ جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہو گا، اُس کا فنِ لغت میں کیا قدم ہو گا؟

کیستم من کہ تا ابد بزیم

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ! یہ مصرع میرا نہیں "تا ابد بزیم" یہ فارسی لالہ قتیل کی ہے۔ میرا قطعہ یہ ہے:

قطعہ

کیستم من کہ جاوداں باشم
چوں نظیری نماند و طالب مُرد
ور بگویند در کدا میں سال
مُرد غالب، بگو کہ "غالب مُرد"

یہ مادۂ تاریخِ وفات ز روے نجوم نہیں بلکہ از روے کشف ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

پنجشنبہ ۸ ستمبر ۱۸۵۹ء

غالب

(۶)

حضرت!

بہت دنوں میں آپ نے مجھ کو یاد کیا۔ سال گذشتہ ان دنوں میں میں رام پور تھا۔

مارچ ۱۸۶۰ء میں یہاں آگیا ہوں۔ اب یہیں ہوں اور یہیں میں نے آپ کا خط پایا ہے۔
آپ نے سرنامے پر رام پور کا نام ناحق لکھا۔

حق تعالیٰ والیِ رام پور کو صد و سی سال سلامت رکھے۔ اُن کا عطیہ ماہ بہ ماہ مجھ کو پہنچتا ہے۔ کرم گستری و اُستاد پروری کر رہے ہیں۔ میرے رنج سفر اُٹھانے کی اور رام پور جانے کی حاجت نہیں۔

مولوی احمد حسن عرشی کے فراق کو میں نہیں سمجھا کہ کیوں واقع ہو۔ بلکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ اور وہ یکجا کہاں تھے اور کب تھے؟ خلیفہ حسین علی صاحب رام پور میں مجھ سے ملے ہوں گے۔ مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے۔ حافظہ گویا نہ رہا۔ شامہ ضعیف، سامعہ باطل، باصرہ میں نقصان نہیں، البتہ حدت کچھ کم ہو گئی ہے۔

پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند

بہرحال چوں کہ میں دلی ہوں اور وہ رام پور گئے ہیں۔ تو البتہ وہ آپ کے پیام جو اُن کی زبان کے محوّل تھے، بدستور اُن کی تحویل میں رہے اور مجھ تک نہ پہنچے۔ یہ شہر بہت غارت زدہ ہے۔ نہ اشخاص باقی نہ امکنہ۔ کتاب فروشوں سے کہہ دوں گا، اگر میری نظم و نثر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ آجائے گا تو وہ مول لے کر خدمتِ عالی میں بھیج دیا جائے گا:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت

ایک دوست کے پاس بقیۃ النہیب و غیرہ کچھ میرا کلام موجود ہے۔ اُس سے یہ غزل لکھوا کر صبح بھیج دوں گا۔

دلی میں ایک حکیم تھے، اُن کا نصر اللہ خاں نام تھا۔ وہ مر گئے۔ اس نام کا وکیلِ عدالت دیوانی کبھی میں نے دلی میں نہیں سنا۔ کیسا ڈیرہ دون، کیسا کان پور؟ اب میں کس سے پوچھتا پھروں کہ نصر اللہ خاں کے تم آشنا ہو یا نہیں؟ جب حضرت کو اُن کا مسکن مع عہدہ معلوم ہے تو پھر اُن کے احباب کو کیوں ڈھونڈتے ہو؟

اور اگر اس کو حرکت لازم آئے تو علامت حرکت ہمزہ لکھ دیا جائے گا۔ "رفتہ" "آمدہ" اور ان مفعول کے سب صیغوں کا یہی حال ہے۔

پان کا شعر کاٹ ڈالا، وجہ یہ کہ پہلے تو میں "پان" کا نون بے اعلان بروزن "آں" پسند نہیں کرتا!.....

(۹)

جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی تفقد نامہ مرقومہ ۲۱ ستمبر میں نے پایا حضرت
کے سلامت حال پر خدا کا شکر بجا لایا کوئی محکمہ تخفیف میں آ کر کوئی گانو
مستاجر لیتا ہے آپکا عہدہ آپکو مبارک آپ کا کام کتنی نہ سلامت
از وہ جو اپنے ابن الخال کا اس محکمہ میں وکیل ہونا آپکو لکھا ہے
البتہ بجا ہے جب آپ ظاہر کر چکے ہیں تو اب اوسکا اندیشہ کیا ہے حاکم
سمجھ لینگے وہ وکیل ہیں محکمہ منصفی میں نہ رہینگے محکمہ صدر امینی و
سشن جج میں کام کرینگے میں نہ تندرست ہوں نہ رنجور ہوں زندہ مستور
ہوں دیکھئے کب تک جیتا ہوں اور جب تک جیتا رہوں اور کیا دیکھتا ہوں
والسلام مع الوف الاحترام نجات کا طالب غالب یکشنبہ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۱ عیسوی

جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی

تفقد نامہ مرقومہ ۲۱ ستمبر میں نے پایا۔ حضرت کے سلامت حال پر خدا کا شکر بجا لایا۔

کوئی محکمہ تخفیف میں آئے، کوئی گاؤں شرّالث ہو جائے، آپ کو عہدہ آپ کو مبارک، آپ کا دولت خانہ سلامت، ہاں وہ جو اپنے ابن الخال کا اس محکمے میں وکیل ہونے کا آپ کو کھٹکا ہے، البتہ بجا ہے۔ جب آپ ظاہر کر چکے ہیں تو اب اُس کا اندیشہ کیا ہے؟ حاکم سمجھ لے گا۔ وہ وکیل ہیں، محکمہ منصفی میں نہ رہیں گے۔ محکمہ صدر امین و سشن جج میں کام کریں گے۔

میں نہ تندرست ہوں، نہ رنجور ہوں، زندہ بدستور ہوں۔ دیکھیے کب بلاتے ہیں؟ اور جب تک جیتا ہوں، کیا دکھاتے ہیں؟ والسلام بالوف الاحترام۔

یکشنبہ ۲۹ ستمبر ۱۸۶۱ء نجات کا طالب غالب[۱۲]

(۱۰)

از اسد بندگی برسد۔ حضرت یہ غزل قطعہ بند ہے، اس قطعہ بند میں چاہیے مطلع دو دو لکھنے، یہ ایجاد ریختہ والوں کا ہے۔

جناب مولوی اساس الدین صاحب کی خدمت میں سلام نیاز

(۱۱)

"اے مشفق من" نام بوطا اور قبیح ٹکسال باہر، اس شعر کو دور کرو۔ اور اگر کوئی اور شعر ہاتھ نہ آئے اور اسی کو رکھنا چاہو تو یوں رکھو:

گالیاں دیتے ہو کیوں مشفقِ من خیر تو ہے!

غالب

(۱۲)

آداب عرض کرتا ہوں اور پیاروں غزلیں دیکھ کر جا بجا حک و اصلاح کر کے بھیجتا ہوں۔

اسد اسد

(۱۳)

خستہ کام و اندیشہ کام دونوں لفظ
ٹکسال باہر ہیں کام دو شکستہ کام د

اور تشنہ کام اور ترکیب ہے
کام بہ معنی تالو ہے نہ بمعنی مقصد و مدعا ہے
کاغذ لفافے میں اسطرح لپیٹا کیجیے کہ کھلنے کی
جگہ باقی رہے

"خستہ کام و اندیشہ کام" دونوں لفظ ٹکسال باہر ہیں۔ ہاں "ناکام" اور "دشمن کام" و "دوست کام" لکھتے ہیں اور "تشنہ کام" اور ترکیب ہے۔ کام بہ معنی "تالو" کے ہے نہ بہ معنی "مقصد" و "مدعا" کاغذ لفافے میں اس طرح لپیٹا کیجیے کہ کھلنے کی جگہ باقی رہے:

(۱۴)

"تڑپھنا ترجمۂ تپیدن" کا املا یوں ہے، "نہ تڑپنا" ہائے فارسی اور نون کے درمیان ہائے مخلوط التلفظ ضرور ہے۔

معشوق کو "صاحب" لکھنا چاہیے نہ کہ "حضرت" اور جو ایک دو جگہ اصلاح ہے، اس کی توضیح کی حاجت نہیں۔ دوسری غزل، خیر اگر آپ کا جی چاہے تو رہنے دیجے۔ جس طرح اس میں کہیں سقم نہیں، اسی طرح لطف بھی نہیں۔

نجات کا طالب غالب

(۱۵)

"زیب و زینتِ خانہ" کا لفظ خلافِ روزمرہ، علاوہ اس کے یہ احتمال ہوتا ہے کہ مگر خود اس شخص کے گھر میں دخلِ غیر ہے۔

(۱۶)

جنابِ مولوی صاحب!

آپ کے دونوں خط پہنچے۔ میں زندہ ہوں لیکن نیم مردہ۔ آٹھ پہر پڑا رہتا ہوں۔ اصل صاحبِ فراش میں ہوں۔ بیس بیس دن سے پاؤں پر ورم ہو گیا ہے۔ کفِ پا و پشتِ پا سے

اور ناتوانی اور آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنونِ احسان
والسلام مع الاکرام نجات کا طالب غالب
دوشنبہ ۱۸ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۰ مطابق ۳۰ نومبر سنہ ۱۸۶۳

جناب قاضی صاحب کو میری بندگی پہنچے۔

مکرمی مولوی غلام غوث خاں بہادر میر منشی کا قول سچ ہے۔ اب میں تندرست ہوں۔ پھوڑا، پھنسی، زخم جراحت کہیں نہیں، مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ۔ ضعف کیوں کر نہ ہو۔ برس دن صاحبِ فراش رہا ہوں۔ ستر برس کی عمر۔ جتنا خون بدن میں تھا[۲] بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہوکر نکل گیا۔ سنِ نمو کہاں جو اب بھر تولید دمِ صالح ہو۔ بہر حال زندہ ہوں اور ناتواں اور آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنونِ احساں۔ والسلام مع الاکرام[۳]۔

دوشنبہ، ۱۸ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۰ھ
مطابق سی ام نومبر سنہ ۱۸۶۳ء[۴]

نجات کا طالب غالب[۱]

(۱۸)

قبلہ!

مجھے کیوں شرمندہ کیا؟ میں اس ثنا و دعا کے قابل نہیں، مگر اچھوں کا شیوہ ہے بُروں کو اچھا کہنا۔ اس مدح گستری کے عوض میں آداب بجا لاتا ہوں۔

سہ شنبہ، ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالب

(۱۹)

جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدے کی بندگی۔ اگر مجھ کو نوبت نظم
عطر فتنہ پہنچا رہا ہوتا تو قصیدے کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی
مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ اب جو میں شایستہ مدح نہیں

تو یہ ستائش راجع آپ کی طرف ہوگی گویا یہ قصیدہ آپ ہی کی

مدح میں ہے

میں اب رنجور نہیں تندرست ہوں مگر بوڑھا ہوں جو کچھ طاقت

باقی تھی وہ اس ابتلا میں زائل ہو گئی اب ایک جسم بے روح

متحرک ہوں ع یکے مردہ شخصم بمردے رواں اس مہینے یعنی

رجب ۱۲۷۹ سے سترواں برس شروع اور استقام آلام کا شروع

ہے لا موجود الا اللہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ

نجات کا طالب غالب بست و ہفتم رجب ہفتم جنوری ۱۸۶۳

جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدے کی بندگی۔ اگر مجھے قوتِ ناطقہ پر قدرت باقی رہا ہوتا تو
قصیدے کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ
وہ میں شائستۂ مدح نہیں تو یہ ستائش راجع آپ کی طرف ہوگی۔ گویا یہ قصیدہ آپ ہی کی مدح
میں ہے۔ میں اب رنجور نہیں، تندرست ہوں مگر بوڑھا ہوں، جو کچھ طاقت باقی تھی وہ اس
ابتلا میں زائل ہو گئی۔ اب ایک جسم بے روح متحرک ہوں۔

یکے مردہ شخصم بمردے رواں

اس مہینے یعنی رجب سنہ ۱۲۷۹ھ سے سترھواں برس شروع ہوا اور استقامِ آلام کا شروع
ہے۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ وَلَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللہ۔

بست و ہفتم رجب سنہ ۱۲۷۹ھ

ہفتم جنوری سنہ ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالب

(۲۰)

۱۵۰۶

~~مہ شوال کو کیا دیکھے جنونِ نمکیں~~

~~خنجرِ ناز نہیں، ابروئے خمدار نہیں~~

پیر و مرشد!

ماہ شوال کو خنجر و شمشیر سے کیا علاقہ؟ ہلالِ رمضان دیکھ کر تلوار کو دیکھتے ہیں اور ہلالِ شوال دیکھ کر سبز کپڑا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اشعار بہت ہیں، اُن میں سے کسی شعر کو مقطع کر دیجیے۔

ہفتم فروری ۱۸۶۳ء

غالب

(۲۱)

دشمنی پر جب کہ ہم سے یار ہے
پھر بھلا کیا شکوۂ اغیار ہے
خطِ شوقیہ لکھا ہے یار کو
سو جگہ مضمون کی تکرار ہے
دل لگا کر دل کہیں لگتا نہیں
عشق یا رب کیا کوئی آزار ہے
وقتِ آخر میں ترے بیمار کی
کیا نگاہِ یاس حسرت بار ہے
دل لگایا تھا سمجھ کر دل لگی
اب تو کچھ جینے سے جی بیزار ہے
بل بے شوخی اس نگاہِ ناز کی
ایک برچھی سی جگر کے پار ہے
حال کچھ کھلتا نہیں اس شوخ کا
آج جانے پر بہت اصرار ہے
بوسہ اس لب سے کبھی ملتا نہیں
عشق مزدوری نہیں بیگار ہے
یک نظر میں سینکڑوں ہوتے ہیں خون
چشم کہنے کے لیے بیمار ہے
گلشنِ ہستی میں جی بہلا نہیں
گل کے پہلو میں کھٹکتا خار ہے

تجھ پہ واجب ہے عیادت شوخ چشم
لوگ کہتے ہیں جنوں بیمار ہے

حضرت، غزل سراسر ہموار و ذوق انگیز ہے۔ ایک شعر میں ایک لفظ بنا یا گیا، ایک شعر کا پہلا مصرع بدل دیا گیا۔ مومن خاں کے اس مصرع میں تردد کیا ہے: "تم سے دشمن کی مبارک باد کیا۔" "سے" "بہ معنی" "از" نہیں ہے بلکہ بہ معنی "مثل" و "مانند" ہے یعنی "چوں تو دشمن اگر تہنیت دہد بر آں چہ اعتبار ہے؟"

وصل کے وعدے سے ہو دل شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

یعنی اگر تم نے کہا کہ لو مبارک ہو، کل ہم آئیں گے یا تمھیں بلائیں گے۔ ہم ایسے وعدے سے کیا خوش ہوں؟ تم جیسے دشمن کے مبارک باد دینے سے کیا ہوتا ہے؟

۱۹ مارچ ۱۸۶۴ء
غالب[۱۲]

(۲۲)

سہسوان کے صاحب اگر "قاطع برہان" کا جواب لکھتے ہیں، خدا ان کو یہ توفیق دے کہ عبارت کے معنی سمجھ لیں، تب جواب لکھیں۔ والسلام

چہارم اپریل ۱۸۶۴ء

(۲۳)

۱۵۱۰

حضرت سلامت!

میاں قدرت اللہ صاحب کا تردد بجا۔ "پیش از صبحِ صادق نماز کیسی؟" یہ کاتبِ اول کی خوبی اور نقل کرنے والوں کی غفلت ہے۔ اصل فقرہ یوں ہے:

"خود بدولت پیش از صبحِ صادق برخاستہ بعد
بانگِ صلوٰۃ باجماعت فضل نمازِ صبح ادا کردہ
بجھروکۂ درشن تشریف می آوردند"

حضرت نے بنفسِ نفیس بڑھا دیا ورنہ "برخاستہ" کو بہ جبر اٹھا دیا۔ صبحِ صادق سے پہلے یعنی وقتِ سحری، رات رہے اٹھتے اور ضروریات سے فراغت کرتے۔ وضو کے مراسم بجا لاتے۔ جب مؤذن اذان دیتا، باجماعت کی نماز پڑھتے۔ "رفعِ حوائجِ ضروری کو برخاستہ" کے بعد مقدر چھوڑ جانا بلاغت ہے۔ یعنی اس وقت کے افعال بول و براز ہیں۔ ان کا ذکر مکروہ مستوجبِ نفرت ہوا اور بہ نسبتِ بادشاہ سوءِ ادب ہے خصوصاً۔ اور یہ جو فقیر بنفسِ نفیس کو غلط کہتا ہے، یہاں ایک دقیقہ ہے۔ یعنی بہت کام ایسے ہیں کہ آدمی آپ بھی کر سکتا ہے اور خادم سے بھی لے سکتا ہے۔ مثلاً چلم پر آگ دھرنا، پانی نہانے میں لوٹا لے جانا۔ اور بہت کام ایسے ہیں کہ ہر شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرا بجا نہیں کر سکتا۔ مثلاً حقہ پینا یا پاخانے جانا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، بول و براز سے۔ پس افعالِ مشترکہ میں

"بنفسِ نفیس" لکھ سکتے ہیں اور افعالِ مخصوصہ میں "بہ نفسِ نفیس" کی قید لغو اور پوچ اور مہمل ہے میں کروں کیا؟ فی الحال رود مانِ معنی کا وہ حال ہے جو ہندوستان کا غدر کے بعد ہوگیا۔ جُہلا جانتے نہیں، علما اعتنا نہیں کرتے۔ چھاپے کو توقیعِ الٰہی سمجھتے ہیں نسخۂ مطبوعہ میں غلطی کا احتمال جائز نہیں رکھتے۔ کاپی نویس کے جُرم میں مصنف بے چارہ ماخوذ ہوتا ہے۔

۸ مئی ۱۸۶۳ء

داد کا طالب غالب

غضب ہے گر نہ سگِ در ترا قبول کرے[۲]
کہ سوزِ غم نے جلایا ہے استخواں میرا
کبھی ہے کعبے میں مذکور، گاہ دیر میں ذکر
ہوا ہے عشق میں چرچا کہاں کہاں میرا
جنوں نے جو رہ کا شکوہ کیا تو کہتے ہیں
کہاں کو چھوڑ کے جاؤ گے آستاں میرا

(۲۳)

کہار کے حوالہ کرو[۳]

مت لکھیے پاس پہنچی میں

بلکہ بوڑھا اور ناتوان گویا نیم جان رہ گیا

ایک کم ستر برس دنیا میں رہا کوئے کام

دم سینے سے نکلا افسوس ہزار افسوس نجات کا طالب غالب

سہ شنبہ ۲۸ جون سنہ ۱۸۶۴ء

قبلہ!

ایک سو بیس آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے۔ دس قلمیں اور چھٹانک بھر سیاہی کہار کے حوالے کر دی ہے۔ خدا کرے بہ حفاظت آپ کے پاس پہنچے۔ میں مریض نہیں ہوں۔ بوڑھا اور ناتواں، گویا نیم جاں رہ گیا۔ ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ کوئی کام دین کا نہ کیا۔ افسوس ہزار افسوس۔

سہ شنبہ ۲۸ جون سنہ ۱۸۶۴ء

نجات کا طالب غالب

(۲۵)

جنابِ عالی!

وہ غزل جو کہار لایا تھا وہاں پہنچی، جہاں اب میں جانے والا ہوں۔ یعنی عدم۔ مدعا یہ کہ گم ہو گئی!

گھات میں مدعا بر آری کی
ہم نے غیروں کی غم گساری کی

تقدیم و تاخیرِ مصرعین کر کے رہنے دو۔ اس میں کوئی سقم نہیں۔ "مدعا بر آری" کا بھبوت کا لفظ ہے۔ میں اس طرح کے الفاظ سے احتراز کرتا ہوں مگر چوں کہ من حیث المعنی یہ لفظ صحیح ہے، مضائقہ نہیں۔ "قطرہ سے" الخ اس مطلع میں خیال ہے دقیق۔ مگر کوہ کندن و کاہ بر آوردن یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار رہے۔ بہ قدر یک مژہ برہم زدن ثبات و قرار ہے۔ حیرت ازالۂ حرکت کرتی ہے۔ قطرہ سے افراطِ حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر برابر بوندیں جو تھم کر رہ گئیں تو پیالی کا خط بہ صورت اُس تاگے کے بن گیا جس میں موتی پروئے ہوں۔

"لیتا نہ اگر دل" الخ۔ یہ بہت لطیف تقریر ہے۔ "لیتا" کو ربط ہے "جبیں" سے "کرتا" مربوط ہے "آہ و فغاں" سے مگر اس میں تعقیدِ معنوی اور لفظی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی

میں تعقیدِ معنوی عیب اور تعقیدِ لفظی جائز، بلکہ فصیح اور ملیح۔ ریختہ تقلید ہے فارسی کی۔ حاصلِ معنیٔ مصرعین یہ کہ اگر دل تمھیں نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا، اگر نہ مرتا تو کوئی دن اور آہ و فغاں کرتا۔

"ملنا ترا اگر نہیں" الخ۔ یعنی اگر تیرا ملنا آسان نہیں تو یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ خیر تیرا ملنا آسان نہیں، نہ سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے۔ نہ کوئی اور مل سکے گا مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں، یعنی جس سے تو چاہتا ہے، مل بھی سکتا ہے۔ ہجر کو تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا مگر رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے۔

"حسن اور اس پہ" الخ۔ مولوی صاحب کیا لطیف معنی ہیں ؟ داد دینا حُسنِ عارض اور حُسنِ ظن، دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی صورت اچھی ہے۔ اور گمان اُس کا صحیح ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اُس کو بہ نسبت اپنے ہے کہ میرا مارا کبھی بچتا نہیں اور میرا تیرِ غمزہ خطا نہیں کرتا۔ پس جب اُس کو اپنے پر ایسا بھروسا ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے؟ اس حسنِ ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی، ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔ رقیب عاشقِ صادق نہ تھا۔ ہوس ناک آدمی تھا۔ اگر پائے امتحان درمیاں آتا تو حقیقت کھل جاتی۔[۱]

"تجھ سے تو کچھ" الخ۔ یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت ہوئی، مگر کھٹکا یہ کہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔ ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا۔ اور اُس نے عاشق سے کہا کہ یہ آدمی وضع دار اور معتمد علیہ ہے میں ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اُس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضارا عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر والہ و شیفتہ ہو گیا۔ کیسا خط ؟ کیسا جواب ؟ دیوانہ بن، کپڑے پھاڑ، جنگل کو چل دیا۔ اب عاشق اس وقعے کے وقوع کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ غیب داں تو خدا ہے، کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر۔ اے ندیم تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن گر نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو میرا سلام کہیو کہ کیوں صاحب تم کیا دعوے عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے۔ در انجام کار کیا ہوا؟[۲]

سی ام جون ۱۸۶۴ء جواب کا طالب غالبؔ

کیا مخصوص بہرِ بود و باشِ یار جب اُس کو
کہی تاریخ سمت میں کہ "دولت خانۂ مخصوص"

دیگر

سرِ بازار یہ مکان دل چسپ
جس سے دل خوش ہوا ہے چُنّی کا
اُس کی تاریخ یوں کہی میں نے
"کیا عجب خانۂ سرور بنا"

ایضاً

مکیں زہرہ ساں اور فلک سا مکان
نئی طرز ہے اور طرفہ بنا
سنِ عیسوی از سرِ اہتزاز
"یہ ہے چرخ ثالث" فلک نے کہا

دیگر

دوستے ساخت مکان از پئے دوست
. . . . عیش و طرب
عرض کردم بہ سروش از پئے سال
بعد اندیشہ بہ ہنگام شبے
گفت بے روی الم ایں تاریخ
"خانۂ خوش بہ طرازِ عجبے"

دیگر

ان قدرت اللہ باہنر ایزد عطا کردش پسر
بادا بفضلِ ذوالمنن از عمر و دولت بہرہ ور

بودم بفکرِ سالِ او ناگہ سروشی از فلک
گفتا بہ سالِ مولدش برجِ سعادت را قمر

مصرع تاریخ اختتام طبع دستنبو طبع دستنبو یہ دانش شدہ
۱۲۸۲ھ

پیر و مرشد!
نواب صاحب کا وظیفہ خوار گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رام پور آیا۔ میں کہاں اور بریلی کہاں۔ ۱۳ نومبر کو یہاں پہنچا، بہ شرط حیات آخر دسمبر دلی کو جاؤں گا۔ نمائش گاہِ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں! تو اس نمائش گاہ کی سیر سے، جس کو دنیا کہتے ہیں، دل بھر گیا۔ اب عالم بے رنگی کا مشتاق ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ، لاموجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ۔

سہ شنبہ ۷ نومبر ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب غالب

(۲۷)

آداب بجا لاتا ہوں۔ آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ غزلیں دیکھی گئیں۔ فقیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کلام میں اسقام و اغلاط دیکھتا ہوں تو رفع کر دیتا ہوں اور اگر سقم سے خالی پاتا ہوں تو تصرف نہیں کرتا۔ پس قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان غزلوں میں کہیں صلاح کی جگہ نہیں؟

(۲۸)

سبحان اللہ سرِ آغاز فصل میں ایسے ثمرہائے بہشتی رس کا پہنچنا
نوید ہزار گونہ میمنت و شادمانی ہے یہ ثمر رب النوع اثمار
ہے اس کی تعریف کیا کروں کلام اس باب میں کیا جاتا
منھ میں [illegible] اور ادا کا۔ کچھ خیال [illegible] آیا ہو دو رنگا

سبحان اللہ! اس آغاز فصل میں ایسے ثمر ہائے بیش رس کا پہنچنا نوید ہزار گونہ مسرت و
شادمانی ہے۔ یہ ثمر رب الستوۃ اثمار ہے۔ اس کی تعریف کیا کروں؟ کلام اس باب میں کیا
جاہتا ہوں کہ میں یاد رہا۔ اور یہ بدلا کہ آپ کو خیال آیا۔ پروردگار آپ کو بدیں ہمہ رواں پروری و
کرم گستری دیر دیر سلامت رکھے۔

جمعے کے دن ۸ جون کو دوپہر کے وقت کہار پہنچا اور اُسی وقت خط کا جواب لے کر
اور آم کے زوڈ کرے دے کر روانہ ہو گیا۔ یہاں سے اس کو حسب الحکم کچھ نہیں دلوایا گیا۔
خاطر عاطر جمع رہے۔

خوشنودی کا طالب۔ غالب

(۲۹)

غزل کے بھیجنے میں دیر لگی قصور معاف ہو۔ جو میرے عزیز بریلی میں وارد ہیں، ور اُن سے آپ ملتے ہیں
اُن کا نام آپ لکھیں تو کمال مہربانی ہو۔

غالب

(۳۰)

جناب مولوی صاحب کو فقیر اسداللہ کا سلام

مرزا محمد رضا بیگ ماموں' مرزا جان کے پوتے اور مرزا حنیف بیگ کے بیٹے

اور میرے بھتیجے ہیں۔ مرزا وقار علی بیگ اکسٹرا اسسٹنٹ سے پوچھا چاہیے کہ مرزا علی جان بیگ مرحوم رئیس آگرہ اُن کے کون ہوتے تھے اور مرزا محمد علی بیگ جو لارڈ ولیم بہادر کے زمانے میں دلّی کے منصف ہوئے تھے، وہ مرزا وقار علی بیگ کے کون تھے؟ میں نے ان صاحبان کو دیکھا نہیں، محمد علی بیگ کو دیکھا ہے۔ وہ ماموں مرزا علی جان بیگ مرحوم کے نواسے اور میرے بھانجے ہوتے تھے۔ پس اگر اکسٹرا اسسٹنٹ بہادر محمد علی بیگ کے بھائی ہیں تو وہ بھی میرے بھانجے ہیں۔

چہارشنبہ سی ویکم اکتوبر ۱۸۶۶ء

غالب

محمد حبیب اللہ ذکا

(۱)

صاحب!

میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں۔ اپنا نورِ نظر و لختِ جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبطِ راز نہیں کر سکتا اور تم سے رازداری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں۔ قصیدہ و غزل میں مدح و تحسین بہ اقتضائے بخت و قسمت ہے نہ بہ اندازۂ ارزش کلام۔ "ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا۔ اغنیا کو نہ مذاقِ شعر سے نسبت نہ مطالعۂ اشعار کی فرصت۔ متوسط نے بقدر وسع سلسلہ جنبانی کی لیکن مرجع نے نہ قدردانی کی۔"

مولوی غلام غوث خاں بے خبر میر منشی لفٹنٹ گورنر مخلص خالص الاخلاص ہیں۔ ہرگز اُن کو مجھ سے تلمذ نہیں۔ البتہ اس کو خوش گو جانتے ہیں اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور "قاطع برہان" کا جواب لکھیں۔ باطل است آنچہ مدعی گوید۔ مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے۔ میں امیر علی شیر جیسا محتسب اور مولوی جامی جیسا عشق

کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے اور کاذب کو سزا دے۔ شکر ہے خدا کا کہ تم سخنور اور سخندان ہو اور یقین ہے کہ قلمروِ ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے کہ میرے اور مدعی کے رتبے کو ممیز ہو سکیں گے۔

عیدست بادہ شد فلک وساغر آفتاب

خالصاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے۔ یہ شخص ظرف کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے۔ اس کو کون مسلم رکھے گا۔ اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے یعنی مشبّہ اور مشبّہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے۔ آفتاب وساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے۔ شراب اور فلک میں وجہ تشبیہ کہاں؟

میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمھارے کلام کو اصلاح دوں۔ قدردانی کیوں کر کہوں قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ نہ استادانہ۔ جو خیال میں آئے گا کہا جائے گا۔ اگر آپ نے اس روش کا یعنی استصلاح کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے۔ ما کُتِبَ فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجموعۂ کلام سابق اگر بھیج دو گے میں بہ کمال طیب خاطر اس کو دیکھ کر بھیج دوں گا۔ استجازت کیا ضرور؟

صبح سہ شنبہ ۱۳ صفر سال غفر ۱۲۸۰ھ، ۳۰ جون ۱۸۶۳ء نجات کا طالب۔ غالب

(۲)

حضرت مولوی صاحب!

میں برس دن سے بیمار۔ اور تین مہینے سے صاحب فراش ہوں۔ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار۔ پوست سے ہڈیاں نمودار۔ پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضا پر دس جگہ پھائے لگتے ہیں۔ ضعف و ناتوانی علاوہ، سوزِ غم ہائے نہانی علاوہ۔

صنعتِ سہلِ ممتنع میں میں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ قدر دانی نہ فرمائی
رد و قدحِ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی، وہ محی الدولہ کو بھیجی رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا
ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگردِ قتیل وہاں کوسِ انا ولا غیری بجا رہے ہیں اور سخن
ناشناسوں کو اپنا زورِ طبع دکھا رہے ہیں۔ ایک کم ستر برس کی میری عمر ہوئی سوائے شہرتِ
تنک کے فنِ شعر کا کچھ پھل نہ پایا۔ فرمانروایانِ عصر معتقد ہوئے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ احسنت و
مرحبا کا شور سا مسموع سا ہوا خیر ستائش کا حق ستائش سے ادا ہوا۔ مختار الملک نے یہ بھی
نہ کیا۔ نہ مدح کی داد دی نہ مدت کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا سمجھے۔
محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے۔

کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں۔ مصرع

دیدیم گل و لالہ چہا رنگ بر آورد

فقیر کے نزدیک "دیدیم" زاید۔ گر یوں ہو تو بہتر ہے، ہر یک زگل و لالہ ... الخ

باشد شگفتہ کان بلب لعل تو ماند
گر چرخ بکامِ دل ما رنگ بر آورد

باشد مخل معنی ہے۔ اگر اس کی جگہ "آرد" ہو تو بہتر ہے۔ مگر آرد صیغہ مستقبل کا اور
"آورد" ماضی کا۔ و۔ فاعل دونوں فعلوں کا چرخ۔ ہر چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے مگر
فارسی گویانِ ہند نہ مانیں گے۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے۔

حاشا کہ شفق مثلِ لبِ لعلِ تو باشد
کے چرخ بکامِ دل ما رنگ بر آورد

ع خون شد دلِ غمدیدہ الخ

یہ شعر ہموار ہے نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا محتاج۔ م۔ اور د۔ یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے۔

ع اے اہلِ ورع الخ

یہ بھی ہموار ہے نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح

گوئی کہ زباں در دہنم برگ حنا بود

تا بوسہ زدم آن کف پا رنگ برآورد

مولوی صاحب یہ بات تو کچھ نہیں۔ زبان چاٹنے کا آلہ ہے نہ چومنے کا۔ زبان برگ حنا بن گئی تو بوسے سے کف پا کیوں حنائی ہو جائے۔

گوئی دہنم لب ز رنگ برگ حنا داشت

تا بوسہ زدم آن کف پا رنگ برآورد

مقطع اور اس کے اوپر کا شعر دونوں اچھے۔ اب آپ اس خط کی رسید لکھیے اور اس میں غلام امام شہید کا حال مفصل لکھیے کہ ان کی وہاں کیا صورت ہے۔ ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا کہ مختار الملک نے منہ نہ لگایا مگر محی الدولہ نے چار سو روپیہ مہینا سرکار جناب عالی سے مقرر کروا دیا ہے۔

روز چہار شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۸۰ھ
مطابق ۲۶ اگست ۱۸۶۳ء

(۳)

مولانا!

ایک لفافہ نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں بہ حالت خط جواب طلب لکھا گیا تھا۔ پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا۔ اس میں میرے اپنے خط کا جواب نہ پایا۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور بہ جہت آزادانہ نشاط کیا دانہ اس تحریر کے آنے پر موقوف رکھی تھی۔ بارے وہ کل نظم و نثر اور طبیعت اس کے مشاہدے سے طرب اندوز ہوئی۔ اب درنگ و دیری کی تقصیر معاف کیجیے اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجیے۔

صاحب تاریخ انطباع کلیات خوب لکھی ہے۔ مگر مژدۂ جمعیت کے بعد از تمام انطباع

پہنچی، اور کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی۔ بندہ پرور! تم چراغِ دودمانِ مہر و وفا اور منجملۂ اخوان الصفا ہو۔ مجھ سے تمھیں محبت رُوحانی ہے۔ گویا یہ جملہ تمھاری زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی کے طالب ہو۔ اس شیوے میں شریکِ غالب ہو۔ ایک خواہش میری قبول ہو، تاکہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ واقعہ حال دل نشین کرتا ہوں۔ جناب مولوی مؤیدالدین خاں صاحب کے بزرگوں میں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلت و صفوت مرعی تھی کہ وہ مقتضی اس کی ہوئی کہ ہم میں اور ان میں برادرانہ ارتباط و اختلاط باہم ہے اور ہمیشہ یوں ہی بلکہ روز افزوں رہے گا۔ خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے اگر یوں نہ ہوتا تو میں ان کے نام کا خط تمھارے خط میں ملفوف کر کے بھیجتا۔ ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب سے ملیں اور ان کو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں، اور میری طرف سے بعد سلام میرے کلیات کی پارسل کا ان کے پاس اور ان کے ذریعۂ عنایت سے اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختار الملک بہادر کی نظر سے گزرنا اور جو کچھ اس کے گزرنے کے بعد وقوع ہو دریافت کر کے مجھ کو مطلع فرمائیں۔

جمعہ ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۰ھ   غالب

۲۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۳ء

(۴)

بندہ پرور!

آج تمھارا عنایت نامہ آیا، اور آج ہی میں نے اس کا جواب ڈاک میں بھجوایا اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں بارھویں دن خط اور مہینا بیس دن میں پارسل پہنچے گا۔ خط کا جواب ضروری الارسال نہیں لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھیے گا۔ آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا۔ میں نے پارسل کب آپ کے پاس بھیجا اور

کب آپ کو لکھا کہ آپ یہ پارسل مؤید الدین خاں کو دے دیجیے گا۔ پارسل کا لفافہ مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اس کے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ مولوی مؤید الدین خاں صاحب سے ملیے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے انھیں دکھائیے اور ان سے پارسل کا حال دریافت فرمائیے۔ آپ ولایتی بھی نہیں جو میں یہ تصور کروں کہ اردو عبارت سے استنباطِ مطلب اچھی طرح نہ کر سکے۔ بہ ہر حال اب مدعا سمجھ لیجیے اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمائیے اور پارسل کا حال معلوم کر کے لکھیے۔

۵ جمادی الاول سنہ ۱۲۷۹ھ و نوزدہم اکتوبر سنہ ۱۸۶۲ء　　　　داد کا طالب غالب

روز ورود نامی نامہ

(۵)

صاحب!

پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں مضمون لطیف ہے۔ وہ فرد میں خوب آ گیا ہے۔ مطلعِ ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا۔ "ورنہ" کا قافیہ دو شعروں میں اور طرح سے بندھ گیا۔ تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا۔ جو شعر بے تصرف بہ دستور رہا اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔

ساقی ابھی چھنی ...... الخ

"چھنی" لفظ غریب ہے۔ نہ اہلِ دہلی کی زبان زد، نہ گوش زد۔ "غربال" کو چھلنی کہتے ہیں جس کی فارسی پرویزن ہے اور جس کپڑے سے سیالات کو چھانیں فارسی اس کی پالا اور اردو صافی ہے۔ بہ ہر حال یہ مصرع برابر نہ ہوا تھا۔ یہ قافیہ دو طرح سے درست ہوا ہے۔ جس طرح سے چاہو رہنے دو۔ "مرنے کا میرے وقت مقرر نہ ہوا تھا۔" تقرر وقتِ مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے مگر ہاں تقرر کا وقت زوال کو قرار دیا جائے۔ "قطع مری

پسند نہیں ہے۔ میرے سر کی قسم اس کو نہ رکھو اور مقطع لکھ لو۔“

شنبہ ۱۴ نومبر ۱۸۶۳ء　　　　　　　　　　　　غالب

(۶)

بندہ پرور!

پرسوں مولوی صاحب کا خط آیا۔ ماکتب فیہ بہ سبیل نقل یہ .... (یہ جگہ چھوڑ دی ہے) آج مسودہ عرضداشت کا جو آپ نے مجھ کو بھیجا تھا، پیش گاہِ آقائے نامدار گزارنا اور اپنے نام کے خط کا بھی پیش کرنا مناسب جانا۔ بعد ملاحظے کے یوں ارشاد ہوا کہ ”قصیدہ اور عرضداشت کی تفتیش اور تلاش کی جاوے جو دارالانشا میں ملے تو جواب لکھا جائے“ یقین ہے کہ بعد گرد آوری کاغذات کے اگر عرضداشت مل گئی یا قصیدہ نکل گیا تو جواب ملے گا۔

اب میں بقول صائب

در، بندۂ کار خودم، حیران اطوار خودم
ہر لحظہ دارد ہستیٔ چو قرعۂ رمال ہا

یوں سمجھا ہوا تھا کہ نو لفافے جو علی التواتر یکے بعد دیگرے ارسال ہوتے ہیں، متواتر دارالانشا میں پہنچے اور منشی نے چاک کر کے پھینک دیے ہوں۔ مانا کہ یوں ہی ہوا، بشرطِ التفات مولانا میرا مطلب اس صورت میں بھی فوت نہیں ہوتا یعنی مولوی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ اس کی میری معرفت گزری ہے، اس کے قبول ہونے کی عز اطلاع میں وہی لکھا جائے جو قصیدہ و عرضداشت کے گزارنے کے بعد لکھا جاتا۔ مولوی مؤید الدین صاحب جو حضرت کے مقرب اور اس حضرت میں میرے مقرب ہیں، یہ کلمہ موجز کہہ سکتے ہیں مگر میں اُن سے نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ نو کاغذ دفتر سے نکل کر

: پیش ہوئے یا نہیں۔

آگے اس سے تیس دن دیوان کا پارسل اور خط مولانا کو بھیجا ہے۔ اس کے دوسرے دن ایک پارسل اور ایک خط آپ کو میں نے بھیجا ہے۔ آج تک اس پارسل کی رسید میں نے نہیں پائی۔ سخت مشوش ہوں۔ اگر وہ پارسل پہنچ گیا ہے تو اس کی رسید لکھیے اور اگر نہیں پہنچا تو یہاں سے ڈاک گھر میں دریافت کیجیے اور میرے اس خط کا جواب لکھیے۔

نجات کا طالب غالب

ہاں خوب یاد آیا وہ قصیدہ بھی اس کلیات میں مطبوع ہو گیا ہے۔ صفحہ ۳۴۶ سطر ۱۲۔ دفتر سے قصیدے کا کاغذ نکلنے کی صورت میں بھی قصیدہ ممدوح کی نظر سے گزر سکتا ہے۔

صبح شنبہ ۱۶ جمادی الثانی سال غفر   والسلام مع الاکرام

۲۸ نومبر ۱۸۶۳ء

(۷)

بندہ پرور!

تمہارے دونوں خط پہنچے۔ غالب شکستہ دم کو یہ قلم نہ لکھے تو یہ اور بات ہے۔ دونوں خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خاں کا بہ تقدیم و تاخیر دو سہ روز موصول ہوئے۔ آپ کا پارسل بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائے گا۔ خاں صاحب کے پارسل میں ایک کتاب ارمغان اور اوراقِ اصلاح بھیجے جائیں گے۔ ہاہاہا! "محرقِ قاطع" کا تمہارے پاس پہنچنا ہے:

کامے کہ خواستم ز خدا شد میسرم

میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا؟ مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آ گیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے عیوب ظاہر کیے۔ دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے جدا جدا لکھے۔ دانا ہو اور منصف ہو محرق کو دیکھ کر جانو گے کہ مؤلف اس کا احمق ہے اور جب

وہ احمق "دافع ہذیان" و "سوالاتِ عبدالکریم" اور "لطائفِ غیبی" کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور "محرق" کو ڈھونڈ ڈالا تو معلوم ہوا کہ بے حیا بھی ہے۔ "دافع ہذیان" "سوالات" "لطائفِ غیبی" تینوں نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ بہ تقدیم و تاخیر یک دو روز نظرِ انور سے گزریں۔ فی الحال اس پارسل کی رسید بہ فور ورود لکھیے گا جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مستر پہنچے تو اس کی رسید رقم کی جائے گی۔ چار نسخے پارسل میں ہیں دو آپ لیجے اور دو محمد نجیب خاں کو دیجے۔

دوشنبہ ۲۸ نومبر ۱۸٦۴ء

غالب

(۸)

اے عنایت بہ عنایت ہم شکل۔ آپ کا خط حاوی حلِ شبہات جس دن پہنچا اُس کے دوسرے دن جواب لکھ کر بھیج دیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے۔ دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درست ہوئی۔ دو تین شعروں میں تمہاری رائے مسلّم رہی۔ باوجود فقدانِ حافظہ و استیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے۔

چہ غرّہ غرّہ پیشانی سمندِ عمر

بدل مصرع: — چہ غرّہ غرّہ پیشانی تکاورِ عمر

دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے کہ "شب گردگراں رکاب" کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے بے واو عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے!

صبح شنبہ ۳ ذی الحجہ ۱۲۸۱ھ [۲]

مطابق ۲۹ اپریل ۱۸٦۵ء

غالب

(۹)

میرے مشفق، میرے شفیق!

مجھ سے نبیّت و ولیّت کے ماننے والے، مجھ سے بُرے کو اچھا جاننے والے، میرے

محب! میرے محبوب! تم کو میری خبر بھی ہے؟ آگے ناتواں تھا، اب نیم جاں ہوں۔ آگے بہرا تھا۔ اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رام پور کے سفر کا رہ آورد ہے، رعشہ و ضعفِ بصر۔ جہاں چار سطریں لکھیں، انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں، حرف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا، بہت جیا۔ اب زندگی برسوں کی نہیں مہینوں اور دنوں کی ہے۔

پہلا خط تمہارا پہنچا۔ اُس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہوا۔ متواتر دوسرا خط مع غزل آیا۔ غزل کو دیکھا۔ سب شعر اچھے اور لطیف۔ حافظے کا یہ حال ہے کہ غزل کی زمین یاد نہیں۔ اتنا یاد ہے کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بدلا گیا تھا۔ غرض کہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا کہ نویدِ حصولِ صحت جلد بھیجو۔ ـــــ کل ایک خط رجسٹری دار آیا۔ گویا ستارۂ دُنبالے دار آیا۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے؟ بارے کھولا اور دیکھا۔ خط نویدِ رفعِ مرض و حصولِ صحت سے خالی اور شکوہ ہائے بیجا سے لبریز۔ صاحب! میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو وہیں رہ جائے تو رہ جائے، ورنہ دلّی کے ڈاک خانے میں پہنچ کر کیا مجال ہے جو مجھ تک نہ پہنچے۔ وہاں کے ڈاک کے کارپردازوں کو اختیار ہے، مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں۔ آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں۔ اُس کا یہ حال ہے کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہو گیا۔ اب ایک مجلّد اس کا کہیں نظر نہیں آتا۔

بس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیر و عافیت جلد لکھو۔

صبح جمعہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ

۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

جوابِ خط کا طالب غالب

(۱۰)

دوستِ روحانی و برادرِ ایمانی، مولوی حبیب اللہ خاں میر منشی کو فقیر غالب کا سلام۔ تم نے یوسف علی خاں کو کہاں سے ڈھونڈ نکالا اور اُن کا تخلص اور اُن کا خطاب کس سے

معلوم کیا ہو بغیر نشان محلّہ کے اُن کو خط کیوں کر بھیجا اور وہ خط ان کو کیوں کر پہنچا۔

حیرت اندر حیرت است اے یارِ من

پہلے یہ تو کہو کہ "درفشِ کاویانی" اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں؟ اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی؟

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ ز خصوصِ گفتگوے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے تو رسید لکھو، اور دیباچۂ ثانی جدید کی داد دو اور گر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو تا کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔

زیستن دشوار۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہتّرواں برس شروع ہوا۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ، دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی۔ قریب شام کبھی کبھی تین تلے ہوئے کباب، چھے گھڑی رات گئے۔ پانچ روپیہ بھر شرابِ خانہ ساز اور اسی قدر عرقِ شیر۔ اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اُٹھ نہیں سکتا اور اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر چار پایہ بن کر اُٹھتا ہوں تو پنڈلیاں لرزتی ہیں۔ بہ ہر حال دن بھر میں دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے اُٹھا اور پیشاب کیا اور پڑ رہا۔ اسبابِ حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدخواب نہیں ہوتا۔ بعد اراقۂ بول بے توقف نیند آجاتی ہے۔ ایک سو باسٹھ روپے آٹھ آنے کی آمد۔ تین سو کا خرچ۔ ہر مہینے میں ایک سو چالیس کا گھاٹا، کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں؟ مردن ناگوار یہ بھی ہے۔ مرنا کیوں کر گوارا ہوگا۔ جوابِ خط کا طالب غالبؔ

سہ شنبہ از روے جنتری ۲۶ اور از روے رویت ۲۵ رجب ۱۲۸۳ھ اور ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء

بھائی یہ خط از راہِ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

(۱۱)

جانانِ بلکہ جانِ مولوی منشی حبیب اللہ خاں کو غالبؔ خستہ دل کا سلام اور نورِ دیدہ!

سرور بہ سینہ، منشی محمد میراں کو دعا اور مجھ کو فرزندِ ارجمند کے ظہور کی نوید۔ جو نگارش صاحبزادے کی طرف سے تھی۔ رسم الخط بعینہٖ تمہاری تھی۔ اب تم بتاؤ کہ رقعہ اسی کی طرف سے تم نے لکھا ہے یا خود اس نے تحریر کیا ہے؟ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدر آباد نہیں آیا۔ ظاہرا اب تم نے وطن سے بلایا ہے۔ مفصّل لکھو کہ نخلِ مراد کا ثمر یہی ہے یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے۔ یہ اکیلا آیا ہے یا تم نے عیال کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے؟ ہاں صاحب 'محمد میراں' یہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سید ہوں۔ منشا افراطِ پرسش وفورِ محبت ہے، نہ فضولی۔

یوسف علی خاں شریف عالی خاندان ہیں۔ بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپے مہینا پاتے تھے جہاں سلطنت گئی وہاں تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں 'ریختہ' کہتے ہیں۔ ہوس پیشہ ہیں مضطر ہیں۔ ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ ان کا باپ میرا دوست تھا۔ میں ان کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں۔ بہ قدر اپنی دستگاہ کے کچھ مہینا مقرر کر دیا ہے مگر بسبب کثرتِ عیال وہ ان کو مکتفی نہیں۔ تم ان کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کرو گے تو کیا کرو گے؟

صاحب! میں بہ عینِ عنایت الٰہی کثیر الاحباب ہوں۔ ایک دوست نے کلکتے سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسۂ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے نام اس کا "مویدِ برہان" ہے۔ اس رسالے میں وضع کیے ہیں تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کیے ہیں اور تیری تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کیے ہیں اور اہلِ مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں۔ بس بھائی میں نے اتنے علم پہ ایک قطع لکھ کر چھپوایا اور کئی ورق اس دوست کو اور چار جلدیں "درفشِ کاویانی" علاوہ اوراق مذکور بھیج دیے۔ اسی زمانے میں تین چار ورق خوب یاد ہے کہ "درفش" کی جلد میں رکھ کر تم کو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے یا تم نے "درفش" کو کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع "درفش" "زینتِ طاقِ نسیاں" ہیں۔ دو ورق اس لفافے میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں۔ تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانے

فی الحال نظم فارسی یہی ہے اور بس۔

ہاں صاحب! اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا "مکاں تنگ ست" "جہاں تنگ ست" مدح مختارالملک میں متضمن استدعائے سکن وسیع۔ پھر مہینا بھر بعد اسی اودھ اخبار میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا مگر تیس روپے مہینا بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے اور اُن کے شاگرد و تبیع مخلص نے اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس روداد کی تفصیل اور جواب دہندہ اور معترض کے نام کا طالب ہوں۔ بسبیل استعجال۔

دوشنبہ ۶، شعبان ۱۲۸۳ھ

۲۴ دسمبر ۱۸۶۶ء

(۱۲)

بھائی!

میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے؟ ظاہرا معاملہ عالم ارواح ہے۔ اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں۔ تمہارے خط کا جواب مع اوراق مسودہ روانہ ہو چکا ہے، وقت پر پہنچے گا۔ ستّر ابہتّر اردو میں ترجمہ پیر خرف ہے۔ میری تہتّر برس کی عمر ہے۔ پس میں "اخرف" ہوا۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ سامعہ باطل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظے کی مانند معدوم ہو گیا۔ اب مہینا بھر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہیں رسمی پرسشِ مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے، وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرہ بادام مقشر، دوپہر کو گوشت کا پانی، سرِ شام تلے ہوئے چار کباب، سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب اور اسی قدر گلاب۔ خرف ہوں، پوچ ہوں، عاصی ہوں، فاسق ہوں، روسیاہ ہوں۔ یہ شعر میر تقی میر کا

میرے حسب حال ہے :

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اس وقت کچھ افاقت تھی۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا جس کو کھولا تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہیں گئے۔

ناچار اب کتابت جداگانہ میں لکھتا ہوں تاکہ خلعت کا حال اور میرے اور حالات تم کو معلوم ہو جائیں کہ میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تھا، وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدرآباد جا کر نواب نظام علی خاں کا نوکر ہوا۔ تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجا بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبے دار تھا اس نے مجھے پالا۔ ۱۸۰۳ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا صوبے داری کمشنری ہو گئی۔ اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سواروں کا برگیڈیر ہوا۔ ایک ہزار سات سو روپے درماہہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی۔ کہ بہ مرگ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی، وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا۔ ۱۸۳۰ء میں کلکتے گیا۔ نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا میری ریاست

کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ سرپیچ، مالائے مروارید۔ یہ تین رقم خلعت ملا! زاں بعد جب دلی میں دربار ہوا، مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر، بہ جرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت دونوں بند ہو گئے۔ میری بریت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس کے بعد پنڈ چھٹا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ غرض کہ یہ خلعت ریاست کا ہے۔ عوض خدمت نہیں، انعامی نہیں۔

معوج الذہن نہیں ہوں، غلط فہم نہیں ہوں، بدگمان نہیں ہوں، جو جس کو سمجھ لیا اس میں فرق نہیں آتا۔ دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب نے حیدر آباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بُری طرح کیا تھا۔ کھولتے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والے کی غرض یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ زنہار دستخط کو پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے کہ تمھاری ترقّی منصب اور افزونی مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ

۱۵ فروری ۱۸۶۷ء

(۱۳)

جانِ غالب!

تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے اور آمد رفت ڈاک کی مدت گزر گئی۔ اُس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ "موید برہان" میرے پاس بھی آ گئی ہے اور میں اُس کی خرافات کا حال بہ قید شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں۔ وہ تمھارے پاس بھیجوں گا بشرط مودت، بہ شرط آنکہ جاتی نہ رہی ہو اور باقی

ہو یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب لکھو! میرے بھیجے ہوئے اقوال جہاں جہاں مناسب جانو درج کردو۔ میں اب قریبِ مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی۔ ستہتر برس کی عمر۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میاں محمد میران کو دعا۔

۱۴ مارچ ۱۸۶۷ء — جواب کا طالب غالب

(۱۴)

بندہ پرور!

آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمھاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا۔ جو آپ کی عبارت سے سمجھ لیا ہوں اس کا جواب لیجیے اور جو نہیں وہ مطابق میرے التماس کے مجھے سمجھا دیجیے۔ عماد عماید شعرائے قدیم میں سے ہے۔ اس کی پانچ سات بیت کی ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے:-

پائے سر تا نشود در رہِ تو رفتن نتواں
جز بہ جاروبِ مژہ کوئے تو رُفتن نتواں

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافیے میں۔ اُستاد دو مصرعوں میں حرکتِ ماقبل روی مختلف لایا۔ اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا۔ آیا حضرت صاحب استناد بہ مثل و نظیر کو نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے۔ یہ دستور یہ انداز نیا نہیں قدیم سے ہے۔

بندہ نواز میں نے لکھا کہ "موید برہان" میرے پاس آ گئی ہے اور میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ و سطر ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمھارے پاس اس مراد سے بھیجوں گا کہ تم از راہ عنایت "موید" کا جواب لکھو۔

میری نگارش جو پسند آئے اس کو بھی جا بجا درج کر دو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں نا کچھ نہ لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھیے اور ضرور لکھیے۔ میاں محمد میراں کو دعا۔

۱۸ مارچ ۱۸۶۷ء

(۱۵)

منشی صاحب، الطاف نشان، سعادت و اقبال توامان منشی حبیب اللہ خاں کو غالب سوختہ اختر کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط پہنچا، پڑھ کر دل خوش ہوا تم میری بات پوچھتے ہو مگر میں کیا لکھوں؟ ہاتھ میں رعشہ، انگلیاں کہنے میں نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زایل۔ جب کوئی دوست آ جاتا ہے تو اس سے خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی کسی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے موتے کی روح کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ ایسے ہی میں سونگھ لیتا ہوں غذا کو، پہلے مقدار غذا کی تولوں پر منحصر تھی اب ماشوں پر ہے۔ زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے۔ بھائی اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ بالکل میرا یہی حال ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

دوم شوال ۱۲۸۴ھ		اپنی مرگ کا طالب غالب

۲۷ جنوری ۱۸۶۸ء

(۱۶)

بندہ پرور!

کل آپ کا لفافہ نامہ پہنچا، آج میں پانچ طراز ہوا جس کاغذ پر میں یہ نقوش کھینچ رہا ہوں آپ کے خط کا دوسرا ورق ہے۔ پہچان لیجے اور معلوم کیجے کہ آپ کا

مجموعۂ کلام معجز نظام اور اس کے بعد پیہم دو خط پہنچے۔ میں صحیفۂ شریفۃ الّی کی رسید لکھ چکا ہوں' بلکہ اسی خط میں محمد نجیب خاں کو سلام اور ارمغاں کا شکر اور اوراقِ اشعارِ اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے۔ پارسل کے سرنامے سے میرا نام مٹا نہیں' پارسل تلف ہوا نہیں۔ آٹھ دس روز ہوئے ہوں گے کہ وہ مجلد اُسی پارسل میں کہ اُس کو روگرداں کرلیا ہے' بعد ادائے محصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ پاس پہنچ گیا ہوگا۔

ہاں صاحب' خط ویروزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام کا مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب پاس پہنچاؤں' میں نے پایا۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں۔ صرف اتحادِ معنوی کے اقتضا سے انھوں نے "دافعِ ہذیان" لکھ کر فنِ سخن میں مجھ کو مدد دی ہے۔ منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک اُن کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں۔ اُن کو وہ خط بجنسہٖ بھیج دیا۔ یقین ہے کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھجوا دیں گے۔ انھی کے اظہار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالے میں ہیں۔ نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے بہ قدرِ حال ایک ایک قدر داں پایا۔ غالبِ سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ ملی:

کسم بہ تو دنہ پذیرفت و دہر بازم بُرد
چو نامہ کہ بود نانوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے۔ ولی عہد خسرو دہلی مرزا فتح الملک بہادر مغفور کے قصیدے کا اور دیکھو ایک رباعی میری:۔

دستم بہ کلیدِ مخزنے مے بایست
ور بود تہی بہ دامنے مے بایست
یا ہیچکم بہ کس نیفتادے کار
یا خود بہ زمانہ چوں منے مے بایست

انا للہ وانا الیہ راجعون

منشی سیل چند

(۱)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند صاحب میر منشی سلّمہ اللہ تعالیٰ۔
بعد دعاے دوامِ حیات و ترقیِ درجات معلوم فرمائیں۔ اگرچہ از روے خطوطِ حضور صحت و عافیتِ حضور معلوم ہوئی ہے لیکن یہ کہیں سے نہیں سنا کہ غسلِ صحت کیا، یا کس دن کریں گے۔ آپ سے یہ فقیر کا سوال ہے کہ مجھ کو لکھیے کہ حضرت غسل کس دن فرمائیں گے اور اگر موافق میری آرزو کے نہا چکے ہوں تو غسل کی تاریخ سے اطلاع دیجیے۔

۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء — خیر و عافیت کا طالب غالب

(۲)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند صاحب میر منشی کو خدا سلامت رکھے۔
مادّۂ تاریخِ غسلِ صحت کو تم نے غور نہیں کیا۔ ۱۸۶۶ عدد ہوتے ہیں۔ پھر کیا حضور

سالِ آئندہ غسلِ صحت فرمائیں گے، یہ تو جنوری سال ۱۸۶۵ء ہے۔ اس تاریخ کا قطعہ کیوں کر لکھوں[1]۔

یہ جو میں نے قصیدۂ تہنیت لکھ کر بھیجا ہے منشا اس کا یہ ہے کہ شاہ کبیرالدین[2] صاحب رام پور سے آئے اور انھوں نے کہا کہ نواب صاحب جمعے کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو نہائیں گے۔ اب تمھاری تحریر سے معلوم ہوا کہ ماہ آئندہ یعنی رمضان[3] میں نہائیں گے تب وہ کاغذ تو حضور کی نظر سے گزرے گا۔ اگر موقع پاؤ تو حضور میں یہ ماجرا عرض کر دینا کہ میں نے بموجب روایت شاہ کبیرالدین کے اس کے ارسال میں جلدی کی ہے۔

۱۹ جنوری ۱۸۶۵ء — غالب

(۳)

منشی صاحب!

عجیب اتفاق ہے کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاج مبارک کا حال کچھ نہیں لکھتے اور میرا دھیان لگا ہوا ہے۔ خدا کے واسطے تم مفصل حال لکھو کہ کیا عارضہ باقی ہے اور صورت کیا ہے۔ دربار بہ دستور ہوتا ہے یا نہیں۔ سوار ہوتے ہیں یا نہیں؟

زین العابدین خاں نے جے پور سے اپنے اشعار اصلاح کے واسطے میرے پاس بھیجے۔ میں نے اصلاح دینے سے انکار کیا اور اشعار مسترد کر دیے۔ ان کا خط اور اس کی پشت پر اس کے جواب کا مسودہ اس خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لو بلکہ اگر موقع اور محل پاؤ تو حضور کو بھی پڑھوا دو۔ والدعا

۱۴ مارچ ۱۸۶۵ء — اسداللہ خاں غالب

(۴)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند صاحب میر منشی کو فقیر غالب کی

دعا پہنچے۔ یہ خط میں نے ایک شبانہ روز کی فکر میں حضور کو لکھا ہے مگر مسودہ جو ہر بار کچھ کا کچھ ہوتا رہا اس سبب سے میرے پاس نہیں رہا اور خدا کی قسم! کہ میں اب بہت ناتواں ہو گیا ہوں۔ یہ خط لیٹے لیٹے صاف کیا ہے اور اس تحریر کو مجموعۂ نثر میں رکھا چاہتا ہوں۔ آپ اس کی نقل کر کے مقرر مجھ کو بھیج دیجیے گا۔ بڑا احسان مجھ پر ہوگا۔

مارچ یا اپریل ۱۸۶۵ء

اسد اللہ

(۵)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند! طال عمرہٗ

تین صاحبوں نے اطراف و جوانب سے تین قصیدے میرے پاس بھیجے ہیں۔ حیران ہوں کہ کیا کروں؟ اگر تینوں میں نہ گزرانوں اور اُن کو لکھوں کہ میں نے گزران دیے تو جھوٹ بولنا ہوتا ہے اور میں جھوٹ سے بیزار ہوں۔ گزرانتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے ادب رخصت نہیں دیتا۔ ناچار وہ تینوں قصیدے تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ یہی اُن صاحبوں کو لکھوں گا کہ میں نے میر منشی کے حوالے کر دیے۔

سید فرزند احمد بلگرامی صفیر تخلص۔ یہ سید نور الحسن خاں بلگرامی کا پوتا اور صاحب عالم پیرزادۂ مارہرہ کا نواسا ہے۔

حالی تخلص مولوی الطاف حسین پانی پت کے رئیس۔ عام شاعر نواب مصطفےٰ خاں کے رفیق۔ قصیدہ عربی۔

تیسرے قصیدے کے خاتمے پر شاعر کا نام و نشان مرقوم۔

۱۵ یا ۱۶ دسمبر ۱۸۶۵ء

(۶)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشاں عزیز تر از جان منشی سیل چند کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ کیوں صاحب؟ ہم تو تم کو اپنا فرزند سمجھیں اور تمھارا یہ حال کہ مراسم فرزندی

بجا نہیں لاتے۔ خط لکھنا تم نے یک قلم موقوف کر دیا اور بھائی بے تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں ہے نہ طاقت باقی ہے، نہ حواس درست ہیں۔ آج کے نواب صاحب کے خط میں دو جگہ غلطیاں ہوئیں مجھ سے۔ لکھا کچھ چاہتا ہوں، لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ آج بچا کل مرا۔ کل بچا پرسوں مرا۔ اس خط کا جواب مجھ کو جلد لکھو اور اس میں یہ لکھو کہ احسان حسین خاں اور ان کے بھائی مظفر حسین خاں جو لکھنؤ سے آئے ہیں۔ نواب صاحب کی سرکار سے ان کا کیا درماہا مقرر ہوا ہے اور تعظیم و توقیر کا کیا رنگ ہے؟ دربار میں جو آتے ہیں تو بیٹھتے کہاں ہیں؟

۱۱ جون ۱۸۶۶ء

اس خط کے جواب کا طالب غالب

(۷)

برخوردار نور چشم منشی سیل چند میر منشی کو بعد دعا کے یہ معلوم ہو کہ اگلے مہینے یعنی اگست ۱۸۶۶ء کی تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی اس کا روپیہ اب تک نہیں ملا ہے۔ تو جس دن ہنڈوی آتی ہے، اسی دن یا دوسرے دن اپنے مختار کار کے ہاتھ کہ وہ بھی یہاں نہیں ہے، بھیج دیتا ہوں۔ مگر اس مختار کار کو جس کے ہاں ہنڈوی آئی ہے، روپیہ اس نے اب تک نہیں دیا۔ ۸ ستمبر کو وہ ہنڈوی بیچ کر روپیہ میں نے لیا تھا اور آج اٹھارہ ہے۔ مختار کار کو روپیہ اس نے اب تک نہیں دیا۔ جس سے تم نے ہنڈوی لکھوائی ہے اس کو تم تاکید کرو کہ یہاں کے مہاجن کو روپیہ دینے کی تاکید لکھے تاکہ مختار کار کا روپیہ پٹ جاوے۔

۱۸ ستمبر ۱۸۶۶ء

مہر غالب

۸ ۔ ۱۲ھ

خلیفہ احمد علی احمدؔ رام پوری

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی احمد علی صاحب کی خدمت میں بعد سلام مسنون الاسلام عرض یہ ہے کہ فقیر شب کو آپ کا منتظر رہا، آپ تشریف نہ لائے۔ ناچار تقریر کو تحریر کا پیرایہ دے کر آپ کی جناب میں بھیجتا ہوں۔ سنینِ فارسیہ کا حال بہ سبیلِ اجمال ایک دو ورقے پر مندرج ہے۔ بہ نظرِ اصلاح مشاہدہ ہو۔

بعد اُس کے میری یہ عرض ہے کہ ہر چند "سحر" اور "صبح" مرادف بالمعنی ہیں اور وہ انجامِ لیل اور آغازِ نہار ہے مگر بہ خلافِ صبح "سحر" بہ طریقِ مجاز بعد نصفِ شب سے صبح تک مستعمل ہے۔ طعامِ آخرِ شب کو "سحری" اور "سحر گہی" کہتے ہیں اور مرغانِ خوش آواز کہ بلبل بھی اُن میں ہے، اکثر پہر سوا پہر رات سے بولتے ہیں۔ نصف شب کو مرغِ سحر خواں کا ہم آواز ہونا محلِ اعتراض نہیں ہے۔

"گوش" کا استعمال "انداختن" کے ساتھ اگر شعرائے ہند کے کلام میں آیا ہوتا تو ہم اُس کی سند اہلِ زبان کے کلام سے ڈھونڈتے۔ جب وہ خود عرفی نے لکھا ہے تو ہم سند اور کہاں سے لائیں؟ قواعدِ زبانِ فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہے۔ جب ہم انھیں کے قول پر اعتراض کریں گے، تو اُس اعتراض کے واسطے قاعدہ کہاں سے لائیں گے؟

ن سب باتوں کو جانے دیجیے، اس کو ملاحظہ کیجیے کہ عرفی اکبر شاہ کے عہد میں تھا اور
س عہد میں قطع نظر اور اہل کمال سے ابوالفضل اور فیضی یہ دونوں شخص کیسے فاضل تھے اور یہ
فی کا ممدوح حکیم ابوالفتح اس کا وہ پایہ علم میں تھا کہ فیضی اور ابوالفضل کو بھی خیال میں نہ لاتا
تھا۔ اگر یہ دونوں شعر عرفی کے غلط ہوتے تو یہ تینوں آدمی اس کی دھجیاں اڑا ڈالتے۔
حال آنکہ فیضی و ابوالفضل اس کے دشمن تھے۔ پس جب ان دونوں سے باوجود عداوت اعتراض نہ
کیا تو اب عرفی پر کون اعتراض کر سکتا ہے۔ عرفی کی زبان سے جو نکل جائے وہ سند ہے۔ بلکہ
واسطے وہ ایک قاعدہ محکم ہے۔ وہ ثابت اور ہم اس کے مقلد اور تابع ہیں۔

غالب

۱۵۴۴

سید محمد عبّاس علی خاں بیتابؔ

(۱)

قبلہ!

جس شعر پر صاد ہے، وہ بہت خوب ہے۔ اور جس کو کاٹ دیا، وہ معیوب ہے اور جس پر صاد نہیں، وہ بے عیب اور مہمل ہے؛ اور جس کے معنی میں مجھے تامّل ہے، اُس پر نقطۂ علامت اُس کی نقط... باقی جا بجا نشانِ اصلاح، درحقیقت الفاظ لکھ دی ہے۔ تین جزو جس میں سات ورق سادے ہیں، پہنچتے ہیں اور اجزا بھیج دیجیے۔

مرے دل کی ذرا سی پھانس ــــــ ...ں کے   اُکھاڑا ایک ہی حملے میں ہو در جس نے خیبر کا
تھا

ہوا دینِ نبی اصحابِ رسول اللہ سے شائع   کہ نکلے چوک میں سے جس طرح سے بازار چوسر کا
ہوا دینِ نبی اصحاب سے دنیا میں یوں شائع

میں تو اس کے بیہودہ بکنے پہ سر دھنتا رہا   ناصحِ ناداں یہ سمجھے کچھ پشیماں ہو گیا
اُف رے گرمیِ تپِ عشق کہ جل کر نکلا   ...گ سے جب سوختہ جاں کے ترے خنجر نکلا
دل

ہوئی ہے جو خلق پریں اب نہیں ہو جائے گی
فتنۂ محشر ہوا قربان تری رفتار پر صدقے

دشمنوں کا اور فلک کا بھی میں اب مشکور ہوں ممنون
خوش گر ہوتا ہے وہ ظالم مرے آزار پر

آتشِ فرقت سے اک شعلہ ہے وہ دل ہی نہیں کا
ہاتھ رکھنا اب مرے سینے پہ دلبر دیکھ کر

لکھ دیا لکھنے کو لیکن پھر جو کچھ رحم آگیا
رو دیا اللہ نے میرا مقدر دیکھ کر

آپ سے پہلے میری سرنوشت پر بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ غالب

طبع رسا نے اپنی دو بالا کیا اسے میری
پہنچا تھا مرتبے کو نہ اپنے سخن ہنوز

بیتاب کو کسی نے جو پوچھا تو بولے وہ پوچھا
ہاں خاک پر پڑا تو ہے اک خستہ تن ہنوز

سخت جانی، تجھے اللہ کی مار! و ظالم
پھر گیا، زندہ مجھے دیکھ کے دلبر مایوس چھوڑ

خدا کرے ! ترے پیکان تیر کو صنم ظالم
پسند آئے دلِ بیقرار کی آغوش

ہے مرے دوست کا بھی دشمن جاں وہ ظالم
میں نے اس واسطے دشمن سے نکالا اخلاص

دوست یعنی معشوق، دشمن یعنی رقیب۔ رقیب معشوق کا عاشق ہوتا ہے۔ دشمن جاں نہیں ہوتا۔ مانا کہ وہ رقیب معشوق کا درپردہ دشمن ہے پھر اس عاشق نے اپنے معشوق کے عدو سے اخلاص کیوں نکالا؟ خدا جانے اس شعر کی فکر کے وقت حضرت کا خیال کدھر تھا۔ غالب

دوستی اپنی خدا کے لیے کہہ کر رکھیے | نہیں بھاتا ہے مجھے ناصحو! اتنا اخلاص

~~قاصد کی تاب کیا ہے، کبوتر کی کیا مجال~~ | ~~پہنچا دے یار تک تو ہی پروردگار خط~~

یہ گستاخی بے مزہ ہے

دے دادِ دل وگرنہ یہ دونوں ہیں بد بلا | کرتے ہیں آہ و نالہ ترا اے خدا الحافظ

ہاں اس میں نمک ہے

دیوانہ ہے وہ کون، جو دن کو جلائے شمع | خورشید رو کے سامنے کیا کوئی لائے شمع

اُس مہروش

~~پروانہ ساں نہ کہیے مجھے شرم آتی ہے~~ | میں مبتلا ہوں آپ کا، وہ مبتلائے شمع

پروانہ مجھ کو کہتے ہو تم کو حیا نہیں

دیکھو یہ چھیڑ، ہم سے وہ غیروں کے سامنے | انجان بن کے پوچھتے ہیں ماجرائے داغ

کہ

درماں کرے گا دیکھ تو کس کس کا چارہ گر | ~~ہیں زخم آبلے بھی~~ تو دل پر سوائے داغ

ہے زخم اور آبلہ

وہ بھی تو بھاگ نکلے، یقیں ہے مجھے اگر | دوڑے مرا گلا تری شمشیر کی طرف

اُٹھی وہ

اب پوچھتے ہیں آپ کہ ہے ~~تجھے~~ یہ کیا قلق؟ | جب قابلِ بیان نہ اپنا رہا قلق

تجھ کو

اتنا کسی سے وصل میں ہوگا نہ عیش بھی | جتنا کہ تیرے ہجر میں ہم نے سہا قلق

کو

دل کو، جگر کو پھونکے ہی دیتا ہے ہائے عشق! | اک آگ کاش سینے میں جلتی بجائے عشق

ہوتی

کیا قبول سے جان دی بیتاب نے مگر
دی جان کس عذاب سے بیتاب نے مگر
نکلا نہ شکوہ منہ سے کبھی جز ثنائے عشق

ناچیز اس کو جان کے یہ نالۂ سحر
اُٹھا پھر اکے جا کے آسماں تلک
ادھر نہ گیا

چھوڑا ہوا جو بچتے تو وہ بس کے کہتے ہیں
پک گے
ہاں اب ذرا ستانے کے قابل ہوا ہے دل

کیا ہے کہ تو ہی بتا دے محتسب
ہے کدھر
ڈھونڈتے پھرتے ہیں میخانے کو ہم

قیس و فرہاد کا گو عشق میں کچھ نام ہوا
ییک بیتاب کی مانند تو مشہور نہیں
وہ

جھنجلا کے بولے جان بھی نہیں اب تمھیں عزیز
جان نہیں کیا
کہ بیٹھے ان کو جان جو اک روز پیار میں

بیتاب کا بھی رندو معلوم ہے پتا کچھ؟
اس کو بھی دیکھتے تھے اکثر اس انجمن میں
ہم اس کو

شکوہ ہے کیا قبول گر اپنی دعا نہیں
اس درد کی خدا کے یہاں بھی دوا نہیں
بھی گھر میں

کیا بزم رفتگاں میں خموشی کا رسم ہے
کی
ہیں جمع کس قدر پہ کسی کی صدا نہیں

پھر بیٹھے بیٹھے چھیڑ نکالی خدا سے ڈر
نکالی
ظالم ابھی تو آنکھ کا آنسو تھما نہیں

لکھے نامے میں اب نہیں یہ شوق حسرت وصل
کیوں شوق سجدہ در دوست
ہم اپنے سر کو تو ہر دم قلم سمجھتے ہیں

انھیں تو وصل کا ~~اک دم ہے ہزار برس~~
ہے ایک دم ہزار برس
ہزار سال کو ہم ایک دم سمجھتے ہیں

ملا اس تک نہیں تیرے مرہم میں چارہ گر
ہرگز نمک
پھر کیوں میں زخم دل کو عبث بے مزہ کروں

ہوا شق جلوۂ جاناں سے ~~وہ بھی~~
وہ بھی انگشت نبی سے
کیا گر ماہ نے ٹکڑے کتاں کو

مسیحائی نہ دیکھی ہو تو ~~میرے~~
گر اس کی
~~جنازے پر لے~~ آؤ دل ربا کو
مری تربت پہ لاؤ

بھاگیا اپنے زبس قتل کا ایما ہم کو
بعد مُردن بھی تھی مرنے کی تمنا ہم کو
ہے

عشق نے دم ہی پہ بیتاب بنا دی آخر
کسی صورت سے بھی کافر نے نہ چھوڑا دم کو
ستم گر

تنگ غربت ہو کیوں آج نظر سوجھے سے
وحشت
جبکہ اللہ نے پیدا کیا عریاں مجھ کو

~~مقتضائے بشری جب بھی تھا اسے اللہ~~
مقتضیات بشر میں سے نہ تھا صبر مگر
یہ بھی دینا تھی بنایا تھا جو انساں مجھ کو

دیکھا جس بت کو لگے پڑھنے اسی کا کلمہ
~~واہ اللہ دیا خوب ہی~~ ایماں مجھ کو
میرے خالق نے دیا ہے عجب

ہزار صبر کرو لاکھ بے قرار نہ ہو
مگر وہ جذبۂ الفت کہ آشکار نہ ہو
نہیں محبت

بڑے ادب سے جنون قیس نے کیا سجدہ
~~کسی سے اپنی پھیلا~~ بنا تھی وہ مزار نہ ہو
کہیں یہ تربت بیتاب کا

بہتے ہیں تو دو دریا بہائیں چشمِ تر دو نو
فغاں و نالہ ہیں تو ہوں مگر ہیں بے اثر دو نو

دونوں میں نون ضرور ہونا چاہیے۔ اس غزل کو نون کی ردیف میں لکھ دو۔

کیوں کر منہ رکھے وہ میرے سینۂ پُر داغ پر
بوئے گل سے خاطرِ نازک پہ جس کی بار ہو
بھی

حق تو یہ ہے خوب ہی دی غیر کو رونق، مگر
باوفا کیونکر بنائے اُس کو تم لاچار ہو

ناچار غلط محض ہے۔ ناچار بہ نون صحیح ہے۔

نکلی دل و جگر کو مگر آہ توڑ کے
سینے سے شب جُدا جو ہوا خوں میں بھر کے ہاتھ
سینے

آواز اس کا سُن کے شبِ وصل مر گئے
گویا ہماری موت تھی مرغِ سحر کے ساتھ
کی

خانۂ آئینہ میں ہوتی ہے کیسی چاندنی
دیکھ رکھ دیتا ہے جب وہ مہ شمائل آئینہ
کر رکھتا

بوسہ ملا، تو اب یہ ہوس ہے کہ عمر بھر
یونہیں ملائے رکھیے دہن کو دہن کے ساتھ
یونہی

مجموعے کا ساعطر ہے اُس کا شبینہ ہار
بوئے بدن ملی ہے جو بوئے بدن کے ساتھ
کے گلے کا

جاں کنی ہی میں سے ابتک آس ٹوٹی نہیں
حشر میں ہووے گی اُس سے اک محبت اور بھی
پر

گریہ وزاری کو جو روکا، تو سودا ہو گیا
ہو گئے ہم ضبط کرنے سے فضیحت اور بھی

میں نے اس شعر کو، حق کا "نا" "جو روکا" یہ لفظ مکروہ تھا "جو" کی جگہ "جب" کر دیجیے۔ شعر صاف اور بے عیب ہو جائے گا۔ غالب

گریہ و زاری کو جب روکا تو سودا ہو گیا — ہو گئے ہم ضبط کرنے سے فضیحت اور بھی

قتل میں اپنے خدا اب کونسی تاخیر ہے؟ کس لیے — خم یہاں گردن، علم وہاں ہاتھ میں شمشیر ہے

ہے غزلخواں مثل بلبل کہتے ہیں وہ برگ گل — پر ہمارے سامنے تو غنچہ تصویر ہے

باغ میں ہے فصلِ گل زنداں میں ہے یہ کیا گلا — ہے گریباں ہاتھ میں اور پاؤں میں زنجیر ہے

اک ذرا سی اور بھی تاخیر کرنا اے اجل — سنتے ہیں کچھ وہاں اپنے قتل کی تدبیر ہے
ہمارے

قتل کرتے ہیں گماں دل خواہی پہ نہیں — ~~دیکھ~~ تو تقصیر سے پہلے یہاں تعزیر ہے
ہمنشیں

~~گزری اپنی عمر تو کس چین~~ سے شکر خدا — دیکھیے بیتاب اب کیا خوبی تقدیر ہے
گزری اب تک عمر اپنی

(۲)

قبلہ قصائد و غزلیات و رباعیات کو بہ قدر اپنی فہم و فراست کے درست کرکے خدمت میں گزرانتا ہوں چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اکبر آباد نہیں گئے، اس لفافہ کو آپ کے پاس رامپور کے پتے سے بھیجتا ہوں۔ توقع یہ کہ مجھ کو اپنا خادم سمجھیے اور جو خدمت میرے لائق ہو بے تکلف ارشاد کیجیے .... راقم اسد اللہ خاں .... مرقومہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء

فرماتے ہیں باتیں پہ وہ بیمار کی اپنے آکر — کیا درد ہے؟ کیوں کس کا دوا نہیں کرتے

ہمیں کرنا تھا جو وہ کر بیٹھے — اور تم سر اُٹھاؤ گھر بیٹھے

آپ باتیں بنائیں

اپنے ہاتھوں سے کر کے کام تمام — نوحے کرنے کو چارہ گر بیٹھے

نوحہ

حال بیتاب کا نہ پوچھو کچھ — ہم تو اب اُس سے صبر کر بیٹھے

پوچھو — اُس سے

وفادار ناصح مبارک ہوں تم کو — ہمیں تو وہی بے وفا چاہیے

تمہیں

مقابل میں تیرے تو اے پند فرما — تجھی سا کوئی بے وفا چاہیے

گو

خدا نے دیا ہے عجب دل یہ ہم کو — اب ایسا ہی اک دل رُبا چاہیے

ہمیں

تصور تری زلف کا کیوں نہ ہو ہے — شبِ غم نزولِ بلا چاہیے

بجا ہیں تمہارے سب ارشاد لیکن — ذرا اور کی بھی سنا چاہیے

پر

زباں پہ نام اُس کا دمبدم ناصح لو آتا ہے — خدا کے واسطے چپ رہ کلیجہ منہ کو آتا ہے

ہے

نیاز و ناز میں ہے ربط گر ضد ہے تو ظاہر میں — میں پڑھتا ہوں درود اُس پر وہ صلوتیں سناتا ہے

درود اُس پر پڑھوں میں اور

خوشی سے ہو مسرور ہے دل میں — کہے جا ناصح ناداں مجھے یہ ذکر بھاتا ہے

مشفق

(مطلع) غنیمت ہے کہ نام اُس کا زباں پر تیری آتا ہے
کہے جا ناصح مشفق مجھے یہ ذکر بھاتا ہے

کھنچا وہ زلف کا دستِ عدو سے دم اُلفت سے — غش آیا جب ہوا سے نکہتِ مُشکِ تتار آئی
بکھرنا

تسلی بخش ہوگی سادگی حوروں کی اے ناظم — ہمیں جب یاد یہ آرائشِ روئے نگار آئی
کیا ہو

مل گئے خاک میں، لڑتے ہی ترے — بن گئی جی پہ، بگڑتے ہی ترے
ہم ملے

خدا کو تو پاتے ہیں عشقِ بتاں سے — یہیں وصلِ صنم مانگتا ہوں خدا سے
یہ میں ہوں کہ بت

اگر چشمِ بد ہے تو کچھ زلف کم ہے — یہ سچ ہے، بچائے خدا ہر بلا سے
کیا

پاس رکھنے کا، ہو، بیتاب ~~وہ وعدہ کرلے~~ — صحبتِ غیر بھی ~~دشمن~~ گوارا ہو جائے
کریں وہ وعدہ — ناچار

کیا کہے جاتے ہو کچھ وصل کی تدبیر بتاؤ — کچھ تم عقبیٰ میں تو ناصح، رہے کام آنے سے
آپ

~~کروں کیا جان سے تنگ~~ آکر دعا کی — مجھے منت ہی کروائی خدا کی
کریں مرگ کی آخر

ڈرا اتنا تھا کہ اُس کا دل دُکھانا! — خدنگِ آہ نے، ہے ہے! خطا کی

گئے وہ تو ہوا ہم کو بتا کے — خوشامد ہے یہاں کیا کیا صبا کی
کر

عیادت سے ~~بڑھی خواہش مرض کی~~ — ہمارے درد کی اچھی ... کی
مرض کا ہوگا شوق

~~نہ ہنسیے قیس کی دیوانگی پر ــــــ خبر تو لیجیے اپنے محبِ مبتلا کی .~~

نہ رو لیلےٰ کو تم مجنوں کا طعنہ ــــ جو دیکھو صورت اپنے مبتلا کی

~~زلف بکھری جو بُتِ بد پہ یہاں دل بکھرا ــــ خود پریشاں ہوئے ہم اس کو پریشاں کر کے~~

زلف خود بخود بکھری ہے۔ ہم نے کب پریشاں کی۔ جواب کہیں

اضطرارِ دل بیتاب بُرا ہو تیرا ــــ بد دماغ اُس کو کیا نالہ و افغاں کر کے

آہ جس طرح ہوئے سب عاشق ــــ وہی اپنی بھی حقیقت ہو گی

جس طرح آہ۔ طرح اور ہے اور طرح اور ہے قافیہ طرح بہ حرکت کے معنی میں بہ سکون نہیں لکھتا۔

دیکھ ایماں سے کہہ دے واعظ ــــ ایسی ہی حوروں کی صورت ہو گی

(اس غزل میں مقطع سے پہلے یہ شعر اضافہ کیا ہے)

بوسہ لیتے ہی کچھ آ جائے گی ــــ جان کیا بوسے کی قیمت ہو گی

بیقراری سے ہوا ہے کوئی اللہ سے ــــ مانگ لائے ایک ذرا سا صبر اپنے نام سے

حضرت ایوب گر جیتے ہوں تو لے جاؤ تو ــــ میرے

حشر میں اللہ کے آگے یونہی لے جاؤں گا ــــ کام لینا ہے مجھے اپنے دلِ ناکام سے

مجھ سے یہ مصرع پڑھا نہیں گیا۔

تو نیند جاگا گالیاں دیں گے تم بھی کچھ جواب ــــ ہوش میں آ جائیں گے جب گر لذتِ دشنام سے

تھا لبِ شوقِ طپیدن پر ادب مانع بہت ــــ بچ گئے ہم ذبح کے بھی وقت اس الزام سے

دیر دیکھا، میکدہ دیکھا، حرم بھی دیکھ لیں ــــ آج آ نکلے ہیں یہاں بھی گردشِ ایام سے ہم

پرواز کی ہے گرچہ ہوس دل میں، مگر ہم
طاقت بھی موجود ہے لیکن
آزردہ نہ خاطر تیری صیاد کریں گے
ہم خاطر

آسانی سے کیوں قتل کیا؟ حشر کو یہ تو
اللہ سے بالیدہ شکوۂ جلاد کریں گے
ہم

اس طرح مریں گے کہ ہو ہر ایک کو عبرت
دکھ سے
معدوم ہم لُغت ہی کی بنیاد کریں گے

ستم کی حشر میں بھی باز پُرس کب ہو گی؟
کسے مجالِ سخن ہے اے خدا ہو گی؟
اُس سے

خدا کے آگے ہمیں پوچھے جائیں گے پہلے
میری وفورِ ضلالت ہی مہتدا ہو گی

"پوچھنا" اردو ہے۔ پُرسیدن کا ترجمہ پوچھنا بے وزن ہے۔ یہ آگہی کے واسطے لکھا ہے۔ شعر نظمی اصلاح کے واسطے نہیں کہتا۔ بلکہ نقص تھا

فلک بھلائے گا آنکھوں کی ساوا اُس کو بھی
جو خونِ دل ترے غم میں مری غذا ہو گی

خون مذکر۔ غذا البتہ مونث ہے۔ مگر ذرا غور کیجے خون غذا ہو گا یا خون غذا ہو گی۔

نہیں ٹھہرا ہے اب تک عرشِ اعظم
دعا کی تھی یہ کس نے بلبلا کے
ہے

بس اُس کے خونِ جگر ہم پئیں یہ مے ساقی
خدا کرے ترے ساغر میں بھی لہو ہو جائے
کہ جام

اس شعر پر صاد بنا کے حاشیے پر لکھا ہے) شعر اچھا مگر بھی کا لفظ بے موقع اور بے محل ہے۔

ہوئے ہیں گرچہ تائب پر ہوا و ابرو باراں میں
ی
ہے مے ساقیا میخانے میں تیار تھوڑی سی

بہ سب سمجھے ہوئے ہوں بات کا جو ڈھب تمہارا ہے   نہ چاہوں ناصحا میں اس کو یہ مطلب تمہارا ہے

ناصحو

کہاں ہیں قیس اور فرہاد اب یہ عہد ہے اپنا   کہاں ہیں لیلیٰ و شیریں زمانہ اب تمہارا ہے

دور

مژگاں کا تیری صید نہ کس طرح سے ہو دل   اس تیر کے لیے یہی نخچیر چاہیے

ہو کس طرح سے

نیکوں کے بھی جھکے رہیں سر کچھ تو دیر کی   مسجد کی چوب و خشت سے تعمیر چاہیے

یہ مصرع مجھ سے پڑھا نہیں گیا (عرشی)

بلائیں آپ پڑتا ہے تو ناصح   ترے اوپر تو کچھ آفت نہیں ہے

تو

خدا کیوں کر ملائے دلربا سے   ~~نہ کہے وو کہ یہ~~ قدرت نہیں ہے

معاذ اللہ مگر

یہی کہہ کہ کے ~~تا دوستی سناسوا~~   کرے جو چاہے یہ عادت نہیں ہے

بہلاتا ہوں دل کو

ذرا بیتاب کو باہر تو دیکھو   تمہارے آگے گو ~~غیرت~~ نہیں ہے

عزت

آج پیغامبر نہ کچھ کہنا   ہیں بہت ہم پہ وہ خفا بیٹھے

"وہ ہم پہ بہت" جہاں پورا لفظ آ سکے ایسی بہ وہاں دستور الفظ کیوں لکھیے البتہ جہاں گنجایش نہ ہو وہاں قاعدے کے موافق جائز ہے، ورنہ اس قاعدے کا نام تخفیف ہے۔

یہ بھی قدرت خدا کی اے بیتاب   تم بھی اب بن کے پارسا بیٹھے

تیغ کھینچے ہوئے جس وقت وہ قاتل آئے   کوئی ہے میرے سوا جو کہ مقابل آئے

کون

کیوں یک بیک زمانے کا نقشہ بدل گیا   یہ رنگ تو ہوا تھا نہ دنیا میں آشکار

ناگاہ کیوں

تر میں کچھ آج کل ہے وہ اس خاکدان کی   خلدِ بریں بھی روبرو ہے جس کے شرمسار

یہ مصرع مجھ سے پڑھا نہیں گیا (عرشی)   ہو

گل نے کیا ہے شاخ کے ہر جزو سے سر ابھار   اب کون سی جگہ ہے کہ نکلے جہاں سے خار

جزو ظہور

بیٹھے ہیں مطمئن سبھی بزمِ نشاط میں   ہاں اک صبا تو پھرتی ہے گلشن میں بے قرار

نسیم

کثرت سے بسکہ جمع ہوئے شاہدانِ گل   کس کس مزے سے ہوتے ہیں آپس میں ہمکنار

ہوتے ہیں

دن عید ہے زمانے میں اور رات شبِ برات   ہر سمت راگ و رنگ ہے قانون اور ستار

شب

وہ دن ہے آج جس پہ کروں جان تک نثار   ہے جشنِ غسلِ صحتِ نوابِ نامدار

فدا۔ اگر یہ مطلع ہے تو چاہیے اس سے پہلے ایک شعر میں اطلاع دی جائے

بے شک طمانچہ ملک الموت گرز ہے   ہے تیغ اس کی قہرِ خدا وقتِ کارزار

تپانچہ

ممکن نہیں جو کر سکے ممدوح کی صفت   بیتاب اب دعا ہی یہ بہتر ہے اختصار

ثنا

عالم کے حق میں آیۂ رحمت بنا دیا   رکھے سلامت اس کو زمانے میں کردگار

آیہ

بات یہ ہے وقت پر خوب سجا ہی مجھے — فکرِ رسا کا بڑا مجھ پہ احسان ہوا

سجھائی — نطق

دھوم ہے سرکار میں جشن کا سامان ہوا — عرش سے لے فرش تک عیش کا طغیان ہوا

ہے — ہے آج

رنگِ محل کا سماں ہو نہیں سکتا بیاں — جس کی نظر پڑ گئی ششدر و حیران ہوا

دار

کثرتِ نقش سے مثلِ جبینِ عروس — روے زمیں پر عجب طرح کا افشان ہوا

طرزہ

بزم منور ہوئی مقدمِ نواب سے — جب کہ وہ رونق فزا جوں مہِ کنعان ہوا

جب سے کہ — وہ

چوں بہ معنی مثل و مانند اب متروک ہے۔ ورچوں لفظ فارسی الاصل تو آگے بھی متروک رہا ہے۔

دور میں اس کے بہ جز ابر نہ رویا کوئی — اور بجز اس کے ہوا کوئی نہ نالاں ہوا

بہ جز رعد کے

مسندِ اقبال پر یوں وہ نمایاں ہوا — صفحۂ گردوں پہ جوں مہرِ درخشاں ہوا

(میرزا صاحب نے اسے قلم زد کر کے یہ مطلع لکھا تھا۔ عرشی)

دودۂ چنگیز میں جیسا کہ تقی آل ہوا — ویسا ہی اس قوم میں کلب علی خاں ہوا

(اس پر جناب نے لکھ دیا ہے قصیدۂ ہذا در شانِ یوسف علی خان بہادر مرحوم بود ازیں سبب شعر ہذا نوشتنی نیست)

ہو رہی ہے عجب آراستگی ہیہا — سب فرشتے اسی خدمت پہ گئے ہیں مامور

دنیا کی

نہ کھڑے کرتے ہیں سجدۂ طاعت جبریل
اک طرف ہاتھ میں رکھتے ہیں سرافیل بھی صور

قبضِ ارواح سے معذور ہوئے عزرائیل
موت کا غم ہی کسی کو نہیں سب ہیں مسرور
تھے / کی فکر

زیب و زینت کا اب اس دہر میں کیا کہنا ہے
کی
صانعِ کل کی جو تعلیم، ملائک کا شعور
تو

چاندنی رات کا ~~تو ذکر ہی کیا صلِ علی~~
کیا ذکر ہے! اللہ، اللہ!
لیلۃ القدر پہ فائق ہے شبِ تار کا نور

کو بہ کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں نہ دیں کس کو زکات
تھے جو محتاجِ جہاں سب وہ ہی ہیں ذی مقدور
وہ ایسے ہوئے

کوئی دعوت سے مسافر بھی نہ محروم رہا
بادشاہوں کے یہاں بھی تو نہ تھا یہ دستور
اہلِ جہاں کا بھی

اس قدر کھانے کی افراط ہے اور پانی کا قحط
دیکھو جس چاہ کو، شربت سے ہے منہ تک معمور
ہے قند سے

کس سلیقے سے ہے آراستگی ہر ہر شے کی
مہتمم بزم کے آج اپنا دکھاتے ہیں شعور

تھاپ طبلوں کی جو بجتی ہے فلک پر پیہم
ہر سارنگیوں کے سُن کے ملک ہیں مسرور
سے

حشر تک کان سے نکلے گی نہ نغمے کی صدا
یہ خیال آتے گا اک تان ہے شورِ نشور
بس / ہے

تھاپ طبلوں پہ پڑی، ~~تے ... کے جھمگٹ~~
پریوں کے آئے جھمگٹ
شادیانے کی صدا پہنچی فلک سے بھی دور

گھونگرو تک وہ جھنکار، وہ صدا نغمے کی
گھونگروں
اہلِ محفل کو کیا عشوہ گروں نے مسحور

چل اس طرح سواری کہ نہ دیکھی نہ سنی	رشک کھانے لگے مرقد میں امیر طیمور

یہ لفظ "طوئے" سے نہیں "تے" سے ہے اور پھر تیمور بہ وزن طنبور نہیں، دراصل تمر بہ وزن سہ دُرے۔ لکھتے ہیں تیمور اور پڑھتے ہیں تمر اور تمر ترکی میں لوہے کو کہتے ہیں۔

تیری دفلی دمامے ہیں نفیر و نوبت	دف و نے تاشہ دہل جھانج ترم ہے طنبور
تنگئیں تاش تمامی کی ہیں باندھے سقے	ہیں ہزارے چڑھے اور عطر سے مشکیں معمور
تنگیاں

رد ایں فخر قصائد چو رقم خامۂ من	وجد کردند چہ خاقانی و عرفی در گور

خاتمۂ قصیدۂ ہندی بہ شعر فارسی خصوصاً وقتے کہ لفظ گور قافیہ باشد مناسب نیست۔

للہ الحمد کہ اب چرخ ہوا نیک خصال	ترک اس نے کیے وہ اپنے قدیمی افعال
	اپنے ود

راہ میں ٹھوکریں کھاتے ہیں پڑے لعل و گہر	خذف و سنگ سے بے قدر ہیں دینار و ریال

خذف بمعنی ٹھیکری کے لغت فارسی اور ملا اس کی زسے ہے

ناچ گانے ہی کی حرمت سے اٹی ہے صدا	مصطفیٰ بادی اب بزم ہے گر کیجے خیال
بھر	بھی

ہے کسی جا پہ بھگت رس کہیں سانگ کہیں	کہیں کنجن کہیں کتھک ہیں کہیں ہیں قوال
رہس

کوئی باعث بھی تو ایسا ہی قوی ہے ورنہ	اس کی عادت سے تو یہ بات تھی از بس کہ محال
	البتہ

اپنے اسرار سے واقف ہے تو ہی اے پُر فن	بھید تیرے کوئی پہچانے یہ ہے کس کی مجال
آگاہ	یہ کس کی

بن پڑے صانع قدرت سے کی دو ایک نقشہ
بھی نقشے
کھینچتا اور بھی کچھ سکتیں گر ایسی اشکال
کھینچ

دیکھ کر اس کی عبارت کو تھوڑی ہے دبنگ
بھی
لکھے ایسا نہیں یاقوت رقم خاں کی مجال

اور شجاعت کا یہ عالم ہے کہ زہرہ ہو آب
دیکھ لیں ~~حضرت رستم~~ اگر اس کی تمثال
لے رستم دستاں

ہو یہ حیرت میں یہیں تھا کہ زمیں پر ~~مشتہر~~
کہ میں یہاں یارب
عرش کی سیر کا راکب کو گر آجائے خیال

~~وعدہ کے ساتھ وفا ایک جزو لاینفک ہے~~
~~عہد کا نقض ہوا عہد میں اس کے یہ محال~~
جز لاینفک غلط۔ جزو لاینفک صحیح۔

جو کے پیسوں کے خورو نوش کے کیوں آتے نہ دن
یہ مسلّم ہے کہ بعد رمضاں ہے شوال

از

فلک پہ کوئی اڑ جائے، یہ وہ ہے کہ
پر آخر
نصیبوں میں سوا دو گز زمیں ہے

یہ بیچ تحسین کے قابل ہیں معشوق
مگر عشاق پہ بھی آفریں ہے
کو

جناب غالب دوراں کا بیتاب
خلوص طبع سے اب خوشہ چیں ہے
کلام حضرت غالب دوراں لفظاً نامانوس ہے

ے دل تو اس کو دیکھ کے ایسا پھسل گیا
حیراں ہوں میں کہ پہلو سے کیوں کر نکل گیا
سینے

دل پر بنی ہوئی تھی اجل کے نہ آنے سے
اب جاں پہ آبنی تو ذرا دل سنبھل گیا
تو

کیسا مزا دکھاتے ہیں ہم بھی تو ٹھیر جب
ٹھہر تو
تقریریں کر کے روز یہ ناصح تو بل گیا

پچھاہا ہے وہ تیزاب کا کیوں ہوتے ہو برہم
ہم نے دل پر داغ پہ رکھا ہے جو مرہم
نہیں

وہ بات کرو جسے نہ ہوں نالہ و افغاں
جس سے
بے چین ادھر رہتے ہو تم اور ادھر ہم

کہوں کیا ؟ یوں بتانے کی نہیں ہے
وہ بات ایسی چھپانے
رقیبوں کے سنانے کی نہیں ہے
پہ غیروں

تمہیں سچ بلوانے کی نہیں ہے
نہ کہ مجھ سے کرلے میری بلائیں
پر الفت بھی دکھانے کی نہیں ہے
مری

وہاں رقیبوں سے گرم صحبت، یہاں امید وفا سے وعدہ
ہے ایک طرفہ ہی یہ تماشا، تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش
یہ طرفہ تر

محبت تری اس کی نفرت بڑھی
یہ کیسا پڑا اب دل زار پیچ
لے

مسرور ہوں اغیار، خدا کی قدرت!
ان سے ہو ترا پیار خدا کی قدرت

اور بیٹھے رہیں بزم میں تیری ظالم
چپکے
ہم شکل گنہ گار، خدا کی قدرت
مثل

غافل نہ کر اپنی زندگی کو تو خراب
زندگانی
دنیا کا یہ کارخانہ ہے مثل سراب

یا الٰہی یونہی وہ برسرِ بے داد رہے — مرچکے ہم تو غیروں کی بھی بنیاد رہے
مٹ گئے

ضعف میں رگ تو کہاں، ہاتھ نہیں ہاتھ آیا — کیوں نری فسد سے حیرت میں یہ فساد رہے
فصد — فصاد

اس کے خلوص پہ رحم آئے نہ کیوں کر بیتاب
ٹٹولوں — قتل کے بعد بھی خوش جیسے نہ جلاد رہے
جس سے

نہیں تلوار کے آنے کی بھی اب کچھ حاجت — تیرے ابرو کے اشارہ نے مارا قاتل
سے ہی

دیکھنے کو جو ہم عشاق کی محفل آئے — سب پکار اٹھے کہ وہ مرشد کامل آئے
ہم جو کل دیکھنے "جو ہم عشاق" تقطیع سے گر جاتا ہے۔

ہوں وہ بےکش جو نہیں ہوش ہو اور عزم کروں — مے کدہ لینے کو میرے کئی منزل آئے
کبھی

بدنصیبوں کی ذرا وصل کی خوبی دیکھو — کہ وہ آئے بھی تو اغیار کے شامل آئے
شب

یا علی تیرے سوا کہتے وہ فریاد کرے — جب کہ بیتاب پہ مولا کوئی مشکل آئے
کس سے

نامعلوم

صاحب میں کل تمہارا مسہل سمجھے ہوئے تھا، اس وقت میر غالب علی
سے معلوم ہوا کہ تم مسہل پیے ہوئے بیٹھے ہو، خدا فضل
کرے، بشرط بقائے حیات آخر روز میں بھی آؤنگا۔
فرہنگ جہانگیری مسترد پہنچتی ہے، ہفت پیکر و دشت بہشت
اگر دونوں ہوں تو دونوں معاً اور اگر دونوں نہ ہوں تو
جو ہو وہ نیاز علی حامل رقعہ کو حوالہ کرو۔ غالب

صاحب!

میں کل تمھارا مسہل سمجھے ہوئے تھا، اس وقت میر غالب علی سے معلوم ہوا کہ تم مسہل پیے ہوئے بیٹھے ہو. خدا فضل کرے. بہ شرط بقاے حیات آخر روز میں بھی آؤں گا۔

"فرہنگ جہانگیری" مسترد پہنچتی ہے. "ہفت پیکر" و "دشت بہشت" اگر دونوں ہوں تو دونوں معاً اور اگر دونوں نہ ہوں تو جو ہو وہ نیاز علی حامل رقعہ کو حوالے کرو۔

غالبؔ

مظہر علی اور عبداللہ

اسد اللہ بے گناہ جس کا تخلص غالب اور خود اہلِ ہند کا مغلوب ہے۔ مہتممانِ اخبارِ بلادِ ہند سے عموماً عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر کا استغاثہ ازروے "اکمل الاخبار" اپنے صحائف میں درج فرما کر ممنون فرمائیں :

استغاثۂ غالب :

کئی ہفتے پہلے ایک خط لکھنؤ سے بہ سبیل ڈاک انگریزی بہ صیغۂ بیرنگ میرے نام آیا۔ "رقم عبداللہ رئیس و معافی دار کہاں کا" بہ ہر حال محصول دے کر میں نے خط لیا اور پڑھا تو اس میں لکھا تھا تو نماز کیوں نہیں پڑھا کرتا۔ خبردار! نماز پڑھا کر اور نماز نہ پڑھے گا تو بعد مرنے کے بھوت بن جائے گا۔

کل پنجشنبے کے دن ایک اور خط بیرنگ آیا۔ سرنامے پر یہ عبارت مرقوم :

انشاء اللہ لفافہ ہذا در شہر دہلی رسیدہ بہ ملاحظہ اقدس جنابِ مستطاب نواب اسد اللہ غالب مرسلہ باد۔ مرسلہ مظہر علی از مارہرہ ضلع ایٹہ، بیرنگ۔ تاریخ ۲ رجب ۱۲۸۵ھ روانہ شد۔ مضمون بعینہٖ یہی کہ نماز پڑھا کر ورنہ بعد مرنے کے بھوت ہو جاؤ گے ــــ والسلام علیک۔ نام ندارد۔ فقط مرسلہ مظہر علی از مارہرہ ضلع ایٹہ بہ سرکارِ خود تمام ہوا۔

اب فقیہ مکتوب نگار ایسا کہتا ہے کہ پہلے خط میں، میں نے عبد اللہ کو اسم فرضی سمجھ لیا تھا، مگر اب دوسرے خط میں اس توضیح سے کاتب کا اسم و مقام لکھا ہوا ہے تو کیوں کر شک و شبہ باقی رہے۔ بس اب میں قہر درویش بر جان درویش پر عمل کر کے چپ ہو رہتا ہوں مگر یہ حافظ کا شعر جواب میں لکھتا ہوں:

من اگر نیکم و گر بد تو برو خود را باش
ہر کسے آن درود عاقبت کار کہ کشت

یہ دوسرے شخص صاحب بے نام و مقام ہیں۔ اخبار میں دیکھ کر سمجھ لیں گے، شاید وہ پہلے صاحب بھی کسی اخبار میں مشاہدہ فرمالیں۔

اکتوبر ۱۸۶۸ء ۲

منشی نول کشور

منشی صاحب جمیل المناقب جناب منشی نول کشور صاحب کو دولت و اقبال و جاہ و جلال روز افزوں نصیب ہو۔

چوں کہ احباب کامیابی و شادکامیِ احباب سے شاد ہوتے ہیں، اس واسطے مجھے ان دنوں میں یاوریِ اقبال سے ایک امر خوشی کا پیش آیا ہے تو آپ کی خوشی کے واسطے آپ کو لکھتا ہوں بلکہ نظر بہم دگر کے اتحاد پر تم کو تہنیت دیتا ہوں۔

آپ کو مبارک ہو کہ آخر ماہِ گذشتہ کو جو حضرت فلک رفعت نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب دہلی میں تشریف لائے تو سہ شنبہ کے دن ۳ مارچ ۱۸۶۳ء حال کو اس گمنام گوشہ نشین کو دربار میں بلایا اور از راہِ بندہ پروری کمال عنایت سے خلعت عطا کیا۔

سبحان اللہ! جو لوگ متعلق ہیں لفٹنٹ گورنر پنجاب سے، وہ قسمتوں کے کتنے اچھے ہیں۔ جناب وزیر ہے مجسمۂ اخلاق وہ روح فزا کہ جس سے مردہ زندہ ہو جائے۔ صاحب والا مناقب [illegible] میکلوڈ صاحب بہادر سکرتر کے کلمات شفقت آمیز وہ روح آسا کہ جس کو سن کر بیمار شفا پائے..... میں.. اکرم خوردہ شادمان آیا، بلکہ بوڑھا گیا، جوان آیا۔ سچ ہے:

وزیرے چنیں شہر یارے چناں
جہاں چوں نہ گیرد قرارے چناں

..... (کرم خوردہ) .... لفٹنٹ گورنر بہادر اور صاحب سکرتر بہادر کا کیا کہنا ہے۔ .....
(کرم خوردہ) .... آفتاب و ماہتاب ہیں، مگر پنڈت من پھول سنگھ صاحب میر منشی بھی دیانت و امانت و کار پردازی و مظلوم نوازی میں انتخاب ہیں۔ یہ نہ مبالغہ ہے، نہ خوشامد ہے۔ بیان واقعی ہے۔ شاعرانہ سخن سازی کو میں نے دخل نہیں دیا ہے، وہ لکھا ہے، جو سچ اور واجبی ہے۔

دوام دولت سرکار انگریزی کا طالب

اوائل مارچ ۱۸۶۳ء! رنجور ناتواں اسداللہ خاں غالب

(۲)

جناب صاحب مہتمم اودھ اخبار زاد مجدہم

آپ کے اخبار ۱۷ ستمبر میں کالم ۱۲۶ پر خبر الور میں مندرج ہے کہ مہاراجا الور جنگل سے ایک شیر کوٹھی میں قید کر کر کئی روز گرسنہ رکھ کے جب وہ شور و شر سے باز رہا، پنجرۂ آہنی میں گرفتار کرلائے۔ اے صاحب! مہاراجا صاحب تو والیِ ملک اور صاحبِ اقبال ہیں وہ تو شیروں کو اگر چاہیں تو گوسفند سے گرفتار کرا منگائیں۔ ان کے رعبِ عدل سے تب شیر بکری ایک گھاٹ پانی پییں، پھر ان کو شیر کیا حقیقت ہے۔ میں اس پر ایک ذکر تعجب خیز اور فسانۂ حیرت انگیز گرفتاری زندہ شیر کا بے سرو سامانی میں ایک معزز شخص کا سناتا ہوں یعنی ۲۵ء میں محمد مردان علی خاں صاحب نے کہ اس وقت تحصیل دار کوہ مری دارالقرار گورنمنٹ پنجاب کے تھے اور اب ایک سرکار پنجاب میں اہل کار ہیں۔ خود ایک شیر ببر یاں جنگل کوہ مری سے زندہ یوں گرفتار کیا تھا کہ پتھروں کا ایک چھوٹا سا صندوق کے طور کا فقط اسی قدر کوٹھا بنایا کہ شیر اس میں سما سکے اور شکار لگا دیا تھا۔ ایک شیر مردم خوار اس میں قفا کا را آ لگا۔ کئی سو آدمی خاں صاحب کے ساتھ اس علاقے کے جمع تھے۔ ایک کو یارا پاس جانے تک کا نہ ہوا اور ان شیر دل جری نے رستمانہ

اُس کے اوپر بیٹھ کر رسّے سے پھنسایا۔ اور پھر اُس کے منھ سے ہٹا کر خود ایک چوبی صندوق
میں گرفتار کر کر قید کر لیا۔ اُس وقت شیر کا گرج اور شور و غوغا کوسوں تک آدمیوں کے
زہرے کو آب کرتا تھا اور لطف یہ کہ جس دن شیر لگا، اُسی دن اس شجاعتِ خداداد
اور جرأت سے اس کو گرفتار کیا اور وہ چار ماہ پالا۔ پھر قضا سے مر گیا۔ یہ بات طشت
از بام اظہر من الشمس ہے۔ وہ شیر پورے قد کا تھا۔ خان ممدوح سے صرف شیر کا
پکڑ لانا اس لیے کچھ بعید نہ تھا کہ اُن کی شجاعت کئی وقت پر ظہور میں آچکی ہے۔ یعنی
جب وہ اٹک کی حدود پر تحصیل دار وغیرہ رہے تو ملک باغی اور ملک آفریدی سے
صرف جریدہ جا جا کر بہت سے خونی اشتہاری مسلح پہاڑیانہ پکڑ پکڑ لائے اور ہزارہا
روپیہ سرکار انگریزی سے انعام پایا۔ غدر حال میں بھی بہ خیر خواہیِ سرکار وہ سینہ سپر رہے
کوہ مری کے بغاوت و فساد میں جب کہ وہ دوسری تحصیل میں گئے، کوہستان میں جا کر
دافعِ فساد رہے۔ غرض شجاعت اور جرأت و دلیری بھی ایک بڑی نعمت خداداد
ہے اور جبلّی ہے۔ کچھ اختیاری نہیں اور امیر غریب پر بھی منحصر نہیں ہے۔ الغرض خان ممدوح
بھی اسم بامسمّٰی ہیں۔ اور حق بجانب مرد کی صفت ہی مردانگی ہے۔ فقط

ستمبر ۱۸۶۳ء
راقم بندۂ اسد اللہ

میر ولایت علی کے نام

(۱)

شفیق مکرم میر ولایت علی صاحب کو بندہ غالب آزردہ [illegible] سلامت رکھے۔
از روئے اودھ اخبار لکھنؤ "بوستانِ خیال" کا ترجمہ مسمّیٰ بہ "بوستانِ خیال" آپ کے مطبع
میں آمادۂ انطباع پایا، دو جلدوں کا مطبوع ہو جانا اور دونوں نسخوں کا بہ قیمت چند [illegible] ایک
روپیہ بارہ آنے کے بشرط ارسال محصول ڈاک ہاتھ آنا معلوم ہوا [illegible] ..... مالیت
دو روپیے کے بھیجتا ہوں۔ پونے دو روپیے قیمت کے اور پانچ آنے [illegible] روپے
قیاس محصول کے ..... (کذا) فقیر کو آج یہ حال معلوم ہوا۔ آج ہی خط مع محصول روانہ
کیا۔ آپ سے مستدعی بلکہ متقاضی ہوں کہ اسی طرح آپ بھی عجلت کو کام فرمائیں یعنی جس دن
میرا خط پہنچے اس کے دوسرے دن پارسل روانہ کیجیے۔ صورتِ تعمیل میں شکر گزار اور صورتِ
توقف میں گلہ سنج رہوں گا۔

۸ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ
۴ اپریل ۱۸۶۵ء

مہر
محمد اسد اللہ خاں
۱۲۳۹

(۲)

جناب میر ولایت علی صاحب!
واسطے اپنے جد کے۔ میری تقصیر معاف کیجے اور حقیقت میں میرا گناہ نہیں:
پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند
ستر برس کی عمر، حافظہ معدوم، نسیان مستولی۔ کل آپ کو خط لکھا۔ لفافہ کرتے وقت ٹکٹ چپکانے بھول گیا۔ آج جو بکس کھولا تو ٹکٹ بکس میں پائے۔ ذلیل و خوار و خجل و شرمسار آج لفافہ جدید میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائیں۔

غالب بیک رنگ

۹ ذیقعد ۱۲۸۱ھ
۵ اپریل ۱۸۶۵ء

حکیم غلام نجف خاں

(۱)

تو صاحب یہ پندرہ مثنیں ہیں تقسیم اس کی اسی طرح رکھنا کہ پہلے ایک سیدھی سطر میں
صاحب ایجنٹ کا نام مع اجزائے خطابی بخط نستعلیق لکھا جاوے اور پیچھے اس کے
پانچ پانچ مثنیں تین بار لکھی جاویں اور آخر کو یہی سطر جو میں نے اپنے نام کی مع
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

تو صاحب! یہ پندرہ مثنیں ہیں۔ تقسیم اس کی اسی طرح رکھنا کہ پہلے ایک سیدھی سطر
میں صاحب ایجنٹ کا نام مع اجزائے خطابی بخط نستعلیق لکھا جاوے، اور پیچھے اس کے پانچ
پانچ مثنیں تین بار لکھی جاویں اور آخر کو یہی سطر جو میں نے اپنے نام کی مع خطاب و

۱۵۰۳

تخلص لکھ دی ہے۔ جس طرح کہ ہے اسی طرح لکھی جاوے، کاغذ البتہ بڑا ہوگا، اور تقدیم اچھی طرح کیا جاوے گا۔ ان دو سطروں اور چار رد شعر پر تو صورت بہت اچھی ہوگی۔ یہ ایک نمونہ ہے، مگر نمونہ اچھا ہے۔ تم کسو شخص سے اس کی نقل کر دو اور کاتب خوش نویس یعنی مرزا عباد اللہ بیگ سے لکھوا لو۔ اب آپ اس کو جلد تیار کروائیے اور ...... (کرم خوردہ)
آپ کو اب کی پانچ صد ...... میں ملے گا۔ والسلام

(۲)

بھائی یہ نہ سمجھو سلطان بمعنی مصدر آتا ہی سلطنت اگرچہ من حیث القیاس
صحیح ہے لیکن ٹکسال باہر ہے خلد اللہ ملکہ و سلطانہ لکھتی ہیں منشیان
ایران و روم و ہند سب یوں ہی لکھتے آئے ہیں ضمان بھی بمعنی ضامن اور
سبب بمعنی ضمانت سلطان ہے بمعنی بادشاہ اور ہے بمعنی سلطنت اسمیں
کہ ہم تم [illegible] نہیں کر سکتے لیکن ملکہ و سلطانہ
میں بہت تذکیر ہے اگر ملکہا و سلطانہا بجائے تو بہتر ہے ورنہ
خیر [illegible] تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں [illegible]
شکوہ سلطنت [illegible] اور وسیع تو وہ ہی ہے اگر
کاتب [illegible] ہو تو [illegible] کا نمونہ منشا دینا اور [illegible] دینا
دشوار نہیں ہے [illegible] اور سلطانہ کو [illegible]
بدلنا [illegible]
غرض [illegible]
غالب [illegible]

"تو بھائی یہ نہ سمجھو" سلطان "بہ معنی مصدر آتا ہے" سلطنت"، اگرچہ من حیث القیاس
صحیح ہے لیکن ٹکسال باہر ہے۔ "خلد اللہ ملکہ و سلطانہ" لکھتے ہیں۔ منشیان ایران و روم و

ہند سب یوں ہی لکھتے آئے ہیں "ضمان" بھی بہ معنی "ضامن" اور کبھی بہ معنی "ضمانت"۔ سلطان
بھی بہ معنی بادشاہ اور کبھی بہ معنی سلطنت۔ اس میں کچھ تامل نہ کرو۔ کس کی مجال ہے جو اس
پر ہنس سکے۔ لیکن "ملکہ" و "سلطانہ" علامتِ تذکیر ہے۔ اگر "ملکہا و سلطانہا" بن جائے تو بہتر
ہے، ورنہ خیر یوں ہی رہنے دو۔ ہم سے کوئی پوچھے گا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہ رعایت
شکوہ "سلطنت" ہم نے تانیث کی رعایت نہ کی اور سچ تو یوں ہے کہ اگر کاتب سگھڑ ہو
تو ہائے ہوز کا شوشہ مٹا دینا اور الف بنا دینا دشوار نہیں ہے۔ بن سکے تو بنوا دو اور
"سلطانہ" کو خدا کے واسطے مت بدلنا، بلحاظِ عیب و ہم کا ارادہ ہے۔ بعد ان
سب تقریر کے یہ عرض ہے کہ یہ سوال پنجشنبہ کو صبح لکھی ہوئی میرے پاس آجائے۔

غالب

۱۵۸۶ء

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

(۱)

مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے۔ مجھ کو حضرت برجیس فطرت جناب حضرت صاحب عالم صاحب سے نسبت اویسی ہے۔ غائبانِ حاضر کی فہرست میں پہلے میرا نام مرقوم ہے۔ آپ کی طرزِ نگارش نظماً و نثراً درخشندگیِ جوہرِ طبع سے خبر دیتی ہے۔ اگر آپ کی طرف سے استصلاح کا کلمہ درمیان نہ آتا تو میں فضولی نہ کرتا۔ باوجود خواہش خدمت کیوں نہ بجالاؤں میں یہ چاہتا ہوں کہ میری معلومات آپ پر مجہول نہ رہیں۔ مجموعۂ ایک ورق میں کیوں کر گنجائش پائیں۔ ناگزیر جو اس نظم و نثر میں ہے اُس کو عرض کرتا ہوں۔

"بسر در آوردن" محلِ معنی "در آوردن" کافی۔ "شور در انجمن افگند" ٹکسال باہر "از سر انجمن" مناسب "نہ برانگیزد" "و نہ برخیزد" فارسیِ ہند "برنہ خیزد" و "برنینگیزد" فارسیِ عجم۔

"نہ" لفظ زائد اور نون مفید بہ معنی نفی۔ لفظ زائد ما قبل کلمہ چاہیے۔ "نالہا کہ از دل سر بر زدہ اند" یعنی "نالے"، غیر ذوی الروح بلکہ غیر ذوی العقول کی جمع کی خبر بہ صیغۂ مفرد رسم ہے۔

"پریستان" اصل لغت، مخفف اس کا بہ حذف تحتانی "پرستان"۔ "پری استان" تو تم سمجھ، مگر یہ بھی یاد رہے کہ آدم الشعرا رودکی سے فخر المتاخرین شیخ علی حزیں

تک کسی کے کلام میں "پریستان" یا "پرستان" دیکھا نہیں۔

حضرت صاحب قبلہ کی جناب میں میرا اسلام عرض کیجیے اور کہیے کہ آپ کا ملاطفت نامہ اور ساتھ اس کے چودھری صاحب کا مودت نامہ پہنچا۔ دونوں نگارشیں جواب طلب۔ تقصیر کل میں نے ایک چھاپے کی کتاب کا پارسل جس کا عنوان سید فرزند احمد صاحب کے نام کا ہے ارسال کیا ہے۔ آپ بھی بہ نظر اصلاح مشاہدہ کیجیے گا۔ ہاں پیر و مرشد! قاآنی کے کلیات کو بھی کبھی آپ دیکھتے ہیں یا نہیں؟ بقول انشاء اللہ خاں:

یہ مری عمر بھر کی پونجی ہے

جناب سید فرزند احمد صاحب سے التماس ہے کہ حضرت صاحب کو سلام و پیام پہنچا کر حضرت شاہ عالم صاحب کو اور ان کے اخوان کو اور حضرت مخدوم خادم کو میرا اسلام کہیے گا۔ جناب چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہہ کر یہ فرمایئے گا کہ وہ اپنی طرف سے میرے استاد عالی مقدار کو میرا سلام کہیں۔ زحمت تبلیغ سلام و پیام، تقدیم خدمت احباب کا دستور ہے۔ والسلام

یوم الخمیس ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ و — نجات کا طالب غالب

۱۲ مئی سال حال ۱۸۶۴ء

(۲)

مخدوم زادۂ مرتضوی دودمان، سعادت و اقبال توامان، مولوی سید فرزند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ میں نے جو استصلاح اشعار میں امتثال امر کیا ہے تو اس واقعہ کو یوں سمجھ لیا ہے کہ میں جناب امیرالمومنین ابوتراب کا خادم ہوں، امیر نے اپنی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ میرے سپرد کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تو اس کلام کو دیکھ لیا کر۔ ورنہ میں کہاں اور یہ ریاضت کہاں۔

اپنے نانا صاحب کی خدمت میں میری بندگی عرض کیجیے گا۔ اگرچہ حضرت میرے ہم عمر ہیں مگر ان کے ابوالآباد کا غلام ہو کر سلام کیا لکھوں۔ مجھ کو ارادت میں ان سے نسبت اویسی ہے اور محبت بھی بے تکلف ویسی ہے جیسی اس معنوی نسبت میں چاہیے۔

جناب صاحبزادہ ہائے مرتضوی گہر حضرت سید عالم صاحب اور شاہ عالم صاحب اور مقبول عالم صاحب اور خورشید عالم صاحب کو دعا ہائے درویشانہ اور سلام ہائے مسنون۔ حضرت رفعت درجات مولوی سید محمد امیر صاحب کی جناب میں بعد ..... نیاز کے معروض ہے کہ خزف بہ زائے ہوز بے شک زبان دری میں سفال.... لغات عربی میں اس کا نشان پایا جاتا از روئے تعریب پایا.... بلسانین ہوگا۔ ہرچند زبان عجم میں اشتراک نادر ہے مگر..... نہیں جیسا کہ تخت .... مشترک بین اللسانین ہے .....

غالب

(۳)

نور نظر لخت جگر زبدۂ اولاد پیغمبر حضرت مولوی سید فرزند احمد زاد مجدہٗ اس درویش گوشہ نشین کی دعا قبول فرمائیں۔ "بوستانِ خیال" کے ترجمے کا عزم اور دو جلدوں کا منطبع ہو جانا مبارک

حضرت یہ آپ کا احسانِ عظیم ہے مجھ پر خصوصاً اور جمیع بالغ نظرانِ ہند[۱] پر عموماً..... [۲]
(کذا) جناب میر ولایت علی صاحب سے بعد ارسالِ قیمت محصول دو جلدیں مانگی ہیں۔ خدا
کرے وہ پارسل پہلے بھیجیں اور یہ رقعہ[۳] تمہارے پاس بعد۔۔۔۔

۸ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ ؁ (مہر غالب ۱۲۷۸ھ)

۴ اپریل ۱۸۶۵ء

(۴)

بہ علاقۂ مہر و محبت نورِ چشم و سرورِ دل اور عنایتِ سیادت مخدوم و مطاع مولوی سید
فرزند احمد طال بقاوٗہ و زاد علاوٗہ اس منشور سے یہ الکنونِ ضمیر دریافت فرمائیں۔

بندۂ شاہِ شمائیم و ثناخوانِ شما

یارب وہ کون بزرگ ہیں کہ سودائی کو معائی سمجھتے ہیں۔ اصل فطرت میں میرا ذہن
تاریخ و معما کے ملائم نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں از راہ شوخی طبع گنتی کے تین عامیانہ معمے
لکھے۔ وہ مبادیِ کلیاتِ فارسی میں موجود ہیں۔ تاریخیں اگر ہیں تو مادے اور دل سے[۲] اور نظم
فقیر کی ہے[۳]۔ یہ کلام نہ بطریقِ کسرِ نفس ہے، نہ بہ سبیلِ اغراق۔ سچ کہتا ہوں اور سچ لکھتا ہوں..[۴]
.... (کذا) اس نامۂ مہرافزا کو دیکھ کر مبادیِ "پرستانِ خیال" کی عبارت یاد آئی[۵]۔ افسوس ہے
کہ اس ہیچ میرز کے اجزائے خطابی اس مسودے کی تسوید کے وقت تک آپ نے نہیں سنے
تھے، ورنہ اس کے کیا معنی کہ خط میں لکھے جائیں اور کتاب میں مندرج نہ پائیں۔ محمد رضا
برق کا خطاب معلوم تھا تو آپ نے لکھا ہے، حکایت ہے شکایت نہیں۔..... (کذا) پہلی
جلد، جس کا نام "افق الخیال" ہے، اس کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ جناب میر ولایت
علی صاحب کو تاکید رہے کہ جب اس کا چھاپا تمام ہو، بے طلب بھیج دیں اور معاً قیمت لکھ
بھیجیں..... اشعارِ گہربار دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ سب اچھے ہیں مگر جو میرے

دل میں اُتر گئے ہیں، وہ تم کو لکھتا ہوں:

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا
ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

کیوں حضرت "ابھی کچھ" کی تحتانی کا دبنا کیا غیر فصیح نہیں؟

کچھ ابھی بات کر نہیں آتی

کیا اس کا نعم البدل نہیں؟

ورق میں جوشِ مضمونِ گریہ سے بادل
بسانِ ژالہ ہے ہر نقطۂ کتاب میں آب
کبھی ہوں گرم کبھی سرد حسبِ موقع وقت   دیز فائل
صغیر آگ میں ہوں آگ اور آب میں آب

عارفانہ و موحدانہ مضمون اور بالغانہ الفاظ۔

تم سلامت رہو قیامت تک
صحت و لطفِ طبع روز افزوں

نجات کا طالب غالبؔ

شنبہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ
۲۲ اپریل ۱۸۶۵ء

(۵)

نورالابصار، ممتاز روزگار، زکی و ارشد مولوی سید فرزند احمد طال بقاؤہ و زاد علاؤہ اس پیر ہفتاد سالہ کی دعا پہنچے...... (کذا) آج میں نے لیٹے لیٹے حساب کیا۔ یہ ستروان برس مجھے جاتا ہے۔ ہائے:

سنینِ عمر کے ستّر ہوئے شمار برس
بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس

نامۂ محبت افزا کو دیکھ کر آنکھوں میں نور، دل میں سرور آیا اور "قصۂ سروشِ سخن" اس کے دوسرے دن پہنچا ... ! ابھی کچھ بات کر نہیں آتی، کا جواب باصواب پایا۔

تم سلامت رہو قیامت تک
صحت و زورِ طبع روز افزوں

مگر ایسی باتوں سے بچنا مناسب ہے۔ گو مجھی سے ہو۔ شاعر پابندِ قواعد ہیں۔ کچھ قواعد حسبِ خواہش شاعر نہیں .... (کذا) مضمون بندی کا کام ہے مگر ..... ! مگر قواعد شاعر نہیں کہلاتا۔ الحمدللہ تم وقوف سے خالی نہیں .... (کذ)

قصہ دیکھا۔ آپ کے جوہرِ طبع کی امان اور تیزیِ فکر کی درخشانی بہت جگہ پر پسند آئی۔ اگرچہ وہ قصہ تو بچوں کو سلانے کی کہانی ہے مگر محنت کی گئی ہے۔ ہاں اگر فسانۂ عجائب کا مقابلہ کیا ہے تو کیا کہوں کہ کیا کہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں آئندہ اس کی کیفیت سے اطلاع دی جائے گی — الفاظ کی غلطی بہت پائی جاتی ہے۔ جا بجا لاچار لکھا ہے اور 'لاچار' غلط ہے کس لیے کہ 'چار' لفظ فارسی ہے اور جیم فارسی اس کی دلیل ہے۔ اگرچہ 'لا' عربی کا حرفِ نفی ہے مگر فارسی کا حرفِ نفی ہوتے کر حرف "نا" ہے۔ "لا" کا لگانا کاتب کی جہالت ہے۔ یہ قصہ آپ کے خط سے نہیں معلوم ہوتا۔ شاید کسی کاتب سے لکھوایا ہے۔ ہاے خدا کی مار کاتبانِ نا ہنجار پر۔ میرا دیوان اور "پنج آہنگ" اور "مہر نیم روز" ستیاناس کر کے چھوڑ دیا۔ غزلیات فارسی اصلاح ہو رہی ہیں۔ لو بس میں اب نواب ضیاء الدین خاں سے باتیں کر رہا ہوں۔ تمہارے خط کے جواب نے آتی ویران کو چپکا بٹھا رکھا اور وہ بھی تم کو سلام اشتیاق آمیز پہنچاتے ہیں۔ اور منشی صاحب بہت بہت بندگی کہتے ہیں

(۶)

نورچشم و سرور دل، فرزانۂ مرتضوی گہر، مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدہٗ۔ اس نسبت عام سے کہ ہم اور آپ مومن ہیں۔ سلام، اور اس نسبتِ خاص سے کہ آپ میرے دوست روحانی کے فرزند ہیں دعا، اور اس نسبتِ اخص سے کہ آپ میرے خداوند کی اولاد میں سے ہیں، بندگی۔

میں قائلِ خدا و نبی و امام ہوں
بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

آپ کے دو خطوں کا جواب بسبیلِ ایجاز لکھا جاتا ہے: دُہائی خدا کی مجھے ولایت کی اپیل کی تاب نہیں، نہ تم اپیلانٹ ہو، نہ مجھے رسپاڈنٹ بناؤ۔ لکھ بھیجو کہ "صبحِ بہار" کی عبارت فارسی ہے یا اردو اور مکتب فیہ اس کا کیا ہے؟

چہار شنبہ، ہفتم ذی الحجہ ۱۲۸۱ ہجری
۳ مئی ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب غالب

نواب زین العابدین خاں عرف کلّن میاں

بندہ پرور!

مہربان نامہ پہنچا۔ میں تو سمجھا تھا آپ مجھ کو بھول گئے۔ بارے یاد کیا۔ جناب نواب صاحب میرے محسن اور میرے قدردان اور میری امیدگاہ ہیں۔ میں اگر رامپور نہ آؤں گا تو کہاں جاؤں گا۔ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ تجھ کو آنے میں تردد کیا ہے۔ تردد کچھ نہیں توقف ہے۔ وجہ توقف کی یہ کہ میں نے اپنے پنشن کے باب میں چیف کمشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں سے صاحب کمشنر شہر کے وہ درخواست حوالے ہوئی۔ صاحب کمشنر دہلی نے صاحب کلکٹر سے کیفیت طلب کی ہے۔ پس اگر وہ کیفیت پنشن کی ہے تو یہاں کی کلکٹری کا دفتر گر نہیں رہا نہ رہے۔ ریونیو بورڈ کے دفتر اور لفٹنٹ گورنری آگرہ اور نواب گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پنشن کی کیفیت سے خالی نہیں ہیں اور اگر میری کیفیت مطلوب ہے تو میرا ابتدا سے بری اور الگ ہونا فساد سے ازروئے دفتر قلعہ و اظہار مخبران ظاہر ہے۔ بہرحال صاحب کمشنر شہر کیفیت صاحب کلکٹر سے طلب کر کے چیف کمشنر کے ساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھیے آپ وہاں سے بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دیں۔ مگر تا صدور حکم میں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں بعد ملنے حکم کے خواہ موافق ہو خواہ مخالف مدعا، دونوں صورت میں رامپور آؤں گا۔ مگر حیران

ہوں کہ جب تک یہاں رہوں کھاؤں کیا اور جب چلنے کا قصد ہو تو رام پور کس طرح پہنچوں۔
کیا خوب ہو کہ تم یہ رقعہ اپنے نام کا حضور کو یعنی حضرت نواب صاحب کو پڑھوا کر اس
مدعائے خاص کا جواب، جو وہ فرمائیں، مجھ کو لکھ بھیجو۔ لیکن تم سے یہ توقع کیوں کر پڑے۔
کس واسطے کہ تم نے اردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جناب عالی سے دریافت
کر کر کب لکھا ہے جو اس بات کا جواب لکھو گے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔
ضروری جواب طلب۔

نگاشتہ و رواں داشتۂ چہارشنبہ ۴ مارچ ۱۸۵۵ء از غالب

(۲)

نواب صاحب والا قدر عظیم الشان سلمکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون مشہود خاطرِ عاطر ہو۔ سابق آپ کا خط متضمن اردو کے استفتائے روزمرہ
کا آیا تھا۔ اس کا جواب جو مجھے معلوم تھا لکھ بھیجا۔ اب جو دوسرا خط آیا۔ اس میں آپ نے اپنے
اشعار بہ توقعِ اصلاح بھیجے ہیں۔ آپ کو معلوم رہے کہ میں خاص خدمتِ اصلاحِ اشعار
پر جناب نواب صاحب قبلہ کا نوکر ہوں اور آپ حضور کے عزیزوں میں اور فرزندوں میں
ہیں۔ ایسی میں بے حکم حضور کے آپ کی خدمت بجا نہیں لا سکتا۔ ناچار کاغذِ اشعار مسترد
بھیجتا ہوں۔ یہ امر یقین ہے کہ موجبِ ملالِ خاطرِ اقدس نہ ہوگا۔ بندگی بے چارگی۔ زیادہ
اس سے کیا لکھوں کہ مدعائے ضروری الاظہار اسی قدر تھا۔ والسلام۔

۱۴ مارچ ۱۸۶۵ء راقم اسد اللہ خاں غالب

محمد حسین خاں

(۱)

شفیق و مکرم جناب محمد حسین خاں صاحب کو فقیر غالب کا سلام پہنچے۔

اسداللہ نے مطبع "دبدبۂ سکندری" کے معائنے سے اور اخبار آب رام پور کے حالات پڑھ کر نہایت خوش ہے۔ ایک رباعی آپ کو اس واسطے بھیجتا ہوں کہ "دبدبۂ سکندری" میں جہاں رام پور کا آپ لفظ لکھتے ہیں پہلے یہ رباعی لکھ دیا کیجیے اور علی الدوام اس کا التزام رہے یعنی ہر اخبار میں اس مقام پر یہ رباعی لکھی پایا کرے اور وہ رباعی یہ ہے:

آں کیست کہ جسم ملک را جاں باشد؟

آں کیست کہ ہمسر سلیماں باشد؟

آں کیست کہ انجمش بفرماں باشد؟

کس نیست مگر کلب علی خاں باشد؟

اور ایک قطعہ اس مراد سے لکھتا ہوں کہ جہاں رام پور کی نمائش گاہ کا ذکر لکھو اس عبارت کے خاتمے پر یہ قطعہ لکھ دو، اور اگر یہ قطعہ نمائش گاہ کے ذکر کے بعد چھپے تو اس کی

اطلاع لکھ کر لکھ دینا۔ یہ قطعہ ایک ہی بار لکھا جائے گا۔

نمایش گہے در خورِ شانِ خویش
برآراست نوابِ عالی جناب
بہ شب زہرہ و مہ قنادیل سقف
بود پیشکارش بروز آفتاب
ز غالب چو پرسیدہ شد سال آں
چنیں گفت آں ہند خانہ خراب
از آنجا کہ در بزم عیش و سرور
ز بخشش جہانی شدہ کامیاب
چو زینی نہایت ندارد طرب
بگو سال آں "بخششِ بے حساب"

۱۲۸۳ھ

"بخشش بے حساب" کے "۱۲۸۵" ہوتے ہیں جب "طرب" کی "ب" کے عدد کو دور کر دیجیے تو "۱۲۸۳" ہوتے ہیں۔ فقط

مگر بھائی صاحب! نواب صاحب سے بغیر اجازت لیے اور کہے ہرگز نہ چھاپنا۔

۱۱ اپریل ۱۸۶۶ء جواب کا طالب غالب

(۲)

خان صاحب مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو غالب کا سلام پہنچے۔

آگے میں نے ایک خط مع ایک قطعہ اور رباعی کے بھیجا ہے یقین ہے کہ آپ نواب صاحب سے اجازت لے کر اس کو موافق میری خواہش کے چھاپ دیں گے!

۲۵ اپریل ۱۸۶۶ء راقم اسد اللہ خاں

(۳)

شفیقِ مکرم محمد حسین خاں صاحب کو فقیر اسد اللہ خاں کا سلام۔ آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مطالب دل نشیں ہوئے۔ چوہتر کی عمر ہوئی۔ اگر سنِ تمیز چودہ برس رکھیے تو ساٹھ برس کا نیک و بد سیاہ و سفید کا تجربہ کار ہوں اور حقیقت ہر بات کی کما حقہ فوراً ذہن میں آجاتی ہے۔ واللہ باللہ ثم باللہ تمہارا خط پڑھتے ہی مجھ کو یقین آگیا۔ آپ بھی اس کو یقین سمجھیے گا۔ اب جو تم کو دوست صادق الولا جانا تو حقیقت لکھتا ہوں!

۱۰ مئی ۱۸۶۶ء

۵ محرم ۱۲۸۳ھ

(۴)

مشفقی و مکرمی محمد حسین خاں صاحب کو غالبِ آزردہ دل کا سلام پہنچے۔ آج ہی آپ کا ایک خط آیا۔ کئی اخبار آپ کے بھیجے۔ کئی خط آپ کے بھیجے۔ اور آپ اخبار بھیجے جاتے ہیں۔ الٰہی! آپ کا خط خط تھا یا کوئی جھوٹ کی پوٹ۔ بیشتر مجذوبوں کی سی بڑ۔ اور جو کچھ سمجھ میں آیا وہ غلط اور دروغ اور جھوٹ۔ یہ غلطِ محض ہے کہ مطبع حضور کا ہے اور تم مہتمم ہو حضور کی طرف سے۔ اللہ اللہ! دگیجے سنگھ کی تعریف میں کہیں سارا ایک صفحہ، کہیں سارا ایک ورق سیاہ کرتے ہو اور اپنے والیٔ ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین نواب کلب علی خاں بہادر کے نام کے آگے یا نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ تعظیم کے لکھتے ہو بس اور اس قباحت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف سے ہے تو گویا دگیجے سنگھ جی کی تعریف بھی حضور کی طرف سے ہوگی۔ ہندوستانی عمل داری میں وہ ایک زمین دار اور مال گزار تھا۔ اب گورنمنٹ ہند نے اس کو جاگیردار

مستقل کر دیا اور نواب محمد علی خاں رئیس ٹونک کا ہر اخبار میں ایک مرثیہ لکھتے ہو۔ اس سے معلوم ہو کہ تم طرح طرح سے اطراف و جوانب کے رئیسوں سے بھیک مانگتے ہو۔ بھائی! "یک گیر و محکم گیر" اگر حضور کے نوکر بھی نہیں ہو تم تو آخر رعیت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے بادشاہ کا ذکر سب سے پیچھے لکھتے ہو کبھی صفحے پر کبھی حاشیے پر۔ ہم نے ان باتوں سے بیزار ہو کر تمھارا اخبار موقوف کیا ہے۔ اور اب پھر تمھیں لکھتے ہیں کہ دوہائی خدا کی! میں یکم جنوری ۱۸۶۰ء سے "دبدبۂ سکندری" کا خریدار نہیں ہوں۔ نہ بھیجا کرو، واسطے خدا کے نہ بھیجا کرو۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔

۲۵ فروری ۱۸۶۰ء

مہر غالب ۱۲۷۶ھ

عبدالرحمٰن تحسین

(۱)

(عبدالرحمٰن تحسین کا شعر تھا:

کمالِ سوزشِ پروانہ آخر
ز شمع آموخت طرزِ سوختن را

غالب نے یہ شعر قلم زد کر کے لکھا ہے۔)

مصدر غزل میں ایک جگہ قافیہ ہو۔ دو بار آئے تو ایطائے جلی ہے اور اس شعر میں ایک اور قباحت ہے کہ شمع کا جلنا مقدم ہے اور پروانے کا جلنا موخر۔ پس متاخر کیوں کر استاد ہو سکتا ہے متقدم کا

میں بہ ہر حال زندہ ہوں، "می گزرد" ہر دم وردِ زباں ہے۔

زکریا خاں ہفتۂ گزشتہ میں آئے تھے اور اب آئیں گے تو تمھارا سلام کہہ دوں گا۔

جب تمھارے روزگار کی صورت ہو جائے تو مجھ کو ضرور اطلاع دینا۔

۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۱ء

غالب

(۲)

صاحب!

پہلے تم کو اصلاح دی جاتی ہے۔ اسٹامپ کے ٹکٹ بھیجنے کے باب میں میرزا ملّا نہیں، صرف تمھیں سے راہ و رسمِ مراسلت نہیں۔ دو چار خط ہر روز اطراف و جوانب سے آتے ہیں اور اُن کے جواب ادھر سے جاتے ہیں۔ ٹکٹوں کا بھیجنا خلافِ دستور و منافیِ ادب تھا۔ اب اگر ایسی حرکت کرو گے تو ہم آزردہ ہوں گے اور کبھی کوئی خط تمھارا نہ لیں گے۔

گندم نمائے جو فروش" و "جو فروش گندم نما" صحیح اور درست۔ سعدی لکھتا ہے:

زبے جو فروشانِ گندم نما'

اس میں کسی طرح کا کلام نہیں۔

توجیہات زائد اسم توصیفی سہی۔ صفت در صفت سہی' ایک صفت اور ایک حال سہی۔ کلام اس میں ہے کہ تمھارے شعر میں موقع اس کا صحیح نہیں۔ یہاں تحتانی توصیفی چاہیے یعنی "در بازارِ ما گندم نمائے و جو فروشے نیست، دکانداراں ایں چار سو ایں ہر دو صفت ندارند۔"

بال مرغ بستن و رشتہ بر بال مرغ بستن و نامہ بر بال مرغ بستن و پر بستن بے تکلف صحیح اور جائز۔ اس کے واسطے نظیر ڈھونڈنا اور شعرِ غنی پر متمسک ہونا کیا ضرور:

تا دلِ خوں گشتہ بیزاں گردد از غربالِ ما

یہ غلطِ محض اور محض غلط ہے۔ تفصیل سنو۔ "بیختن" بہ یائے عربی بہ عقیدۂ بعضے بہ یائے پارسی بہ ہر حال خشک چیزوں کے چھاننے کو کہتے ہیں۔ جیسے آٹا اور کھانڈ۔ "پالودن" سیالات کے چھاننے کو کہتے ہیں۔ جیسے پانی اور لہو اور دودھ اور شراب۔ دلِ خوں گشتہ کے واسطے "بیختن" آوے نہ "پالودن"۔ ہاں' خونِ دل کے واسطے "پالودن" لکھیں گے۔

مردم آوارہ کہاں زنجیر کہاں۔ زنجیر مردم کے سزاوار ہے:

زندہ ام خواہی اگر از مقدش آئینہ گو
انتظارم بر نتابد مژدۂ یکبارہ را

مخاطب کون ہے۔ پھر مژدۂ یکبارہ" بہ معنی "مژدۂ ناگاہ" یکایک اور دفعۃً اس کا یہ "آہستہ کہ" گویا مژدہ یکبارہ بہ معنی آواز بلند ہے:

منکہ ہر دم سیرِ عالم از رہ دیگر کنم
قیدِ ~~مشرب~~ مذہب چوں پسند افتد من آوارہ را

ہر چند از روئے لغت "مذہب" اور "مشرب" کے معنی ایک ہیں، لیکن شعرا نے فرق نکال لیا ہے "مذہب" سے "تقید" مراد اور "مشرب" سے "اطلاق" مقصود ہے۔ بہرحال پہلے مصرع میں سیر اور راہ کا ہونا مذہب کے ساتھ مناسب اور ملائم ہے۔

غالب

(۵)

صاحب!

پہلے تو بتاؤ کہ تم گڑ گانوں میں کیوں رہ گئے، ذرح کیوں نہ گئے۔ دوسرے یہ بتاؤ کہ پانی پت جاتے وقت میں آتے کے چھپے ٹکٹ مجھ کو کیوں نہ بھیج گئے تھے۔ جواب طلب

بخشکی رہ صحرا بہ تشنگی مردیم ما
بموج ریگ مگر زغرق شد سفینۂ ما

(مرزا نے "مگر کی جگہ "رواں" بنا دیا ہے) بائے موحدہ دو قسم پر مستعمل ہیں۔ ایک بہ اعلان اور ایک

مختفی کہ اس کو ہائے انہائے حرکت بھی کہتے ہیں۔ ہائے اصلی جیسے "زرہ" اور "گرہ" اور "سیہ" اور "سپہ" وقس علیٰ ہذا۔ دوسری قسم "چشمہ" و "کرشمہ"، "غمزہ" و "گوشہ" و "لرزہ" و "مژہ"۔ اور یہ قسم بے شمار ہے بلکہ الفاظ عربی میں بھی یہ مستعمل ہے۔ "محبوبہ"، "معشوقہ"، "موجہ"۔ یہ قسم بھی بہت ہے۔ اصلی کے آگے جو تحتانی آئے یا شین یا میم آئے تو "زرہت"، "زرہش"، "زرہم"، "کلبت"، "کلبش"، "کلبم" لکھتے ہیں اور باقیوں کو بھی یوں سمجھو اور ہائے مختفی "چشمہ اش"، "کرشمہ اش" اور یہی حال تحتانی اور میم کے ساتھ ہے۔ "مژہت" محض غلط اور غلط محض، اس طرح نہ لکھے گا مگر ہاں بلکہ ہمی۔ "چشمہ" و "کرشمہ" و "غمزہ" و "مژہ" اگر مضاف واقع ہوں تو ہمزہ علامت کسرہ ہوا کرتا ہے اور اگر اس کے بعد یائے توحیدی یا توصیفی آئے تو بھی ہمزہ لکھتے ہیں :

ہر کجا چشمۂ بود شیریں

اور "گرہ" اور "سپہ" کو صورت اضافت میں یوں نہ چھوڑ دیں گے جس طرح اور الفاظ کو : اور در صورتِ توصیف و توحید "گرہے" اور "سپہے" لکھیں گے۔

غالب

(۶۱)

دُردی زجنوں تا بہ ایاغ دلِ ما ریخت
صد تودۂ مستی بہ دماغ دلِ ما ریخت

پہلے مصرع کے ریخت کا فاعل کون؟ "دُردی"۔ تو دوسرے مصرع کے ریخت کا فاعل ہے۔ مگر ہاں یہ کہو گے کہ پہلے مصرع میں ریخت لازمی ہے۔ یہ فاعل نہیں چاہتا اور دوسرے مصرع میں ریخت متعدی اور فاعل اس کا دُردی۔ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو بادی النظر میں متحیر کیوں رکھتے ہو؟ "زِ" کی جگہ "تا" لکھو۔

دزدی کہ جنوں توے ایاغ دل ما ریخت

کونین کہ حیرت زدہ شوکت آنے
گرد است ز داماں فراغ دل ما ریخت

اگر "گردے" کی تحتانی توحیدی ہے تو "ریخت" برصیغہ مفعول چاہیے۔ یعنی "ریختہ" اور اگر توصیفی ہے تو "گردیست" کے آگے "کاف" کہاں۔ اس شعر کو خود درست کرو۔

دل بر دنشں از سرقۂ پُر فتنہ عیاں بود
گریاں شد و سیلی بسراغ دل ما ریخت

دل بر دنشں از سرقہ الخ میں اس کے معنی نہیں سمجھا اور شاید کوئی نہ سمجھے گا۔

نثر جو آخر میں لکھی ہے، کچھ نہ کھلا کہ اس میں کیا استفادہ منظور ہے اور یہ کہاں کا دستور ہے کہ یائے معروف کے تلے دو نقطے دیے جائیں۔ معہذا یہ سوال ہے کہ "زہد ریائی" کی تحتانی کو مجہول کون کہتا ہے؟ توحید اور تنکیر اور توصیف کے لیے مجہول ہوتی ہے اور نسبتی اور مصدری "ے" معروف ہوتی ہے۔ خدا جانے تمھاری طبیعت تم کو کدھر لے گئی۔

یاد رہے کہ مجہول "یے" کی کوئی علامت نہیں، 'الف'، 'بے'، 'تے' میں اُستاد پڑھاتا ہے کہ 'ے' کے تلے دو نقطے۔ مرکبات میں اگر وسط میں "ے" آپڑے گی تو اس کے تلے بے شبہ دو نقطے دیں گے اور آخر لفظ میں اگر آئے گی تو چاہو نقطہ دو چاہے نہ دو۔ تم کیا سمجھے اور کس قواعد کے رسالے میں یہ قانون دیکھا ہے؟ سب سے بڑھ کر اس مصرع میں کہ

داغم از زہد ریائے دم آبی ساقی

"ریائے" کی "یے" کو مجہول کیوں کر کہتے ہو؟ یہ تو نسبتی ہے، معروف ہوا چاہیے۔ مجھ کو تحریر میں کیوں کر لاؤں اور معروف و مجہول کی حقیقت تم کو کیوں کر سمجھاؤں؟ ؎

مرا یارے است سنگیں دل ستم گر سست پیمانی

"یارے" کے لیے مجہول "سنگین" کے لیے معروف "پیمانے" کے لیے مجہول۔ "دم آبی ساقی" و عتابی ساقی۔ یہ جو تمھاری غزل ہے، اس میں قوافی کی تحتانیاں سب مجہول ہیں اور ردیف

کی تحتانی معروف۔

۱۶ مئی ۱۸۶۱ء

نجات کا طالب۔ غالب

(۷)

حضرت! میرا حال کیا پوچھتے ہو ؎

چو ہفتاد آمد افتاد آفت از کار

اب کے رجب کی آٹھویں تاریخ سے ہفتادم شروع ہوا۔ جس طرح بڈھے جیتے ہیں، میں بھی جیتا ہوں۔ ظہوری کی غزل پر خوب غزل لکھی ہے۔ دوسری غزل کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا کہ طالب علمانہ ردیف میں عاشقانہ مضامین اچھے درج کیے ہیں۔

غالب

(۸)

کو زمیں کہ حیرت زدہ شوکت آنی

گردے است کہ از بام فراغ دل ما ریخت

شعر غزلِ سابق اس کی درستی کے لیے ارشاد ہوا تھا، مقدور تک درست کر دیا۔

(۹)

حوادث بہ معنی مصائب عظیم جائز۔ نثر و نظم معاً یا فرداً فرداً جب چاہو، تب بھیج دیا کرو۔

غالب

نامعلوم

خان صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سعادت و اقبال توأمان سلمہ اللہ تعالیٰ!

بعد اہدائے ہدیۂ سلام مسنون و دعائے ترقی دولت روزافزوں، غالب خونیں جگر کہتا ہے۔ اللہ اللہ! میرے آقائے نامدار صاحب دلدل و ذوالفقار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول حق ہے۔!

عَرَفتُ رَبّی بِفَسخِ العَزائم

آپ کا قصد تھا کہ کانپور سے الہ آباد اور وہاں سے کلکتے جائیں، سو یہ واقعہ ہوا کہ کانپور سے آپ پھر لکھنؤ آئیں۔"

واللہ! احسان حسین خاں بہادر کا حال سن کر بیتاب ہو گیا۔ اتنی طاقت کہاں؟ کہ یہاں سے علی گڑھ تک ڈاک اور وہاں سے آگرہ تک اور کانپور تک ریل اور پھر کانپور سے لکھنؤ تک ڈاک میں پہنچوں اور اون کو دیکھوں۔ ناچار دعا پر مدار ہے۔ خالصاً للہ جلد جناب کی صحت کی نوید بھیجو۔"

یہ نہ جاننا کہ غالب نے اس خدمت محقر میں قصور کیا۔ کتاب فروشوں کو کہہ رکھا ہے۔ مولویوں سے سوال کر چکا۔ تفہیمات شیخ ولی اللہ کا کہیں پتا نہ لگا۔ یہ کتاب معرض انطباع میں نہیں آئی۔ قلمی کہیں موجود نہیں۔'

ہائے ہائے! میرا دوست نوروز علی خاں خدا بخشے اوس کو، کیسا لطیف اور خلیق اور دانا آدمی تھا۔ پر کیوں افسوس کروں؟ کیا مجھ کو ہمیشہ یہاں رہنا ہے؟ بموجب قول شیخ علی حزیں ے

۱۵۹۷

مست گزاردایم چوں موج از قفائے ہم
در کاروانِ ما قدمے نیست استوار

آگے پیچھے سب ادھر کو چلے جاتے ہیں۔ کوئی دو دن رہ گیا کوئی دن پیچھے چل نکلا۔"

۱۳ فروری ۱۹۶۳ء

نجات کا طالب۔ غالب

۱۵۹۸

حکیم ظہیر الدّین دہلوی

میاں ظہیر الدین!
چنبیلی کے پھول کو فارسی میں کیا کہتے ہیں؟ میرے خیال میں گُلِ یاسمیں۔
اس کی تاثیر کیا ہے۔ مُسخّن یا قابض؟

غالب

۲۰۔ نگار، ماہانہ، لکھنؤ، اپریل ۱۹۵۹ء

۲۱۔ صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، جولائی ۱۹۶۹ء

۲۲۔ نقوش، لاہور، مکاتیب نمبر، جلد ۱۔

۲۳۔ نامۂ غالب، دہلی، ۱۸۶۵ء

۲۴۔ مثنوی شعر، قاضی محمد نور الدین حسین، مرتبہ مولوی عبدالحق، اورنگ آباد ۱۹۳۳ء

۲۵۔ دیوانِ غالب، مطبوعہ مطبع احمدی ۱۲۷۸ھ، دہلی، مخزونہ سنٹرل لائبریری حیدرآباد۔ اس دیوان کے آخری صفحے پر غالب نے احمد حسین خاں کے نام خط لکھا ہے۔

میر غلام حسنین قدر بلگرامی

۱۔ بندہ پرور! آپ کے عنایت نامے کے آنے سے جس طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی۔

(خطوط غالب، ص ۱۰۰) ۲۳ فروری ۱۸۵۶ء

۲۔ حضرت! میں نے چاہا کہ حکم بجا لاؤں۔

(خطوط غالب، ص ۱۰۰) قبل ۱۸۵۷ء

۳۔ مشفق میرے! میں بعد آپ کے جانے کے دلی سے رام پور آیا اور یہاں میں نے آپ کا دوسرا خط پایا

(خطوط غالب، ص ۱۸۸) جنوری، مارچ ۱۸۶۰ء

۴۔ سید صاحب! تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔

(خطوط غالب، ص ۱۸۹) ۱۲ مارچ ۱۸۶۰ء

۵۔ سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے۔

(خطوط غالب، ص ۱۸۹) ۱۸۶۱ء

۶۔ بندہ پرور! آپ کا خط لکھنؤ سے آیا۔

(خطوط غالب، ص ۱۹۰) ۱۸۶۱ء

۔ سید صاحب! سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۰) ۴ مئی ۱۸۶۲ء

۔ سید صاحب! آپ کا خط، جس میں قبلہ و کعبہ کا مہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا پہنچا۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۱) ۲۴ مئی ۱۸۶۲ء

۔ سید صاحب! آپ نے خوب کیا، مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ مجھ کو نہ دیا۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۲) اوائل جون ۱۸۶۳ء

۱۰۔ صاحب! تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۳) ۱۸۶۳ء

۱۱۔ میر صاحب! ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۴) مارچ ۱۸۶۳ء

۱۲۔ صاحب! میں بیس دن سے بیمار تھا

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۴) ۲۲ اگست ۱۸۶۳ء

۱۳۔ سید صاحب! تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خان بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۵) ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

۱۴۔ قرۃ العین میر غلام حسنین سلمکم اللہ تعالےٰ۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۶) ۱۸۶۵ء

۱۵۔ (سوال:) یار سے چھیڑ چلی جائے اسد

(خطوطِ غالب، ص ۱۸۰)

۱۶۔ قدر: کاٹ کر غیروں کے سر لائے جو میری نذر کو

(خطوطِ غالب، ص ۱۸۱)

۱۷۔ "تسلیس" کا لفظ متروک اور مردود۔ تعیینِ تیر فصیح۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۸۳)

۱۸۔ حضرت! آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ

(خطوط غالب، ص ۱۸۶)

۱۹۔ حضرت! کیا فرماتے ہو، جو ابھی ہو، "قضا بھی ہو۔"

(خطوط غالب، ص ۱۸۷)

۲۰۔ صاحب! دوستو، سوائے اس خط کے تمہارا کوئی خط نہیں آیا۔

(خطوط غالب، ص ۱۹۳)

۲۱۔ سید صاحب! تم قدر، اور نور چشم مرزا عباس قدر دان۔

(خطوط غالب، ص ۱۹۷)

۲۲۔ حضرت! فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے۔

(خطوط غالب، ص ۱۹۸)

منشی جواہر سنگھ جوہر

۱۔ برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعائے دوام عمر و دولت معلوم ہو۔

(اردوئے معلی، ص ص ۵۶ - ۵۵) ۱۸۴۶ء

۲۔ تمہارے خطوں سے تمہارا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدے کا پہنچنا اور ہیرا سنگھ کا ادھر روانہ ہونا معلوم ہوا۔

(اردوئے معلی مجتبائی، ص ص ۶۲ - ۶۰) ۱۹ اپریل ۱۸۵۳ء

۳۔ برخوردار کامگار سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو بلب گڑھ کی تحصیلداری مبارک ہو۔

(اردوئے معلی، ص ۵۶) ۲ فروری ۱۸۶۴ء

شاہ فرزند علی صوفی منیری

۱۔ زبدۂ اولاد حضرت خیر الانام قبلہ و کعبہ ثبوت اہل اسلام۔

(اردوئے معلی گڑھ، نومبر ۱۹۲۰، ص ۳۹۲ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء ص ص ۹۱-۹۰) ۱۸۶۷ء

۲۔ مولانا و بالفضل اولینا! فقیر میں جہاں اور عیب ہیں۔
(اصل خط) ۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۳۔ حضرت! آپ کو اپنے حال پر متوجہ پاکر اور مائل تحقیق جان کر.....
(اصل خط) ۱۹ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۴۔ قبلہ آج خیال آیا کہ نامۂ مرقومہ اکتیس اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے حضرت کا نہیں آیا۔
(اصل خط) ۱۷ دسمبر ۱۸۶۶ء

نامعلوم

۱۔ جناب عالی! نامۂ ودادِ پیام عزِ صدور لایا۔
(صحیفہ' لاہور، جولائی ۱۹۶۹۔ ص ص ۹۲) ۹ فروری ۱۸۶۰ء

مولوی عبدالغفور نساخ

۱۔ جناب مولوی صاحب قبلہ یہ درویش گوشہ نشین جو موسوم بہ اسداللہ اور متخلص بہ غالب ہے۔
(اردوے معلیٰ، ص ۳۰۴، عودِ اول وعودِ دوم ص ۱۲۵) ۱۸۶۴ء

مولوی کرامت علی

۱۔ فقیر اسداللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے.....
(اردوے معلیٰ مجتبائی، ص ص ۶۰۔ ۵۵ حصہ دوم)

حکیم غلام رضا خاں

۱۔ زر دیدہ و سرورِ دل و راحت جان! اقبال نشان حکیم غلام رضا خاں کو غالب نیم جاں کی دعا پہنچے۔
(اردوے معلیٰ، ص ص ۵۳۔۳۵۲) ۱۲ اکتوبر۔ ۲۸ دسمبر ۱۸۶۵ء

قاضی عبدالجمیل جنونؔ بریلوی

۱۔ مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ....

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ص ۱۱۳۔ ۱۱۴)

۲۔ قبلہ! آپ کو خط پہنچنے میں تردد کیوں ہوتا ہے؟

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ص ۱۱۵۔ ۱۱۴) ۲۰ نومبر ۱۸۵۵ء

۳۔ پیر و مرشد! فقیر ہمیشہ آپ کی خدمت گزاری میں حاضر اور غیر قاصر رہا ہے۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ص ۱۱۶۔ ۱۱۵)

۴۔ حضرت، کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آگے اس سے جو آپ کے اشعار آئے تھے۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ۱۱۶)

۵۔ صاحب! وہ خط جس میں اشعار سید مظلوم کے تھے مجھ کو پہنچا۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۱۰۔ عود اول و دوم، ۱۶۵)

۶۔ حضرت! بہت دنوں میں آپ نے مجھے یاد کیا۔ سال گذشتہ ان دنوں میں میں رام پور تھا۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۱۰، اردوئے معلّٰی ص ۲۱۱۔ عود اول و دوم ص ۱۶۸ فروری، مارچ ۱۸۶۱ء

۷۔ جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے۔ عنایت نامے کے ورود نے شادماں کیا۔

خطوطِ غالب، ص ۱۱۹۔ اردوئے معلّٰی ص ۲۱۔ عود اول و دوم ص ۱۶۷) ۳۰ جون ۱۸۶۰ء

۸۔ ....سلامت۔ یہ عہدہ آپ کو مبارک ہو۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۱۹)

۹۔ جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی۔ تفقد نامہ مرقومہ ۲۱ ستمبر میں نے پایا

(اصل خط، خطوطِ غالب ۱۲۰۔ ۱۱۹)

۱۰۔ از اسد بندگی برسد۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۰)

۲۲۔ سہسوان کے صاحب اگر "قاطع برہان" کا جواب لکھتے ہیں۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۴) ۴ اپریل ۱۸۶۴ء

۲۳۔ حضرت سلامت! میاں قدرت اللہ کا تردد بجا۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ص ۱۲۵۔ ۱۲۴) ۸ مئی ۱۸۶۴ء

۲۴۔ قبلہ! ایک سو بیس آم پہنچے۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ۱۲۵) ۲۸ جون ۱۸۶۴ء

۲۵۔ جنابِ عالی، وہ غزل جو کہار لایا تھا وہاں پہنچی جہاں اب میں جانے والا ہوں۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ص ۱۲۶۔ ۱۲۵) ۳۰ جون ۱۸۶۴ء

۲۶۔ کیا مخصوص بہ بہبود و بازش یار جب اس کو

(اصل خط) ۷ نومبر ۱۸۶۵ء

۲۷۔ آداب بجا لاتا ہوں۔ آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۸۔ اردوئے معلٰی ۲۱۳۔ عود اول و دوم، ص ۱۶۴)

۲۸۔ سبحان اللہ۔ سرآغاز فصل میں ایسے ثمرہائے پیش اس کا پہنچنا نوید ہزار گونہ میمنت و شادمانی ہے۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۸۔ عود اول و دوم، ص ۱۶۴)

۲۹۔ غزل کے بھیجنے میں دیر لگی۔ قصور معاف ہو۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۹)

۳۰۔ جناب مولوی صاحب کو فقیر اسد اللہ کا سلام۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۹)

منشی حبیب اللہ ذکا

۱۔ صبح سہ شنبہ ۱۳ صفر سال غفر۔ صاحب میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں۔
(اردوے معلیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ص ۴۵-۴۴)
۳۰ جون ۱۸۶۳ء

۲۔ حضرت مولوی صاحب! میں بیس دن سے بیمار اور تین مہینے سے صاحب فراش ہوں۔
(اردوے معلیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ص ۴۴-۴۳)
۲۶ اگست ۱۸۶۳ء

۳۔ مولانا! ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔
(اردوے معلیٰ مجتبائی ص ص ۳۲-۳۱)
۲۵ ستمبر ۱۸۶۳ء

۴۔ بندہ پرور! آج تمھارا عنایت نامہ آیا اور آج ہی میں اس کا جواب ڈاک میں...
(اردوے معلیٰ مجتبائی ص ۳۳)
۱۹ اکتوبر ۱۸۶۳ء

۵۔ صاحب! پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں مضمون لطیف ہے۔
(اردوے معلیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ۴۶)
۱۴ نومبر ۱۸۶۳ء

۶۔ بندہ پرور! پرسوں مولوی صاحب کا خط آیا۔
(نگار اپریل ۱۹۵۹ء ص ص ۱۰-۹)
۲۸ نومبر ۱۸۶۳ء

۷۔ بندہ پرور! تمھارے دونوں خط پہنچے۔
(اردوے معلیٰ مجتبائی ص ص ۳۰-۲۹)
۲۸ نومبر ۱۸۶۴ء

۸۔ اے عنایت بہ عنایت تم شکل۔ آپ کا خط حاوی حل شبہات تیس دن میں پہنچا۔
(اردوے معلیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ۳۳)
۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء

۹۔ میرے مشفق میرے شفیق مجھ سے ہیچ و پوچ کو ماننے والے۔
(اردوے معلیٰ مجتبائی ص ص ۳۱-۳۰)
۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

۱۰۔ دوست روحانی و برادر ایمانی مولوی حبیب اللہ خاں میر منشی کو فقیر غالب

کا سلام۔

(اردوئے معلّیٰ مجتبائی، ص ص ۳۵-۳۴) ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء

۱۱۔ جانتاں بلکہ جان مولوی منشی حبیب اللہ خاں کو غالب خستہ دل کا سلام۔

(اردوئے معلّیٰ مجتبائی، ص ص ۳۶-۳۵) ۲۴ دسمبر ۱۸۶۶ء

۱۲۔ صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۲ھ، ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء بھائی نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے آئی

(اردوئے معلّیٰ مجتبائی ص ص ۲۹-۲۰) ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء

۱۳۔ جان غالب۔ تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔

(اردوئے معلّیٰ مجتبائی، ص ص ۳۳-۳۲) ۱۴ مارچ ۱۸۶۶ء

۱۴۔ بندہ پرور! آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمہاری اور ساتھ والوں کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا۔

(اردوئے معلّیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ص ۳۳-۳۲) ۱۹ مارچ ۱۸۶۶ء

۱۵۔ منشی صاحب لطافت نشان سعادت و اقبال توامان منشی حبیب اللہ خاں۔۔

(اردوئے معلّیٰ مجتبائی، ص ۳۲) ۲۰ جنوری ۱۸۶۹ء

۱۶۔ بندہ پرور! کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا۔ آج مدت پاسخ طراز ہوا۔

(اردوئے معلّیٰ مجتبائی، ص ص ۳۴-۳۳)

منشی سیل چند

۱۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند صاحب میر منشی سلمہ اللہ تعالیٰ بعد دعائے دوام حیات و ترقی درجات معلوم فرمائیں

(مکاتیب غالب (پہلا ایڈیشن) ص ص ۳، ۱۰۲، مکاتیب غالب چھٹا ایڈیشن ص ۱۱۰، ۲۵ دسمبر ۱۸۶۳ء

خلیفہ احمد علی صاحب احمد رام پوری

۱۔ جناب مولوی صاحب مخدوم احمد علی صاحب کی خدمت میں بعد سلام مسنون اسلام عرض یہ ہے۔

(مکاتیب غالب (پہلا اڈیشن)، ص ص ۱۰۹-۱۱۰

مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن)، ص ص ۱۲۰-۱۲۶)

سید محمد عباس علی خاں بیتاب

۱۔ قبلہ! اس شعر پہ صاد ہے، وہ بہت خوب ہے۔

(مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن)، ص ص ۹۵-۱۰۱)

۲۔ قبلہ! قصائد و غزلیات و رباعیات کو بقدر اپنی فہم و فراست کے درست کر کے خدمت میں گزرانتا ہوں۔

(مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن)، ص ص ۱۰۶-۹۵) ۱۵ نومبر ۱۸۶۶ء

نامعلوم

۱۔ صاحب! میں کل تمھارا مسہل سمجھے ہوئے تھا۔

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

• ظہر علی اور عبداللہ

۱۔ اسداللہ بیگ کہ جس کا تخلص غالب اور خود اہلِ ہند کا مغلوب ہے۔

(تاریخ صحافت اردو جلد ۲ حصہ ۱، ص ص ۲۳۲) اکتوبر ۱۸۹۸ء

منشی نول کشور

۱۔ منشی صاحب! جمیل المناقب جناب منشی نول کشور کو دولت و اقبال و جاہ و جلال۔۔۔

(نگار، لکھنؤ، جون ۱۹۵۱ء، ص ۳۸)

مارچ ۱۸۶۳ء

۲۔ جناب صاحب مہتمم اخبار زاد مجدہم۔ آپ کے اخبار۔ ۱ ستمبر میں کالم ۹۲۱ پر نجم الدولہ میں مندرج ہے۔

(اودھ اخبار، لکھنؤ ۲۴ ستمبر ۱۹۶۳ء، ص ص ۲۲-۲۳)

ستمبر ۱۸۶۳ء

میر ولایت علی خاں عزیز و ولایت صفی پوری

۱۔ شفیق مکرم میر ولایت علی صاحب کو خدائے جہاں آفریں۔۔۔۔

(انشائے سید گل، ص ص ۱۵-۱۴)

۴ اپریل ۱۸۶۵ء

۲۔ جناب میر ولایت علی صاحب۔ واسطے اپنے جد کے میری تقریظات کیجیے

(انشائے سید گل، ص ۱۵)

۵ اپریل ۱۸۶۵ء

حکیم غلام نجف خاں

۱۔ لو صاحب یہ پندرہ بیتیں ہیں۔ تعمیر اس کی اس طرح رکھنا۔

(اصل خط)

۱۸۶۵ء یا ۱۸۶۳ء

۲۔ نہ بھائی یہ نہ سمجھو، سلطانی بمعنی سعد آتا ہے۔

(اصل خط)

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

۱۔ مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے۔

(مرقع فیض، ص ۹۲ ۔ جلوۂ خضر جلد دوم، ص ۲۱-۲۲۰ غالب اور صفیر بلگرامی،
ص ص ۱۸ ۔ ۴۶، سے ان خطوط کا متن لیا گیا ہے۔ ۱۰ مئی ۱۸۶۶ء

۲۔ مخدوم زادۂ مرتضوی دودمان سعادت و اقبال توامان، مولوی سید فرزند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔
(انشائے سبد گل ص ۱۳، مرقع فیض ص ص ۹۳-۹۲ ۔ جلوۂ خضر جلد دوم، ص ۲۲۳)
ص ص ۱۸ ۔ ۴۶ سے ان خطوط کا متن لیا گیا۔ ۲۶ مئی ۔ ۲ جون ۱۸۶۴ء

۳۔ نور نظر لخت جگر زبدۂ دودۂ پیمبر، حضرت مولوی سید فرزند احمد زاد مجدہ ۔
(مرقع فیض، ص ۹۳ ۔ جلوۂ خضر جلد دوم ص ۲۲۳) ۴ اپریل ۱۸۶۵ء

۴۔ بہ علاقۂ مہر و محبت نور چشم و سرور دل اور بہ رعایت سیادت . . . .
(انشائے سبد گل، ص ۱۹، مرقع فیض ص ص ۹۴-۹۲ ۔ جلوۂ خضر جلد دوم ص ص ۲۲۳-۲۰۱)
۲۲ اپریل ۱۸۶۵ء

۵۔ نور الابصار، ممتاز روزگار، زکی و راشد مولوی سید فرزند احمد . . . .
(انشائے سبد گل ص ص ۲۱-۲۰

۶۔ نور چشم و سرور دل، فرزانۂ مرتضوی نژاد، مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدہ۔
(مرقع فیض ص ۹۴، جلوۂ خضر، جلد دوم ص ص ۲۵-۲۲۴) ۳ مئی ۱۸۶۵ء

نواب زین العابدین خاں بہادر عرف کلن میاں

۱۔ بندہ پرور، آپ کا نامہ پہنچا۔ میں تو سمجھا تھا آپ مجھ کو بھول گئے۔
(مکاتیب غالب (پہلا اڈیشن) ص ص ۱۱۰-۱۰۹
مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن) ص ۹۰ ۲۵ مارچ ۱۸۶۶ء

۲۔ نواب صاحب والا قدر عظیم الشان سلمکم اللہ تعالیٰ
بعد سلام مسنون مشہود خاطر عاطر ہو۔

۱۹۱۵

(مکاتیب غالب' (پہلا اڈیشن، ص ص ۱۱۱ - ۱۱۰۔

مکاتیب غالب، (چھٹا اڈیشن) ص ۹۶۔ ۱۴ مارچ ۱۸۶۵ء

محمد حسین خاں

۱ شفقی و مکرمی جناب محمد حسین خاں صاحب کو فقیر غالب کا سلام پہنچے۔
آجکل، نئی دلی، ستمبر ۱۹۵۱ء
۱۱ اپریل ۱۸۶۰ء

۲۔ خاں صاحب مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو غلام کا سلام پہنچے
آج کل، نئی دلی، ستمبر ۱۹۵۱ء
۲۵ اپریل ۱۸۶۰ء

۳۔ شفیق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو فقیر اسداللہ خاں کا سلام
آج کل، نئی دلی، ستمبر ۱۹۵۱ء
۱۰ مئی ۱۸۶۰ء

۴۔ مشفقی او مکرمی محمد حسین خاں صاحب کو غالب آزردہ کا سلام پہنچے۔
مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن)
۲۵ فروری ۱۸۶۱ء

قاضی عبدالرحمٰن تحسین

۱۔ کماں سوزش پروانہ آخر
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)
۲۲ دسمبر ۱۸۶۱ء

۲۔ صاحب! پہلے تم کو اصلاح دنی بی بے اسٹامپ کے ٹکٹ بھیجنے کے باب میں...
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)
۸ جنوری ۱۸۶۲ء

۳۔ صاحب! یہ شخص جامع غیاث اللغات رامپور میں ایک ملا ئے مکتب دار تھا۔
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)
۱۶ جون ۱۸۶۲ء

۴۔ وحشتی دارد دلم بندم بہ زلف پُرخمش
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۵۔ صاحب، جیتے تو بتاؤ کہ تم نا فوبی کیوں رہ گئے۔

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۶۔ دردی ز جنوں تا بہ دماغ دل ما ریخت

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۷۔ حضرت میرا حال کیا پوچھتے ہو۔

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۸۔ گو نہیں کہ ہیبت زدۂ شوکت آنی

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۹۔ حوادث بہ معنی مصائب

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

نامعلوم

۱۔ خان صاحب! جمیل مناقب عمیم احسان ..... اس خط کی نقل سید قدرت نقوی صاحب نے بجنسہ عنایت فرمائی تھی۔

حکیم ظہیر الدین دہلوی

۱۔ میاں ظہیر الدین! انبیلی کے پھول کو دلی میں کیا کہتے ہیں؟

ہماری زبان ۱۵ اپریل ۱۹۹۰ء

ص ۱۴۲۰

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ قدر کے نام غالب کے خط مورخہ ۴ مئی ۱۸۶۲ء سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدر بلگرامی کو مطبع اودھ اخبار میں ملازمت مل گئی ہے۔ اس لیے یہ خط ۱۸۶۱ء یا اوائل ۱۸۶۲ء کا ہوگا۔

۲۔ خطوطِ غالب مہیش "آشنا" ندارد

۳۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط کی تاریخ کا تعین خط نمبر ۱ کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ غالب اپنے فارسی کلیاتِ نظم کا ذکر کر رہے ہیں۔

۴۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل نے لکھا ہے کہ: "اودھ اخبار کے شمارہ مجریہ ۲۳ دسمبر ۱۸۶۳ء میں منشی جی (منشی نول کشور) کے سفرِ دہلی کا ذکر ہے اور ان لوگوں کے نام جن سے نول کشور کی ملاقات ہوئی۔ چوں کہ اس سفر میں منشی جی فارسی کلیات طباعت کے لیے لائے ہیں..... یہ سفر نومبر کے آخر اور دسمبر کے اوائل میں ہوا تھا۔" (اردوئے معلیٰ ص ۱۱۰۸) فاضل صاحب کو سہو ہوا ہے۔ غالب کا کلیاتِ نظم مطبع نول کشور سے مئی یا جون ۱۸۶۳ء میں شائع بھی ہو چکا تھا۔ اس لیے نومبر اور دسمبر ۱۸۶۳ء کے سفر میں منشی نول کشور کا مسودہ اپنے ساتھ لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ص ۱۴۲۱

۱۔ تاریخ تحریر میں غالب نے ہجری اور عیسوی سنین نہیں لکھے۔ یہ ۱۲۷۸ھ اور ۱۸۶۲ء ہے۔ تقویم کی رو سے پنجم (۱۰) ذی القعدہ کو یکشنبہ ہے۔

ص ۱۴۲۳

۱۔ غالب نے تاریخ تحریر میں سنہ نہیں لکھا۔ دن، تاریخ اور مہینہ لکھا ہے۔ تقویم کی رو سے ۱۲۷۹ھ اور ۱۸۶۳ء ہے۔

۲۔ خطوطِ غالب مہیش "گئی"

ص ۱۴۲۴

۱۔ خطوطِ غالب "صاحب" ندارد۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب کو رابرٹ منٹگمری لفٹنٹ گورنر نے ۲۳ مارچ ۱۸۶۳ء کو خلعت دیا تھا۔ ملاحظہ ہو: غالب کا یوسف علی خاں ناظم کے نام خط مورخہ ۱۶ مارچ ۱۸۶۳ء، اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ یہ خط مارچ ۱۸۶۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۲۵

۱۔ مرزا عباس بیگ کی سفارش پر قدر بلگرامی جو دہلی ہائی اسکول میں فارسی کے استاد مقرر ہو گئے تھے

ص ۱۴۲۶

۱۔ خطوط غالب، مرزید علیہ اس پر "اس پر" زائد۔

ص ۱۴۲۷

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان میں محرق قاطع ۱۸۶۲ء میں "سوالات عبدالکریم" ۱۸۶۱ء یا ۱۸۶۲ء میں اور مولوی نجف علی کی "دافع ہذیان" ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس لیے یہ خط ۱۸۶۶ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۳۰

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ مولوی مہیش اسے ۱۸۵۰ء سے پہلے کا تحریر کرتے ہیں۔ لیکن انھوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ خط میں بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر اسے ۱۸۵۰ء سے پہلے کا قرار دیا جا سکے۔

ص ۱۴۳۵

۱۔ خطوط غالب مہیش۔ "سے" قوسین میں لکھا گیا ہے۔
۲۔ خطوط غالب مہیش۔ "بابا" مہیش نے حاشیے میں لکھا ہے کہ یہ لفظ غالباً "بابا" ہے
۳۔ مولوی مہیش نے اس خط کو ۱۸۶۵ء کا بتایا ہے۔ لیکن بغیر کسی دلیل کے یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ص ۱۴۳۶

۱۔ بہ قول مولوی مہیش "صاحب" سے مراد ولیم مینڈ فورڈ، ڈائرکٹر، تعلیمات اودھ ہے۔

۲۔ بقول مولوی مہیش راجا سے مراد "مہاراجہ مان سنگھ" ہے۔

۳۔ مرزا محمد عباس سے مراد ہے۔

۴۔ مولوی مہیش کا خیال ہے کہ یہ خط ۱۸۶۰ء میں لکھا گیا لیکن انھوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔

ص ۱۴۳۷

۱۔ خطوطِ غالب مہیش "دوسے"

۲۔ مولوی مہیش پرشاد نے اس خط کو ۱۸۶۱ء کا بتایا ہے اور کوئی دلیل نہیں پیش کی۔

ص ۱۴۳۸

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ پنج آہنگ میں تو مرزا غالب کا ایک خط ہے جس میں غالب نے لنگی کی فرمائش کی ہے اس پر تاریخ تحریر یکم دسمبر ۱۸۴۱ء ہے۔ زیر نظر خط میں بھی غالب نے لنگی کا تقاضا کیا ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ خط دسمبر ۱۸۴۶ء یا ۱۸۴۹ء کے اوائل میں لکھا گیا۔

ص ۱۴۳۹

۱۔ اردوئے معلیٰ مجتبائی حصہ دوم "دونو"

ص ۱۴۴۳

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غالب نے خط میں اپنی عمر اکہتر سال بتائی ہے۔ غالب رجب ۱۲۸۳ھ مطابق دسمبر ۱۸۶۶ء میں اکہتر سال کے ہوئے ہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ یہ خط ۱۸۶۷ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۴۴

۱۔ عودِ اوّل "خان"

۲۔ اردوئے معلیٰ۔ عودِ اوّل "میں"

۳۔ عودِ دوم "لال کنوی" ۱۸۵۵ء "

۴۔ اردوئے معلیٰ "اس کے پاس اور لکھمی کی دکان پر اس اشتہار کو بھیجا" ندارد۔

۵۔ اردوئے معلیٰ "لکھمی"

۸۔ عود ہندی میں مزہ ایدی" ہے جو غلط ہے۔ تجلیات اور بیاض دونوں میں" فرہ ایزدی " ہے۔
تجلیات "منطق کے بھی فرہ ایزدی "

۹۔ بیاض 'خدا داد ہے'، عود ہندی اور تجلیات "ہے" ندارد۔

۱۰۔ عود ہندی "ہے" حذف تجلیات اور بیاض دونوں میں "ہے" موجود ہے۔ تجلیات" پنی
حسن و قبح "آپنی" زاید۔

۱۱ تجلیات۔ تھا بجائے "ہے"

۱۲۔ تجلیات، بیاض۔ "اور"

۱۳۔ بیاض "کی ایک غلط ہے "کی" زائد۔

ص ۴۲۸

۱۔ بیاض قطع ندارد۔

۲۔ تجلیات کیوں کر نام نہ ہوگا۔

۳۔ بیاض "گا" ندارد

۴۔ اس قطعے کے بارے میں مرتضیٰ حسین فاضل نے "عود ہندی" (مطبوعہ مجلس ترقی ادب،
۱۹۶۵ء، ص ۵۰۰) میں لکھا ہے کہ نواب نورالدولہ لیث الملک محمد احسن خاں بہادر
محکم جنگ معروف نواب نادر مرزا نے کتاب کا قطعہ تاریخ لکھا:

چوں غالب شاعر مکرم
استاد سخن وران عالم
آں غیرت صائب و نظیری
واں رشک عراقی و ظہوری
سحبان زماں در فصاحت
حسانِ عصر در بلاغت
در حضرت عالم محقق
آں فاضل کامل مدقق

سر ہے۔ انھوں نے پہلی بار یہ خطوط "آج کل" (دہلی، فروری ۱۹۵۲ء) میں شائع کیے تھے۔ بعد میں "غالب کی نادر تحریریں" اور خطوط کے دوسرے مجموعوں اور رسالوں میں نقل ہوئے۔ خطوط کے عکس بُری حالت میں ہیں۔ بہت سے لفظ مٹ گئے ہیں۔ میں نے انڈیا آفس لائبریری لندن میں خود یہ خطوط نقل کیے تھے

ص ۱۴۶۰

۱۔ امتیاز الحق نے پہلی بار صحیفہ (لاہور، جولائی ۱۹۶۹ء، ص ۵۰) میں یہ خط شائع کیا تھا۔ اُن کا کہنا ہے کہ انھیں یہ خط ستمبر ۱۹۵۰ء کے ایک نقش لطافتیں رسالے میں ملا تھا۔ سال اور مکتوب الیہ کا نام نہیں معلوم ہوسکا۔

۲۔ یعنی نواب یوسف علی خاں ناظم

ص ۱۴۶۱

۱۔ غالب نے سنہ نہیں لکھا، لیکن یہ مسلّمہ ہے کیوں کہ خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب رام پور میں ہیں اور یہ غالب کا رام پور کا پہلا سفر ہے۔ اس لیے یہ سنہ ۱۸۶۰ء ہے۔ مکتوب الیہ کے بارے میں میرا ہلکا سا قیاس ہے کہ یہ خط مولانا الطاف حسین حالی کے نام ہے۔ لیکن اس قیاس کی بنیاد اس خط کا آخری فقرہ ہے۔ میرا ایک اور قیاس ہے کہ امتیاز الحق کو جو قلمی رسالہ ملا تھا، وہ پانی پت سے شائع ہونے والا حیاتِ نو ہے۔ لیکن یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ حیاتِ نو کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: غالب کے خطوط (جلد دوم ص ص ۹۶۳ – ۶۴)۔

ص ۱۴۶۲

۱۔ دیوانِ ناظم میں یہ غزل چودہ شعر کی ہے۔ غالب نے گیارہ شعر نقل کیے ہیں۔

۲۔ دیوانِ ناظم میں یہ غزل دس شعر کی ہے۔ غالب نے صرف ابتدائی تین شعر نقل کیے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غالب نے پوری غزل لکھی ہو لیکن خط کا آخری صفحہ یا آخری حصہ ضائع ہوگیا ہو۔

ص ۱۴۶۳

۔ اردوے معلّیٰ عطاے نادار

۱۴۲۵

۲۔ اردوے معلی "گستاخ"

۳۔ عود دوم "راوشوں"

۴۔ عود اول و دوم "ابتدا"

۵۔ اردوے معلی "و"

ص ۱۴۶۴

۱۔ اردوے معلی "شرمسار"

۲۔ اردوے معلی "اسی"

۳۔ اردوے معلی "موافق" عود اول و دوم "مطابق" سوال و جواب "و" ندارد۔

۴۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ اس خط میں غالب نے اپنی عمر ایک کم ستر برس بتائی ہے۔ اس حساب سے یہ خط ۱۸۶۴ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۶۵

۱۔ غالب نے کرامت علی کے نام اردو خط میں اپنے کچھ فارسی اشعار کی شرح لکھی تھی۔ کرپا رام مجبور نے اپنے تذکرے "غم نامۂ پرسوز" میں یہ شرح نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:
معنی این غزل حضرت مصنف مبرور رحمۃ اللہ علیہ بقلم خود نگاشتہ بمن داده بودند۔ ہو بہو بنگارش سے آید" (تحریر ص ۵۰)
(غم نامۂ پرسوز، حکم چند نیر، تحریر ۱۹ ص ص ۵۵-۳۱۔)

ص ۱۴۷۱

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط میں غالب نے لکھا ہے کہ "تمھیں خدا کو سونپ کر روانہ ہوا ہوں۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی، جاڑا ابھی چمکا نہ تھا" غالب کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رام پور کا دوسرا سفر ہے۔ اس سفر پر غالب ۸ اکتوبر ۱۸۶۵ء کو روانہ ہوئے تھے اور ۱۲ اکتوبر کو غالب رام پور پہنچے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۲ اکتوبر اور ۲۸ دسمبر ۱۸۶۵ء کے درمیان لکھا گیا۔

ص ۱۴۹۵

۱۔ غالب نے ہجری اور عیسوی سنین نہیں لکھے۔

ص ۱۴۹۶

۱۔ عودِ ہندی اوّل و دوم۔ یہ خط بہت ناقص حالت میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ اصل خط "طرہ"

۳۔ اصل خط میں یہاں عبارت غائب ہے۔

۴۔ خط کے عکس میں جو الفاظ نہیں ہیں، وہ مولوی مہیش کا اضافہ ہیں۔ رستم کے بعد "کے باپ کا نام اور وہ" اضافۂ مہیش۔

۵۔ "علم ہے" اضافۂ مہیش

۶۔ "دوسرے" اضافۂ مہیش۔

۷۔ "فرومایہ" اضافۂ مہیش۔

۸۔ غالب نے تاریخ تحریر میں دن اور تاریخ تو لکھے، سنہ نہیں لکھا۔ جنون کے نام ۸ ستمبر ۱۸۵۹ء کے خط میں غالب نے لفظ "طرح" پر بحث کی ہے۔ اس خط میں بھی اس لفظ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط بھی ۱۸۵۹ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۹۷

۱۔ عود اوّل "ما"

۲۔ عود دوم "یہ" ندارد۔

۳۔ عود اوّل "قریب"

۴۔ عود دوم "نافل"

۵۔ عود اوّل "وفات" ندارد۔

۶۔ تاریخ تحریر صرف "خطوطِ غالب" مرتبہ مولوی مہیش میں ہے۔

ص ۱۴۹۸

۱۔ "خطوطِ غالب" "ہول اور یہیں" ندارد۔

ص ۱۵۰۱

۱۔ جنون کا شعر تھا:

باعثِ ترکِ تکلف نہیں کھلتا مجھ کو
گالیاں دیتے ہوئے شفقِ من خیر تو ہے

ص ۱۵۰۲

۱۔ اصل خط میں بہت سے الفاظ کاغذ کی بوسیدگی کی نذر ہو گئے ہیں۔ "خطوطِ غالب" میں یہ عبارت مکمل ہے۔ غالباً مولوی مہیش نے قیاسی تصحیح کی ہے۔

۲۔ اردوئے معلّٰی، عودِ اول و دوم "میں" ندارد۔

ص ۱۵۰۳

۱۔ عودِ اول و دوم "محل"۔

۲۔ تاریخِ تحریر صرف "خطوطِ غالب" میں ہے۔

ص ۱۵۰۴

۱۔ اصل خط میں یہ قرأت "کیا" ہے۔ یہ بہ غالب معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اصل خط کے عکس میں یہ قرأت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ عکس بنانے کے عمل میں یہ لفظ رہ گیا ہو۔ یہاں لفظ "تو" بے موقع ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ پرتھوی چند، جنھوں نے عکس تیار کیا تھا، کی کارفرمائی ہے۔

ص ۱۵۰۵

۱۔ اصل خط "ہوا" ندارد۔

۲۔ اصل خط "و" ندارد۔

۳۔ تاریخِ تحریر صرف "خطوطِ غالب" میں ہے۔ مولوی مہیش نے سنین قوسین میں دیے ہیں۔

ص ۱۵۰۸

۱۔ اس خط کے اصل کا عکس نقوش کے "خطوط نمبر" جلد ۱ میں شائع ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ غزل "جنون" کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ غالب نے اس کاغذ پر اصلاح کی ہے اور خط لکھا

ہے تو پھر مولوی مہیش کو کہاں سے ملی۔ مولوی صاحب ذمہ دار آدمی ہیں اپنی طرف سے اضافہ نہیں کر سکتے۔ انھوں نے اس خط میں یہ ضرور کیا ہے کہ غالب نے اپنے اشعار کے شروع کے دو تین لفظ لکھے ہیں جبکہ مولوی مہیش نے ان الفاظ کو پورے شعر میں بدل دیا ہے۔ لیکن ایک پیراگراف کا اضافہ ہو جائے، یہ مولوی صاحب نہیں کر سکتے۔

ص ۱۵۱۶

۱۔ نقوش خطوط نمبر جلد ۱ میں یہ لفظ "بیتنہ" ہے۔ حالانکہ اصل خط میں یہ لفظ صاف "بجتی" پڑھا جاتا ہے۔ میرے خیال سے یہ کوئی [illegible] تھی۔

ص ۱۵۱۷

۱۔ اصل خط "مصراع"

۲۔ اردوئے معلیٰ "اتحاد و اتفاق"۔

۳۔ اردوئے معلیٰ میں خط ۲۵ بھی کی خط کا آخری حصہ ہے، جبکہ خطوط غالب، جلد اول و دوم میں خط ۲۵ علاحدہ خط ہے۔

ص ۱۵۲۱

۱۔ غالب نے خط کے آغاز میں تاریخ تحریر صرف "یکم، سہ شنبہ ۱۳ صفر سال غفر" لکھی ہے۔ خط میں قاطع برہان اور منشی غلام غوث خاں بے خبر کا ذکر ہے۔ غالب نے بے خبر کے نام ۱ اکتوبر، نومبر ۱۸۶۱ء کے خطوں میں جو کچھ لکھا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر خط ۱۸۶۲ء میں لکھا گیا ہوگا۔ غالب نے "سہ شنبہ" لکھا ہے لیکن تقویم کی رو سے یہ "دوشنبہ" ہے۔

ص ۱۵۲۲

۱۔ شعر یہ ہے:

ہر یک ز گل و لالہ چہار رنگ برآورد
بشنو ز تو زین بہ دو چہار رنگ برآورد

ص ۱۵۲۴

۱۔ اردوئے معلیٰ مجتبائی "بھجوایا" ندارد۔

ص ۱۵۲۵

۱۔ غالب نے ہجری اور عیسوی تاریخیں اور مہینے لکھے ہیں، سنین نہیں۔ یہ سنین ۱۲۸۰ھ اور ۱۸۶۳ء ہونے چاہئیں۔ ہاں، تقویم کی رو سے ۵ جمادی الاوّل کو ۱۸ اکتوبر ہے ۱۹ نہیں

ص ۱۵۲۶

۱۔ ذکا کا شعر یہ تھا:

ساقی ابھی چھنی کو نچوڑیں تو نکل آئے
پانی جو سکندر کو میسّر نہ ہوا تھا

ذکا کا مطلع تھا:

غافل کبھی مجھ سے وہ ستم گر نہ ہوا تھا
یعنی مجھے اندیشۂ محشر نہ ہوا تھا

مطلع ثانی تھا:

لائے تجھے یاں تک مجھے باور نہ ہوا تھا
عاشق تری دلالہ پہ میں ورنہ ہوا تھا

ذکا کا شعر:

رکھ چھوڑا اُدھر عالمِ بالا پہ قضا نے
طوبیٰ جو ترے قد کے برابر نہ ہوا تھا

ذکا کا شعر تھا:

اچھا کیا پہلے سے جو رخصت کی سُنا دی
مرنے کا مرے وقت مقرر نہ ہوا تھا

مقطع غالب کی تعریف میں:

قائل ہوں میں غالب کے ذکاؔ طرزِ سخن کا
ایسا کوئی دلّی میں سخنور نہ ہوا تھا

۲۔ دیوان صاحب کا وہ قلمی نسخہ جو حبیب اللہ ذکا کی ملک رہ چکا ہے، حیدرآباد کی مرکزی

لائبریری میں محفوظ ہے۔ مرزا حسین علی خاں مرحوم جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد کے شعبۂ انگریزی میں استاد تھے، انھوں نے یہ خط نگار (اپریل ۱۹۵۹ء، ص ص ۱۰-۹) میں شائع کرایا تھا۔ وہیں سے میں نے غالب کی نادر تحریریں" میں اور سید مرتضیٰ حسین فاضل نے "اردوئے معلّٰی" جلد دوم میں نقل کیا تھا۔

۳۔ غالب نے نواب شمس الامرا مختار الملک میر تراب علی خاں کی مدح میں ایک قصیدہ بھیجا تھا۔ غالباً تریسٹھ اشعار کا وہی قصیدہ ہے جو کلیات غالب میں شامل ہے اور جس کا مطلع ہے۔

در مدح سخن چساں نگویم
شرطست کہ داستاں نگویم

ص ۱۵۲۷

۱۔ نگار (اپریل ۱۹۵۹ء) میں تاریخ تحریر نہیں دی گئی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے غالب اور ذکا (ص ۴۸) میں ہجری و عیسوی تاریخیں درج کی ہیں۔

ص ۱۵۲۸

۱۔ تقویم کی رو سے ۲۸ نومبر کو شنبہ ہے

۲۔ اردوئے معلّٰی مجتبائی میں ۳ ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال ہے۔ یہ سنین ۱۲۸۲ھ اور ۱۸۶۵ء ہیں، عیسوی تاریخ یکم مئی نہیں ۲۹ اپریل ہے

ص ۱۵۳۲

۱۔ غالب نے تاریخ تحریر صرف ہجری میں لکھی ہے۔

ص ۱۵۳۳

۱۔ اردوئے معلّٰی مجتبائی میں ۱۸۶۶ء ہے۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے۔

ص ۱۵۳۴

۱۔ غالب کا یہ بیان درست نہیں۔ نواب نے کلکتے میں گورنر جنرل کے دربار میں شرکت ضرور کی تھی لیکن انھیں خلعت نہیں ملا تھا۔ اگرچہ ابھی تک کوئی ثبوت نہیں لیکن عین ممکن ہے کہ

غالب نے خلعت کی درخواست کی ہو، اگر غالب نے خلعت کے لیے درخواست کی تھی تو وہ منظور نہیں ہوئی۔

۲۔ اردوے معلیٰ مجتبائی میں تاریخ تحریر خط کے شروع میں ہے۔

ص ۱۵۳۵

۱۔ اردوے معلیٰ مجتبائی "لکھو" ندارد۔

ص ۱۵۳۶

۱۔ اردوے معلیٰ مجتبائی "سونگ" بجائے "سونگھ"۔

۲۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

ص ۱۵۳۸

۱۔ نواب یوسف علی خاں ناظم بقول مولانا عرشی "اس سال (۱۸۶۴ء) میں عارضۂ سرطان میں مبتلا ہو کر مسلسل چھ ماہ تک علیل رہے۔" غالب کے خطوط میں اس بیماری کا پہلی بار ذکر نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام ایک خط مورخہ ۸ نومبر ۱۸۶۳ء میں آیا ہے۔

ص ۱۵۳۹

۱۔ منشی بیل چند نے غالب کے خط مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۳ء کے جواب میں جو خط لکھا تھا، اُس میں لکھا تھا: "ایک مادہ تاریخ کا فدوی نے نکالا ہے، سو عرض کرتا ہوں۔ امیدوار ہوں کہ اس کے دو شعر موزوں فرما کر عنایت نامۂ موسومہ فدوی کے بیں عنایت فرمائیے:

کاٹ کر سر اعدا عرض کر تو اے منشی

بندگانِ عالی کا آج غسلِ صحت ہے

اس شعر کا مصرع ثانی مادۂ تاریخ ہے۔ چوں کہ اس کے اعداد ۱۲۶۶ء ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک عدد کا تخرجہ کیا گیا ہے۔ فقرہ "کاٹ کر سر عدا" بتاتا ہے کہ اگر سر عدا یعنی حرف الف کے عدد کو جو ایک ہے، مادۂ تاریخ میں سے کم کر دیا جائے تو اعدادِ مطلوبہ ۱۲۶۵ء حاصل ہو جائیں گے۔ چوں کہ یہ امر مادۂ تاریخ گوئی کے عین مطابق ہے، اس لیے مرزا صاحب نے اس پر جو اعتراض کیا ہے، وہ درست نہیں۔ مولانا امتیاز علی خاں

عرشی، مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن)، ص ۱۹۳

۲۔ شاہ کبیرالدین سہسرام کے ایک بزرگ تھے۔ بہ قول مولانا عرشی ان کے حالات کا علم نہ ہو سکا۔

۳۔ اگلا مہینا رجب کا نہیں رمضان کا تھا۔ غالب سے سہو ہوا ہے۔

ص ۱۵۴۰

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے منشی جی سے اس خط کی نقل مانگی ہے جو نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام غالب نے ۲۲ مارچ ۱۸۶۵ء کو لکھا تھا۔ وہ خط فارسی میں ہے اور مکاتیب غالب میں شامل ہے۔ اس لیے یہ اردو خط مارچ یا اپریل ۱۸۶۵ء میں لکھا گیا ہوگا۔

۲۔ مولانا عرشی نے یہ تینوں قصیدے مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن ص ص ۲۰۲ - ۱۹۶) میں نقل کیے ہیں۔

ص ۱۵۴۱

۱۔ اصل "جواب" ندارد

۲۔ غالب نے تاریخ تحریر میں صرف ۱۱ جون لکھا ہے۔ احسان حسین خاں اور اُن کے بھائی مظفر حسین خاں ۱۸۶۶ء میں لکھنؤ سے رام پور آئے تھے۔ اس لیے یہ خط ۱۸۶۶ء میں لکھا گیا۔

۳۔ اصل "خط کی" ندارد

۴۔ غالب نے خط پر تاریخ تحریر نہیں لکھی۔ مولانا عرشی نے خط کے متن سے تاریخ کا تعین کیا ہے۔

ص ۱۵۶۵

۱۔ اس خط کا عکس مجھے کاغذات مہیش پرشاد میں ملا تھا۔ اکبر علی خاں صاحب نے بھی مجھے اس کا عکس بھیجا تھا۔ اُن کا کہنا ہے کہ انھیں دلّی کے کباڑی بازار میں ایک بڑا سا لفافہ ملا تھا جس پر مہیش پرشاد لکھا ہوا تھا۔ لفافے کے اندر اس خط کا عکس تھا۔ اکبر علی خاں صاحب

نے جو خط بھیجا تھا اس میں دو خط اٹھے ہوئے تھے۔

ص ۱۵۶۷

۱۔ تاریخ صحافت "نگار" ندارد۔

۲۔ بہ قول مولوی امداد صابری "کمل الاخبار" اکتوبر ۱۸۶۲ء کے شمارے میں یہ خط چھپا تھا۔

ص ۱۵۶۸

۱۔ منشی نول کشور کے نام غالب کا یہ خط اودھ اخبار (۲۳ ستمبر ۱۸۶۲ء) میں شائع ہوا تھا۔ اودھ اخبار کا یہ شمارہ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دلی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ خط مہتمم اودھ اخبار کے نام ہے۔ ظاہر ہے یہ حیثیت منشی نول کشور کی تھی۔

۲۔ اودھ اخبار "اور" کے" زائد۔

ص ۱۵۶۹

۱۔ غالب کا یہ خط اودھ اخبار کے ۲۳ ستمبر ۱۸۶۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا اس لیے ستمبر ۱۸۶۲ء میں لکھا گیا ہوگا۔

۲۔ منشی نول کشور کے نام غالب کا یہ خط اودھ اخبار (۲۵ مارچ ۱۸۶۳ء) میں شائع ہوا تھا، جہاں سے سید مرتضیٰ حسین فاضل صاحب نے نگار (لکھنؤ، جون ۱۹۵۱ء ص ۳۸) میں اور ادو ے معلّٰی مرتبہ فاضل میں نقل کیا ہے۔ دونوں کے متن میں کم سے کم چھ اختلاف نسخ ہیں۔

ص ۱۵۷۰

۱۔ یہ خط اودھ اخبار کے ۲۵ مارچ ۱۸۶۳ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا اس لیے اوائل مارچ ۱۸۶۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۵۷۱

۱۔ تاریخ تحریر میں غالب نے صرف ۸ ذی قعدہ لکھا ہے۔ "پرستانِ خیال" کی طباعت ۱۲۸۱ھ میں ہوئی تھی۔ اس لیے یہ خط ۸ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ کو لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۵۷۲

۱۔ "انشائے سبد گل" میں تاریخ تحریر صرف ۹ ذی قعدہ ہے۔

۲۔ مرقعِ فیض "صاحب" ندارد۔

۳۔ مرقعِ فیض میں یہ خط یہیں تک نقل کیا گیا ہے۔

ص ۱۵۷۷

۱۔ جلوۂ خضر میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ یہ خط "دہم ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ ہجری یوم سہ شنبہ کو مارہرہ میں صفیر کو ملا۔ (تقویم کے مطابق عیسوی تاریخ ۱۷ مئی سنہ ۱۸۶۴ء) گویا غالب نے یہ خط ۱۲ مئی سنہ ۱۸۶۴ء مطابق ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ کو لکھا۔ مولانا مہر نے خطوطِ غالب میں اس کی تاریخ ۱۲ ذی الحجہ درج کی ہے، جو درست نہیں۔
غالب نے مذکورہ خط ارسال کرنے سے ایک روز قبل ایک مطبوعہ کتاب کا پارسل بھی صفیر کے نام بھیجا تھا۔ یہ مطبوعہ کتاب "مثنوی ابرِ گہر" تھی، جو صفیر کو غالب کے خط سے قبل ملی۔

۲۔ مرقعِ فیض، جلوۂ خضر "جناب" ندارد۔

۳۔ جلوۂ خضر جلد دوم اور "حکم دیا ہے" ندارد۔

۴۔ جلوۂ خضر جلد دوم "ریاضت کہاں" تک کی عبارت نقل کر کے "۱۲ غالب" کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

ص ۱۵۷۹

۱۔ مرقعِ فیض میں یہ خط "ہیں ختم" ہو جاتا ہے۔ پھر "نجات کا طالب غالب" لکھ کر "یوم الخمیس پنجم ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ" کے الفاظ درج کیے گئے۔ مشفق خواجہ صاحب نے اس تاریخ کے بارے میں بالکل درست لکھا ہے کہ سنہ اور تاریخ دونوں غلط ہیں۔
انشائے سبد گل، اور جلوۂ خضر میں تاریخ نہیں لکھی گئی۔ مرقعِ فیض میں تاریخ اور سنہ دونوں صریحاً غلط ہیں۔ یہ خط "مثنوی صبحِ امید" کی صحت کے ساتھ آیا تھا۔ مثنوی ۱ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ کو لکھی گئی تھی، اگر یہ دوسرے دن (۵ ذی الحجہ) ڈاک کے حوالے کی گئی ہو تو غالب کو چوتھے یا پانچویں روز (۱۳ یا ۱۴ ذی الحجہ) ملی ہوگی۔ تقویم کے مطابق ۱۲۸۰ھ میں ۹ یا ۲۶ ذی الحجہ کو جمعرات کا دن پڑتا ہے۔ ان میں یہ خط انھیں دو تاریخوں میں سے کسی

۱۳۔ صَفیر بلگرامی نے "جلوۂ خضر" جلد دوم میں اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ "اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ صفیر نے حضرت غالب کو لکھا تھا کہ پٹنہ کے لوگ آپ کے معما اور چیستان کے مشتاق ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کو معمائیں کامل سنا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت غالب نے تحریر فرمائی" (ص ۲۲۳)

۱۴۔ یہاں صفیر بلگرامی نے حاشیہ لکھا ہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے خط جو حضرت کو بھیجا تھا، اس کے القاب میں حضرت کا خطاب نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسداللہ خاں بہادر نظام جنگ بھی لکھا تھا اور "پرستانِ خیال" ترجمہ "بوستانِ خیال" میں جو شعرا کی فہرست ہے، اس میں یہ خطاب نہیں لکھا اور محمد رضا برق کا خطاب لکھا تھا۔ حضرت نے جب "پرستانِ خیال" کو دیکھا تو یہ شکایت مجھے لکھی۔ (جلوۂ خضر جلد دوم، ص ۲۲۴)

۱۵۔ "انشاے سبدگل" اور "جلوۂ خضر" (جلد دوم) میں یہاں نقطے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ کچھ عبارت ترک کر دی گئی ہے۔ 'مرقعِ فیض' میں نقطے نہیں ہیں۔

ص ۱۵۸۰

۱۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) "کیا" ندارد

۲۔ مرقعِ فیض "کیوں حضرت ..... نعم البدل نہیں" ندارد۔

۳۔ مرقعِ فیض اور جلوۂ خضر (جلد دوم) میں ہجری تاریخ ہے۔ ۲۵ ذی قعدہ کو تقویم کی رو سے جمعہ ہے شنبہ نہیں۔

۴۔ قاضی عبدالودود نے ثابت کیا ہے کہ صفیر بلگرامی کے نام غالب کا یہ خط جعلی ہے۔ آج کل ماہانہ، دہلی اگست ۱۹۵۲ء) مشفق خواجہ کو قاضی صاحب کی اس رائے سے اتفاق نہیں۔ انھوں نے جو دلائل دیے ہیں مجھے اُن سے اتفاق ہے۔

(غالب کا یہ خط متنازع فیہ ہے) اس کی تفصیل یہ ہے کہ صفیر کے پوتے سید وصی احمد بلگرامی مرحوم نے رسالہ "ندیم" گیا، بہار نمبر ۱۹۳۵ء میں "س ش ص" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا، اس میں انھوں نے صفیر کے خط کا ایک حصہ (ملازمت؟ ... تا ... شباب" کے بدلے") نقل کیا اور غالب کا ایک خط بھی درج کیا، لیکن اس کے بعض الفاظ

حذف کر کے متعلقہ مقامات پر نقطے لگا دیے۔ رسا ہمدانی نے غالب کا خط "نادر خطوطِ غالب" (ص ۵۸ - ۵۷) میں نقل کیا۔ انھوں نے یہ خط اس شش ص سے اخذ کیا اور سید وصی احمد کے پیش کردہ متن سے نقطے حذف کر کے عبارت کو مسلسل کر دیا۔ نیز شروع میں مقام و تاریخ (دہلی، ۲۸ نومبر ۱۸۶۳ء) کا اور آخر میں "نجات کا طالب غالب" کے الفاظ کا اضافہ کر دیا۔ تفصیلی دلائل کے لیے ملاحظہ ہو مشفق خواجہ کی غالب اور صفیر بلگرامی، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ص ۸۲ - ۸۸

ص ۱۵۸۲

۱۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) "رسپانڈنٹ"۔

۲۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) "نجات کا طالب غالب" ندارد۔

۳۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) ، چار۔ تاریخ صرف ہجری سنہ میں دی گئی ہے۔

ص ۱۵۸۳

۱۔ مکاتیب غالب (پہلا ایڈیشن) "اپنی"

۲۔ لارڈ لارنس سے مراد ہے۔

۳۔ چارلس سانڈرس سے مراد ہے۔

۴۔ اصل تلفظ "ریونیو بورڈ" ہے۔

ص ۱۵۸۴

۱۔ بہ قول مولانا عرشی "نسخے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اسے لکھ تو ۲۴ تاریخ ہی کو لیا تھا، مگر ارادہ تھا کہ ۲۵ کو پوسٹ کرائیں گے۔ اس لیے ۲۵ تاریخ لکھ دی تھی بعد ازاں از راہ عجلت ۲۴ ہی کو ڈاک میں ڈلوا دیا۔" اسی لیے متن میں تاریخ تحریر ۲۴ درج کر دی ہے۔

ص ۱۵۸۵

۱۔ محمد حسین خاں کے نام غالب کے تین خطوط دبدبۂ سکندری رامپور یکم جون ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوئے تھے جہاں سے اثر رامپوری نے آج کل (نئی دلی، ستمبر ۱۹۶۱ء

میں شائع کیے۔ یہاں انہی سے نقل کیے جا رہے ہیں۔

ص ١٥٨٦

١۔ غالب نے محمد حسین خاں کے نام خط میں پانچ شعر کا یہ قطعہ لکھا ہے اور تین دن بعد یعنی ۱۴ اپریل کو نواب کلب علی خاں کو جو خط لکھا اس میں بھی یہ قطعہ لکھا ہے لیکن صرف تین شعر لکھے ہیں اور دو شعروں کا متن بہت مختلف ہے۔ میرا خیال ہے کہ پہلے غالب نے پانچ اشعار کا قطعہ کہا تھا۔ بعد میں دو شعر قلم زد کر دیے اور باقی تین شعروں میں سے دو شعروں میں کافی تبدیلی کر دی۔

٢۔ خط نامکمل معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ غالب نے کوئی ایسی بات لکھی ہو جسے چھاپنا مناسب نہ سمجھا گیا ہو۔

ص ١٥٨٧

١۔ یہ خط بھی نامکمل نقل ہوا ہے۔

٢۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

٣۔ غالب کا یہ خط رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے مکاتیب غالب (چھٹا ایڈیشن) میں نقل کیا ہے۔

٤۔ اصل مسودہ میں "کے" ندارد۔

ص ١٥٨٩

١۔ مولوی مہیش پرشاد نے غالب کے خطوط دو جلدوں میں مرتب کیے تھے۔ پہلی جلد شائع ہو گئی تھی۔ دوسری جلد مرتب تو ہو گئی تھی لیکن مولوی صاحب ابھی اس پر نظر ثانی کر رہے تھے کہ خدا کو پیارے ہو گئے۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نے دوسری جلد کا مسودہ اور غالب سے متعلق مولوی صاحب کے تمام کاغذات حاصل کر لیے۔ افسوس ہے کہ دوسری جلد کا مسودہ تو انجمن سے غائب ہو گیا۔ کاغذات البتہ محفوظ ہیں لیکن بہت خستہ حالت میں۔ پانی میں بھیگنے کی وجہ سے کچھ کاغذات آپس میں چپک گئے ہیں۔ اور کچھ کی سیاہی اڑ گئی ہے۔

سہ ماہی حیات نو پانی پت میں قاضی عبدالرحمن تحسین پانی پتی کے کلام پر غالب کی اصلاحیں

قسط وار اکتوبر ۱۹۳۳ء، جنوری ۱۹۳۴ء، اپریل ۱۹۳۴ء، جولائی ۱۹۳۴ء، اپریل ۱۹۳۵ء کے شماروں میں شائع ہوئی تھیں۔ ان اصلاحوں کے ساتھ خطوط کی وہ عبارتیں شائع ہوئیں جو غالب نے لکھی تھیں۔ مولوی مہیش پرشاد نے یہ سب اصلاحیں بصورتِ خطوط نقل کر دی ہیں۔ انھی کے کاغذات سے یہ خطوط نقل کیے گئے ہیں۔ میں نے حیاتِ نو کے فائل کی بہت تلاش کی پانی پت اور ہریانہ کی بیشتر لائبریریاں کھنگال ڈالیں لیکن کہیں نہیں ملا۔ حیاتِ نو کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "غالب کے خطوط" جلد دوم ص ص ۹۶۳-۹۶۴۔ جس کاغذ پر مولوی صاحب نے یہ خط نقل کیا ہے اس کی پیشانی پر لکھا ہے "دیکھو حیاتِ نو جولائی ۱۹۳۴ء" اس کا مطلب ہے کہ یہ اس شمارے کا حوالہ ہے جس میں یہ خط شائع ہوا تھا۔

۲- مہیش کاغذات میں یہ خط دوبار نقل ہوا ہے۔ ایک کاغذ پر خط کے آخر میں تاریخ تحریر "۲۲ دسمبر" ہے اور دوسرے کاغذ پر یہ تاریخ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۱ء ہے۔ یہاں ۱۸۶۱ء قوسین میں ہے۔

ص ۱۵۹۴

۱- مہیش کاغذات میں ایک کاغذ پر تحسین کی تیرہ اشعار پر مشتمل ایک فارسی غزل نقل کی گئی ہے۔ غزل پر غالب کی اصلاح ہے۔ اس کاغذ کے حاشیے پر غالب کا خط نقل ہوا ہے اور کاغذ کی پیشانی پر قوسین میں "حیاتِ نو اپریل ۱۹۳۵ء" لکھا ہوا ہے

ص ۱۵۹۵

۱- مہیش کاغذات "نوہ"

ص ۱۵۹۶

۱- یہ خط سید قدرت صاحب نقوی کی دریافت ہے۔ انھوں نے ہی یہ خط مجھے عنایت کیا۔ اس خط میں نوروز علی خاں اور احسان خاں کا ذکر آیا ہے۔ غالب نے [illegible] کے نام (مورخہ ۱۳ فروری ۱۸۶۳ء) خط میں نوروز علی خاں کا اور منشی سیل چند کے نام (مورخہ جون ۱۸۶۰ء) خط میں احسان حسین خاں کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد کا "غالب نامہ" (نئی دلی جنوری ۱۹۹۱ء) میں اس خط پر عالمانہ مقالہ شائع ہوا۔ نذیر صاحب کو اس خط کے اصلی ہونے پر شبہ ہے۔ میرا بھی خیال ہے کہ جب تک کچھ اور شواہد نہ ملیں اسے اصل نہیں سمجھنا چاہیے۔

ص ۱۵۹۸

۱۔ حکیم ظہیر الدین دہلوی کے نام یہ خط اکبر علی خاں عرشی زادہ نے ہماری زبان میں شائع کرایا تھا لیکن انھوں نے اپنے ماخذ کی نشان دہی نہیں کی۔

جہانِ غالب

فہرست

۱۔ آزاد ، الگزنڈر ہیدرلی

(Alexander Heatherly) یہ ایک یا الکو کے نام سے مشہور تھے۔ غالب نے ان کا ذکر نواب میر مہدی مجروح اور یوسف مرزا کے نام کے خطوط میں کیا ہے۔ آزاد کے دادا جیمز ہیدرلی ۱۷۹۵ء میں بیوی بچوں کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ آزاد کے والد کا نام بھی جیمز ہیدرلی تھا۔ تیس سال تک برطانوی حکومت کے معمولی عہدوں پر فائز رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد جیمز ۱۸۳۲ء میں جھجر کے نواب فیض محمد خاں کے ڈیڑھ سو روپیہ مشاہرہ پر ملازم ہوئے۔ ان کا کام انگریزی دستاویزوں اور خط و کتابت کا ترجمہ کرنا تھا۔ ۱۶ اپریل ۱۸۵۰ء کو ان کا میرٹھ میں انتقال ہو گیا۔ جیمز نے پہلی شادی ایک انگریز خاتون اور دوسری شادی ایک مسلمان عورت سے کی تھی جس کے بطن سے آزاد پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جیمز ہیدرلی نے مسلم تہذیب کو اپنا لیا تھا اور اسی ماحول میں آزاد کی پرورش ہوئی۔

آزاد ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی کے بہت کم حالات ہمیں معلوم ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ اردو کے اچھے شاعر تھے اور نواب زین العابدین عارف کے شاگرد تھے۔ ان کی عمر بتیس سال کی تھی کہ جولائی ۱۸۶۱ء کو کسی نے الور میں انھیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ وفات کے وقت موصوف الور کی آرٹلری میں کپتان کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ تقرر صرف ایک سال کے لیے ہوا تھا۔ ۱۸۶۳ء میں آزاد کے بڑے بھائی اور ایک دوست شوکت علی نے ان کا دیوان مطبع احمدی آگرہ سے شائع کرایا۔ یہ دیوان ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

ملاحظہ ہو : European and Indo European Poets of Urdu and Persian, pp. 70-79

مزید مطالعے کے لیے : غالب کا ایک فرنگی شاگرد، مولانا عبدالماجد دریابادی، معارف اعظم گڑھ
اردو کا ایک ہند برطانوی شاعر از نثار احمد فاروقی، مشمولہ دراسات، مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۸۰ء

۱۹۲۲ء ۔ خم خانۂ جاوید، جلد ۱ ص ۲۷ ۔ سخن شعرا، ص ۲۲ ۔ قطعہ منتخب ص ۷ ۔ الگزینڈر حمید علی آزاد، ناظر حسن، آجکل، دہلی، مئی ۱۹۵۵ء ۔

۲۔ آزردہ، مفتی صدر الدین: ان کا ذکر مجروح، عبدالرزاق شاکر، مولوی عزیز الدین، سید احمد حسن مودودی، علائی اور کلب علی خاں کے نام کے خطوط میں آیا ہے۔ آزردہ لطف اللہ کشمیری کے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلی و نقلی کے ماہر تھے۔ عربی اور فارسی زبان و ادب پر بھی غیر معمولی قدرت تھی۔ شعر گوئی سے بھی دلچسپی تھی اور آزردہ تخلص کرتے تھے۔ ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء کو دلّی میں انتقال ہوا۔ پروفیسر مختار الدین احمد نے آزردہ کی چھے ایسی تصنیفات کا تعارف کرایا ہے جو دست برد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ دو پانچ ایسی تصنیفات کی تفصیل پیش کی ہے جو محفوظ رہ گئی ہیں۔ ان سے ایک تذکرہ بھی منسوب ہے جسے پروفیسر مختار الدین احمد نے شائع کرا دیا ہے۔

ملاحظہ ہوں: مفتی صدر الدین آزردہ، عبدالرحمن پرواز اصلاحی ۔ مفتی صدر الدین آزردہ کی کچھ نایاب و کمیاب تحریریں، مختار الدین احمد، سہ ماہی غالب نامہ، نئی دلّی، جولائی ۱۹۹۱ء، ص ص ۸۰۔ ۱۰۳۔ آزردہ کے اشعار، خلیق انجم، اردو نامہ، کراچی، اپریل و جون ۱۹۶۳ء ۔

۳۔ آشوب، امداد علی: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ دہلی کے سادات میں سے تھے۔ میر روشن علی خاں ذوق کے صاحبزادے اور میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے۔ اجداد میں کسی بزرگ کو بادشاہ وقت سے 'خانی' کا خطاب ملا تھا۔

کہا جاتا ہے استاد کا رنگ ایسا اپنایا کہ ان کے کلام پر استاد کے کلام کا شبہ ہوتا تھا۔ بہ قول شیفتہ ہر مجلس مشاعرہ میں شریک ہوتے اور اچھی غزل کہتے تھے۔

ملاحظہ ہوں: گلشن بے خار، ص ۔۔ تذکرۂ بہار بے خزاں و طور کلیم، ص ص ۲۲۔۲۳ ۔ تذکرہ جلوۂ خضر جلد ۱، ص ۔۔۔ گلستان سخن جلد ۱ ص ۵۳۳ ۔ تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا ص ۔۔۔ سخن شعرا ص ۳۲ ۔ گلشن ہمیشہ بہار ص ۔۔۔ طبقات الشعرائے ہند ص ۴۴۹ ۔

۴۔ آغا جان عیش: غالب نے میر مہدی مجروح کے نام خط میں آغا جان اور سید بدر الدین المعروف بہ فقیر کے نام خط میں منشی آغا جان لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ایک ہی شخص ہوں ورنہ اس کا بھی امکان ہے کہ دو الگ الگ شخص ہوں۔ آغا جان مفتی صدر الدین آزردہ کے سالے تھے۔ یہ محکمۂ ۔۔۔ میں مدتوں محرر رہے۔ بہت

مخیر اور نیک دل آدمی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد دلی سے فرار ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں گرفتار ہوئے لیکن بے قصور رہا کر دیے گئے۔

ملاحظہ ہو: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ص ۱۷۰، ۱۷۱، غدر کا نتیجہ، ص ۵۵۔

۵۔ آغا سلطان: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ آغا سلطان بخشی محمد علی خاں کے صاحبزادے تھے اور شاہ جلال الدین حیدر کے لڑکے راقم الدولہ ظہیر دہلوی کے بہنوئی تھے۔ یہ شاہی فوج میں بخشی تھے۔ ۱۸۵۷ء میں دلی سے فرار ہو کر مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے رام پور پہنچے۔ یہاں طویل عرصے تک رہے۔ جب عام معافی ہو گئی تو دلی آ گئے۔ بہت عسرت اور تنگ دستی کے عالم میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: داستان غدر، ص ۱۲۰، ص ۱۲۹۔

۶۔ آغا محمد حسین شیرازی: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین خاں علائی اور قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ آغا صاحب ایرانی نسل تھے۔ شعر گوئی کا ذوق تھا ناخدا تخلص کرتے تھے۔ ایران کے سفیر کی حیثیت سے سات سال کلکتے میں رہے لیکن بعد میں تجارت شروع کر دی۔ سخن گلشن کی تالیف (۱۸۶۸ء) کے وقت یہ کلکتے میں تجارت کر رہے تھے۔ تجارت کے سلسلے میں چین، پنجاب اور سندھ بھی گئے۔ انھوں نے پچاس ہزار شعر کہے تھے۔ دیوان مرتب ہو گیا تھا لیکن شائع نہ ہو سکا۔ انھوں نے غالب کے نام ایک خط میں غالب کی قاطع برہان کی تعریف کی تھی۔ غالب نے اس خط کا فارسی میں جواب دیا تھا جو پنج آہنگ میں شامل ہے۔

ملاحظہ ہو: سخن گلشن، ص ص ۹۹-۱۰۰، تکملہ مقالات الشعراء، ص ۵۹۰۔

۷۔ ابن سینا ابوعلی الحسین بن عبداللہ: غالب نے ان کا ذکر ضیاء الدین خاں نیر دہلوی، اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اگست ۹۸۰ء میں بخارا کے نواح میں افشنہ نام کے ایک قریے میں ولادت ہوئی۔ تیرہ برس کی عمر میں والد کے ساتھ بخارا آئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸ جون ۱۰۳۷ء کو ہمدان میں انتقال ہوا۔ وہیں مدفون ہوئے۔

ابن سینا کا شمار دنیا کے مشہور ترین سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک عظیم طبیب، فلسفی، ادیب، ریاضی داں اور علم فلکیات کے ماہر تھے۔ القانون فی الطب میں ان کی مشہور و معروف تصنیف ہے جو

تک چھ سو سال تک مشرق اور مغرب میں فنِ طب کی بنیادی درسی کتاب رہی ہے۔ ۱۵۹۳ء میں روم میں یہ پانچ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

ملاحظہ ہو: دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱، ص ص ۵۶۰-۵۷۶۔

۸۔ **ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت** : امامِ اعظمؒ کے لقب سے معروف ہیں۔ غالب نے ان کا ذکر علاء الدین خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ علومِ اسلامی کے بہت بڑے ماہر اور ایک فقہی مکتب کے بانی ہیں جس کے پیروکاروں کی اکثریت سنٹرل ایشیا اور ہندوستان میں پائی جاتی ہے۔ ۶۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا کوفے میں کپڑا بنانے کا کارخانہ تھا۔ عباسی خلیفۂ وقت منصور کی خواہش تھی کہ امامِ اعظم عہدۂ قضا قبول کرلیں لیکن آپ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ منصور نے انھیں قید کر دیا۔ ۷۶۷ء میں قید خانے ہی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ امامِ اعظم کا سب سے بڑا کارنامہ بقولِ ابنِ مبارک یہ ہے کہ انھوں نے آثار و احادیث سے شرعی احکام اخذ کرنے کے لیے ایک عقلی پیمانہ دیا جسے اصولِ فقہ کی اصطلاح میں "قیاس" کہا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو: اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱، ص ص ۷۸۸-۷۸۳۔

۹۔ **ایجرٹن، فلپ ہنری** (Philip Henry Egerton) : غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ ولیم ایجرٹن کے بیٹے تھے۔ ۹ اگست ۱۸۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۴۲ء میں ہندوستان پہنچے۔ ۱۸۸۰ء تک صوبہ شمال مغرب میں ملازم رہے۔ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۷ء تک دلی میں مجسٹریٹ رہے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامِ انقلاب کے دوران چھٹی پر تھے۔ آخر ۱۸۵۸ء میں ملازمت پر واپس آئے۔ ۱۸۵۹ء میں امرتسر، ۱۸۶۰ء میں راولپنڈی میں کمشنر ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں ریٹائر ہوئے اور ۱۷ جون ۱۸۹۳ء کو انتقال ہوا۔ کہ نومبر ۱۸۰۸ء کو انگریزوں کی فتح کی خوشی میں دلی میں چراغاں کا حکم ہوا تھا۔ اس موقع پر غالب نے چند روز قبل کا ایک فارسی قطعہ کہہ کر کمشنر کو بھیجا تھا۔ اس قطعے کے ایک شعر میں ایجرٹن کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

شد از سعیِ ہنری ایجرٹن بہادر
رواں ہر طرف جوئبارِ چراغاں

ملاحظہ ہو: Dictionary of Indian Biography, P. 133

۱۰۱۔ احسن اللہ خاں۔ احترام الدولہ عمدۃ الحکما معتمد الملک حاذق الزماں حکیم محمد احسن اللہ خاں بہادر ثابت جنگ : غالب نے ان کا ذکر متعدد خطوط میں کیا ہے۔ دہلی کے مشہور حکیم محمد عزیز اللہ خاں کے صاحبزادے اور مومن خاں مومن کے پھوپھی زاد بھائی تھے ۱۲۰۵ھ مطابق ۹۱-۱۷۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ حکیم احسن اللہ خاں پہلے نواب احمد بخش خاں والیٔ فیروز پور جھرکہ کے ملازم ہوئے، اُن کی وفات کے بعد نواب فیض محمد خاں والیٔ جھجر سے وابستہ ہو گئے۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد اکبر شاہ ثانی کے طبیب خاص مقرر ہوئے۔ جب بہادر شاہ ظفر تخت نشین ہوئے (۱۸۳۷ء) تو انھوں نے حکیم صاحب کی خدمات حاصل کرلیں۔ اکبر شاہ ثانی نے انھیں معتمد الملک حاذق الزماں کے خطابات سے نوازا تھا اور احترام الدولہ عمدۃ الحکما ثابت جنگ کے خطابات بہادر شاہ ظفر نے دیے۔ چونکہ حکیم صاحب بہت بڑے عالم اور کاروبارِ حکومت سے واقف تھے اس لیے بہادر شاہ ظفر نے انھیں اپنا مشیر خاص بھی بنا لیا۔ حکیم صاحب دہلی کے عوام و خواص میں بہت مقبول تھے لیکن ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں اُن کے رول نے انقلابیوں کو اور عوام کو اُن سے متنفر کر دیا تھا۔ اُن کی ہمدردیاں انگریزوں کے ساتھ تھیں۔ انقلابیوں کو اس کا اندازہ ہو گیا تھا اس لیے ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو انقلابیوں نے اُن کی حویلی کو آگ لگا دی اور سارا ساز و سامان لوٹ لیا۔ جس کی بنا یہ تھی کہ چاوڑی بازار میں انقلابیوں کے بارود کے ذخیرے کو حکیم احسن اللہ خاں کی سازش سے آگ لگا دی گئی تھی۔ جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو وفاداری کے باوجود وہ انگریزوں کے عتاب سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ تمام جائداد ضبط کر کے ان کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی گئی۔ بعد میں جائداد تو واگذار کر دی گئی لیکن نقل و حرکت پر بدستور پابندی رہی۔ پھر یہ پابندی بھی ہٹا لی گئی۔ حکیم صاحب دہلی سے بڑودہ چلے گئے اور وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں نے حکیم صاحب کا سنہ ولادت اس مصرع سے نکالا: "سن مولدش بودہ لفظ غریب" ۱۲۱۲ھ ورسن وفات اس مصرع سے: "بود سال فوتش "حکیم غریب"۔" ۱۲۹۰ھ

حکیم صاحب ادب نواز اور صاحب علم تھے۔ انھوں نے مومن خاں مومن کا فارسی دیوان مرتب کر کے ۱۲۷۲ھ میں مطبع سلطانی، دہلی سے شائع کرایا تھا۔ اس دیوان کا دیباچہ حکیم صاحب نے خود لکھا تھا۔ میری ذاتی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ اسی طرح اُن کے اہتمام میں مومن خاں کے فارسی خطوط کا مجموعہ "انشائے مومن" کے نام سے مطبع سلطانی پریس سے ۱۲۷۲ھ میں شائع ہوا۔ اس

کا دیباچہ بھی حکیم صاحب ہی نے لکھا۔ حکیم صاحب نے فرماں روایانِ ہند اور وزرائے ہند کے حالات پر "مرآۃ الاشباہ" کے نام سے فارسی میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جو غالباً چھپی نہیں۔ اس کا مخطوطہ بہ قول ڈاکٹر عبداللہ چغتائی برٹش میوزیم، لندن میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کی اردو تلخیص "مراۃ الاشباہ" ۱۸۶۳ء میں مطبع مرتضوی، دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

حکیم صاحب غالب کے مربی تھے اور غالب بھی حکیم صاحب کے بہت مداح تھے۔ اگرچہ غالب نے خود کبھی نہیں لکھا لیکن امکان یہی ہے کہ حکیم صاحب ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بہادر شاہ ظفر نے غالب کو خلعت اور خطابات سے نوازا اور خاندانِ تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر متعین کیا۔ حکیم صاحب اس تاریخ کا اردو مسودہ فراہم کرتے تھے اور غالب اُس کا فارسی میں ترجمہ کر دیا کرتے تھے۔

ملاحظہ ہوں: تاریخ عروجِ سلطنتِ انگلشیہ ہند ص ص ۶۶۴۔ بہادر شاہ کا روزنامچہ، ص ۱۳۲۔ حیاتِ جاوید، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، ص ۲۵۔ واقعاتِ دار الحکومت، جلد ۳، ص ص ۱۹۹-۲۰۰۔ جلوۂ صحیفۂ زریں ص ۱۵۷۔ ہندوستانی اخبار نویسی ص ص ۲-۸ اور ۲۸۸۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ص ۱۲۵-۱۲۶۔ سخن شعرا، ص ۱۴۔ ۱۸۵۷ء کے اخبار اور دستاویزیں، ص ص ۲۹۳-۲۹۵ اور ۲۵۴۔ مرآۃ الاشباہ اور حکیم احسن اللہ خاں، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، اردو، کراچی، جنوری، فروری، مارچ ۱۹۶۹ء، ص ص ۱۵۱-۲۰۵ Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan (اس کتاب کے حوالے عتیق صدیقی مرحوم نے دیے ہیں، میری نظر سے نہیں گزری) اطبائے عہدِ مغلیہ، ص ص ۴۲-۴۳۔ آثار الصنادید، باب چوتھا، ص ۳۵-۳۴

۱۱۔ احمد بخش خاں، نواب : غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور، علاء الدین احمد خاں علائی، ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں، نواب کلب علی خاں، مرزا شہاب الدین خاں ثاقب، امین الدین احمد خاں، حکیم غلام مرتضیٰ خاں اور مرزا امیر الدین احمد خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ نواب احمد بخش خاں، مرزا عارف جان کے بیٹے اور غالب کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروف کے بھائی تھے۔ ۱۷۶۵ء میں اٹک میں پیدا ہوئے۔ پہلے گوالیار میں ملازمت کی، پھر گھوڑوں کی تجارت شروع کر دی۔ کچھ عرصے بعد ریاست الور میں ملازم ہوئے اور بہت جلد مہاراجہ الور کا اعتماد حاصل کر لیا۔ جب ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے بھرت پور پر فوج کشی کی تو یہ بھی انگریزوں کی طرف سے لڑے۔ تیس سال تک

لارڈ لیک کے ماتحت فوجی خدمات انجام دیں جس کے صلے میں انھیں فیروزپور جھرکہ، سانگرس، پونا ہانا، سونک سونسا، بچھور اور نگینہ جاگیر میں عطا ہوئے۔ فخر الدولہ، دلاور الملک، رستم جنگ کے خطابات سے سرفراز ہوئے۔ مہاراجا بختاور سنگھ نے پرگنہ لوہارو انعام میں دیا۔ اکتوبر ۱۸۲۶ء میں انتقال ہوا۔ دہلی میں احاطہ درگاہ قطب صاحب میں مدفون ہیں۔

ملاحظہ ہوں: احسبار الغالب۔ تلامذہ غالب، ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ خاندانِ لوہارو کے شعرا، ص ۱۳۶۔ علم و عمل، ص ص ۲۱۸۔ ۲۱۴۔

۱۲۔ احمد حسین خاں : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور انور الدولہ شفق کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ غیاث الدولہ عمدۃ الملک حکیم رضی الدین خاں ارسلان جنگ کے چھوٹے بھائی تھے۔ مغل نسل سے تھے۔ صاحب خدنگِ غدر اور غالب نے ان کا نام احمد حسین خاں اور عبداللطیف نے محمد حسین خاں لکھا ہے۔ (۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، عبداللطیف کو غالباً سہو ہوا۔ احمد حسین خاں اور ان کے بڑے بھائی حکیم رضی الدین خاں ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب میں انگریزوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

ملاحظہ ہوں: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۵۶، ص ص ۱۹۲۔ ۱۹۴۔ خدنگِ غدر، ص ۸۴۔

۱۳۔ احمد حسین میر: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ میر روشن علی خاں فوق کے صاحبزادے اور امداد علی آشوب کے بھائی تھے۔

۱۴۔ احمد علی میر: غالب نے ان کا میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں اس طرح ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجروح کے دوستوں میں تھے اور مجروح کی وجہ سے غالب کے بھی ان سے دوستانہ مراسم تھے۔

۱۵۔ اڈمنسٹن جارج فریڈرک (Sir George Fredrick Edmonstone): غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، مرزا حاتم علی بیگ مہر، منشی شیو نرائن آرام، نواب یوسف علی خاں ناظم اور میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نیل بنجامن اڈمنسٹن کے لڑکے تھے۔ اپریل ۱۸۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۱ء میں صوبہ شمال مغربی میں تقرر ہوا۔ کچھ عرصے بعد ستلج کے کمشنر رہے۔ مختلف عہدوں پر

کام کرکے یکم مارچ ۱۸۵۳ء میں پنجاب کے فنانشل کمشنر ہوئے۔ ۱۸۵۵ء میں حکومتِ ہند کے امورِ خارجہ کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران یہ فارن سکریٹری تھے کچھ عرصے بعد صوبہ شمالی مغربی کے لفٹنٹ گورنر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۶۳ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: Dictionary of Indian Biography, pp 131-132

نیز نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کی درج ذیل دستاویزیں:

Foreign Department 178-179 F.C 14 June 1850 Foreign Department 238-239 F.C. 19 May, 1854

۱۶۔ **ارشاد حسین خاں**: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ خیرآباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد فرید الدین احمد مہاراجا پٹیالہ کے مدار المہام تھے۔ ارشاد حسین خاں، ٹونک کے میر تفضل حسین خاں کے چھوٹے بھائی تھے۔ ریاست ٹونک میں ملازم تھے۔ میر تفضل حسین خاں کی وفات کے بعد یہ سفارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔

ملاحظہ ہو: ٹونک میں مرزا غالب کے احباب، سید منظور الحسن برکاتی، تحریک دلی اپریل ۱۹۶۴ء ص ۷۸۔

۱۷۔ **اسفندیار بیگ**: غالب نے میر مہدی مجروح کے نام خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ "پنج آہنگ" میں ان کے نام غالب کا خط شامل ہے۔ جس میں غالب نے الور کی دیوانی کے عہدے پر فائز ہونے پر انھیں مبارک باد دی ہے۔ یہ بریلی کے رہنے والے تھے۔ پہلے نواب شمس الدین خاں والیِ لوہارو کے مختار کار تھے۔ نواب شمس الدین خاں کے مقدمے میں وکیل بن کر کلکتے گئے مگر ناکام رہے۔ نواب صاحب کو پھانسی لگنے کے بعد الور میں نائب دیوان ہو گئے۔ ۱۸۳۹ء میں یہ ریاست کے دیوان ہو گئے۔ الور کے دیوان نواب امین اللہ خاں عرف موجان اور ان میں اختلافات ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسفندیار بیگ نے موجان کو رشوت کے الزام میں گرفتار کرا دیا۔ کئی لاکھ روپیہ دے کر رہائی ہوئی۔

آخری عمر میں اندھے ہو گئے تھے ۱۸۶۲ء میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: کارنامۂ راجپوتگان، ص ۳۵۳۔ کارنامۂ سروری، ص ۱۴۔

صبحِ گلشن، ص ۲۰۔

۲۰۔ **الگزنڈر اسکنر** (Alexander Skinner) غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ غالب، علائی اور ضیاء الدین احمد خاں نیّر رخشاں کے دوستوں میں تھے۔ اور سکندر کے نام سے مشہور تھے۔ والد کا نام جیمز اسکنر تھا۔ سکندر ۲۱ جون ۱۸۲۶ء کو ہانسی میں پیدا ہوئے۔ ان کے بھائی تھامس اسکنر کی اولاد میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے جن میں سے بعض کی قبریں درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں ہیں۔

سکندر اردو میں شعر بھی کہتے تھے۔ ۶ جنوری ۱۸۶۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔ سکندر کے دادا لفٹنٹ کرنل ہرکولیس نے کشمیری گیٹ دہلی میں ایک گرجا گھر بنوایا تھا۔ یہ گرجا گھر آج بھی موجود ہے۔ اسی گرجا گھر میں سکندر اور اُن کے خاندان کے کچھ افراد کی قبریں ہیں۔ خود سکندر، اُن کی بیوی اور صاحبزادی کی قبریں اسی گرجا گھر میں ہیں۔ سکندر کی بیوی کی لوحِ قبر پر فارسی کا یہ قطعہ درج ہے:

کہ بانوے اسکز الک زنڈر آنکہ
بگزیدہ طریق عیسوی بہر نجات
سردار بہ خطاب الیس انیے
صد حیف کہ از قضاے حق یافت وفات
در بست و سوم ز جنوری یکشنبہ
ہجدہ صد و ہشتاد و یکم از سنوات

یہ قطعہ تاریخ ضیاء الدین احمد خاں نیّر رخشاں کا کہا ہوا ہے اور اُن کے دیوان "جلوۂ صحیفہ زریں" میں موجود ہے۔

سکندر کی لوحِ قبر پر خود اُن کے یہ چار اردو اشعار درج ہیں۔

هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيم

جس نے در کی ترے گدائی کی
اُس کو خواہش نہ پادشاہی کی
جس نے سینہ کیا نہ صاف اپنا
اس نے کیا خاک پارسائی کی

کار نیکی سے درگزر مت کر
اس میں جو ہو رضا الٰہی کی
اس سے بہتر ہے اسکندر تیرا
نکلے دم یاد میں الٰہی کی

ملاحظہ ہوں: واقعات دار الحکومت، جلد ا، ص ص ۲۶۴-۲۰۶۔ پنج دور، تعلیقات ص ۱۶۶۔ سبد چین، ص ۵۵، جلوۂ تحفۂ زریں، ص ۱۶۵۔

European and Indo European Poets of Urdu and Persian, pp. 95-100

۱۲۱۔ الٰہی بخش مرزا۔ ہدیت افزا خطاب، مرزا الٰہی بخش نام تھا۔ غالب نے اس کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، مجروح اور حسین مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ہندوستان کے غداروں میں اس کا نام سرفہرست ہے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں ہندوستانیوں کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ شخص بھی تھا۔ یہ بہادر شاہ ظفر کا سمدھی تھا۔ اس لیے ان سے بہت قریب داخل تھا۔ ایک ایک منٹ کی خبر انگریزوں کو دیتا رہا۔

مرزا فتح الملک بہادر عرف مرزا فخرو ولی عہد ثانی مرزا فخرو دہلوی نے اس کی بیٹی حاتم زمانی سے شادی کی تھی۔ اس رشتے کی وجہ سے اسے قلعے کے معاملات میں بہت دخل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کی کوششوں سے انگریزوں نے مرزا فخرو کو ولی عہد تسلیم کیا تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد جنرل بخت خاں، بہادر شاہ ظفر اور کچھ شاہزادوں کو لے کر دہلی سے لکھنؤ فرار ہونے والے تھے۔ یہ ابھی قطب صاحب کے راستے ہی میں تھے کہ ہڈسن کی ہدایت پر الٰہی بخش انھیں ہمایوں کے مقبرے میں لے آیا اور دوسرے دن گرفتار کرا دیا۔ اس نے ہڈسن کو اطلاع دی تھی کہ مغل شاہزادے مرزا ابوبکر، مرزا خضر سلطان اور مرزا مغل ہمایوں کے مقبرے میں چھپے ہوئے ہیں۔ ہڈسن انھیں گرفتار کر کے لایا اور دہلی دروازے پر ان تینوں کو گولی مار دی۔ انگریزوں نے غداری کے صلے کے طور پر الٰہی بخش کو بہت انعام و اکرام سے نوازا، اسے کل خاندان گورگانی کا پادشاہ مقرر کر دیا۔ حکومت ہند کے سکریٹری سی بیڈن نے پنجاب گورنمنٹ کے سکریٹری آر۔ ایچ۔ ڈیویز کو ایک خط میں اس کے بارے میں لکھا تھا کہ الٰہی بخش اپنے خاندان کے تمام افراد کے ساتھ رنگون   ب سے دور کسی اور مقام پر چلا جائے۔ گورنر جنرل کا خیال ہے کہ اگر الٰہی بخش اس لیے رنگون جانا پسند نہ کرے کہ وہاں بہادر شاہ ظفر ہیں تو وہ کراچی یا پیگو۔

مارشالوں یا ٹینا سیرم چلا جائے۔ غالباً برطانوی حکومت کا خیال تھا کہ یہ شخص خطرناک ہے جب ظفر کا نہیں ہوا تو ہمارا کیا ہوگا۔ الٰہی بخش ترکِ وطن کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے نہ جانے کیا عذر پیش کیا کہ ۲۳ جون ۱۸۶۰ء کو اسے دلی میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ غالب نے حسین مرزا کے نام ایک خط مورخہ ۹ نومبر ۱۸۵۹ء میں اس واقعے کے بارے میں لکھا ہے: "مرزا الٰہی بخش کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے۔ انھوں نے زمین پکڑ لی ہے۔ سلطان جی میں رہتے ہیں۔ عذر کر رہے ہیں۔ دیکھیے یہ جبر اٹھ جائے یا یہ خود اٹھ جائیں۔" ۲۱ مارچ ۱۸۷۸ء کو اس کا انتقال ہو گیا اور مرزا جہانگیر کے حجرے میں مدفون ہوا۔

ماخذ مضمون: قلعۂ معلیٰ کی جھلکیاں ص ص ۶۴-۵۶؛ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ص ص ۷۰، ۷۹۔ واقعاتِ دارالحکومت جلد ۲، صفحہ ۱۶۹-۱۷۰۔ ہڈسن نے ۲۸ نومبر ۱۸۵۷ء کو جی۔ بی ساندرس کمشنر و ایجنٹ شمال مغربی صوبہ جات دلی کو ایک خط لکھا تھا۔ اس میں بادشاہ کی گرفتاری اور اس گرفتاری میں الٰہی بخش کے رول پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہ خط نیشنل آرکائیوز نئی دلی میں محفوظ ہے۔ Foreign Department-Political Secret No. 56-57 N A I Foreign Pol 44 26 August, 1859

مرزا الٰہی بخش کے متعلق بہت بڑی تعداد میں دستاویزیں ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیوز دلی میں محفوظ ہیں۔ جو اس کی وطن دشمنی اور غداری کی آئینہ دار ہیں۔

۲۲۔ امام الدین خاں، حکیم: غالب نے حکیم امام الدین خاں کا ذکر علاء الدین خاں احمد علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ پاک پٹن کے رہنے والے اور حکیم غلام رضا خاں کے صاحبزادے تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں شاہی طبیب تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے انتقال کے بعد بہادر شاہ ظفر کے ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصے مہاراجا رندھیر سنگھ کپورتھلہ کے پاس بھی رہے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد دہلی سے چلے گئے تھے۔ کچھ عرصے بعد واپس آئے تو مٹکاف نے انھیں پھر شہر سے نکال دیا اور یہ قطب صاحب میں رہنے لگے۔ یہاں سے بنارس اور پھر ٹونک چلے گئے۔ ٹونک ہی میں ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء-۱۸۶۵ء) میں انتقال ہوا۔

حکیم کوثر چاندپوری نے اطبائے عہدِ مغلیہ میں علمِ طب پر ان کی آٹھ تصنیفات کے نام لکھے

کے نام سے ۱۲۶۷ھ میں مطبع مہاراجہ ملکر بہادر سے شائع ہوا۔ ۱۴ مارچ ۱۸۵۲ء کو جب مہاراجا نکو راو کو ریاست کا نظم و نسق سپرد ہوا تو انھوں نے امید سنگھ کو دو مواضع کرونہ اور بھوان جو پرگنہ دیپال پور میں تھے۔ بطور جاگیر عطا کیے۔ اس جاگیر کی سالانہ آمدنی چھ ہزار روپے تھی۔ پانچ سو روپے ماہانہ تا زندگی اور سو روپے ماہانہ پشت در پشت وظیفہ مقرر کیا۔ مشیر الدولہ راے بہادر کے خطابات سے نوازا۔ امید سنگھ جب دہلی آئے تو میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔

۱۸۵۷ء میں انقلابیوں نے ان کا گھر بھی لوٹ لیا تھا۔ غالب سے ان کی ملاقات ستمبر یا اکتوبر ۱۸۵۸ء میں ہوئی۔ امید سنگھ کے مالی تعاون سے غالب کی دستنبو کا پہلا اڈیشن شائع ہوا تھا۔ منشی جی نے مطبع کو پچاس کتابوں کی قیمت پچیس روپے ادا کی تھی۔ خود دس کتابیں لیں اور باقی چالیس غالب کو دے دیں۔

۴ نومبر ۱۸۶۱ء کو اکیاون برس کی عمر میں آگرے میں انتقال ہوا۔ منشی جی نے بھگوت گیتا کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ سنسکرت متن اور حواشی کے ساتھ ۸۰۰ صفحات پر ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔

ملاحظہ ہوں: امید سنگھ، قاضی عبدالودود، معاصر، پٹنہ، جلد ۲، حصہ ۷، ص ص ۹۶-۹۹

دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ص ۶۶-۶۹۔ مولانا امداد صابری نے دہلی کی یادگار ہستیاں میں لکھا ہے کہ منشی امید سنگھ کے لڑکے نانک چند نے اپنے خاندان کے مختصر حالات ایک کتابچے کی شکل میں ۳۱ اگست ۱۸۹۹ء کو ۴۲ صفحوں پر تحریر کیے جس سے میں نے ان کے خاندان کے حالات اخذ کیے۔"

مولانا نے کتابچے کا نام نہیں بتایا۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ص ص ۱۷۹-۱۸۰۔ غدر کی صبح و شام۔

۲۷۔ امیر خسرو، ابوالحسن نام اور یمین الدین لقب: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح، خواجہ غلام غوث خاں بے خبر، مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب، چودھری عبدالغفور سرور، نواب نور الدولہ شفق، مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ امیر خسرو ترک تھے اور "ہزارہ لاچین" نامی ایک ترک قبیلے سے ان کا تعلق تھا۔ امیر خسرو کے والد ترک وطن کرکے ہندستان آگئے۔ یہاں پٹیالی ضلع ایٹہ اتر پردیش میں سکونت اختیار کرلی۔ خسرو ۶۵۱ھ میں پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھویں برس میں تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ فارسی، ترکی اور عربی میں مہارت رکھتے تھے۔ کھڑی بولی میں بھی شعر کہتے تھے۔ فن موسیقی کے ماہر تھے۔ مختلف امرا اور بادشاہوں سے متوسل رہے۔ ۷۲۵ھ میں

انتقال ہوا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کی تصنیفات کی تعداد ۹۹ سے ۱۹۹ تک بتائی ہے لیکن اس میں بہت مبالغہ ہے۔ اب تک اُن کی جو تصنیفات دستیاب ہوئی ہیں ان میں پانچ دیوان ہیں: (۱) تحفۃ الصغر (۲) وسط الحیوٰۃ (۳) غرۃ الکمال (۴) بقیہ نقیہ (۵) نہایت الکمال خسرو نے نظامی کے انداز میں خمسہ کہا ہے۔ جس میں پانچ مثنویاں ہیں۔ (۱) مطلع الانوار (۲) شیریں و خسرو (۳) مجنوں و لیلیٰ (۴) آئینہ سکندری (۵) ہشت بہشت۔ ان کے علاوہ دوسری مثنویاں ہیں۔ (۱) قران السعدین (۲) مفتاح الفتوح (۳) دول رانی خضر خاں (۴) نہ سپہر۔ ان کی نثری تصنیفات کے نام ہیں: (۱) اعجاز خسروی (۲) خزائن الفتوح ان کے علاوہ پانچ منظوم رسالے ہیں جو متفرقات جواہر خسروی کے نام سے

ملاحظہ ہو: کلیاتِ غزلیاتِ خسرو، ص ص ۵۰-۵۶

۲۸۔ امیر علی، امیر: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ انھوں نے غالب کی "دستنبو" کے پہلے اڈیشن کی کتابت کی تھی۔ یہ شاعر تھے اور تخلص امیر تھا۔ انھوں نے مرزا حاتم علی مہر کی مثنوی "شعاعِ مہر" کی بھی کتابت کی تھی اور اس کا قطعہ تاریخ بھی کہا تھا، جو مثنوی کے ساتھ شائع ہوا۔

ملاحظہ ہو: شعاعِ مہر، ص ۱۴۰۔

۲۹۔ انوار الحق، مولوی: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور انوار الدولہ شفق کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے والد محمد احسان الحق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی دسویں پشت میں تھے۔ احسان الحق کے چار بیٹے تھے۔ انوار الحق، وحید الحق، سیف الحق ادیب، شرف الحق۔ انوار الحق راجپوتانے کی ریذیڈنسی کے میر منشی تھے۔ کافی عرصے ریاست بھرت پور کی وکالت بھی کی۔ صاحب علم آدمی تھے۔ مولوی مملوک علی اور مفتی صدر الدین آزردہ کے شاگرد رہے تھے۔ انھوں نے منظور الحق کے فارسی تذکرے "منظر العجائب" کے لیے چار سو شاعروں کے حالات لکھے تھے۔ محمد امداد صابری نے ان کی دو تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ اقتباس الانوار اور بستی تمین:

۲۶ ستمبر ۱۹۰۰ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہوں۔ واقعاتِ دار الحکومت، جلد ۳، ص ص ۳۰۴-۳۰۵۔ تم خانۂ جاوید، جلد ۲،

ص ص ۱۹۷-۱۹۸۔ تاریخ صحافت اردو، جلد ۳، ص ۲۷۹۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ص ۱۶۸-۱۷۱

۳۰۔ انوری، اوحدالدین محمد : غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور، مرزا رحیم بیگ، مرزا ہرگوپال تفتہ، یوسف مرزا، اور غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا نام "علی بن اسحٰق" لکھا ہے۔ ایران کے چھٹی صدی ہجری کے شعرا میں بہت ممتاز ہیں۔ انوری کے قصیدوں کو غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۵۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: گنج سخن، ۲۱۷-۲۱۶۔

۳۱۔ اہلی شیرازی، شیخ محمد : غالب نے ان کا ذکر تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ ۸۵۸ھ کے لگ بھگ شیراز میں پیدا ہوئے۔ بہت غربت اور تنگ دستی میں زندگی گزاری۔ ۹۴۲ھ میں انتقال ہوا۔ شیراز میں خواجہ حافظ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ملاحظہ ہو: کلیاتِ اشعار مولانا اہلی شیرازی، ص ص ۱-۶۔

۳۲۔ ایاز : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور یوسف مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ پہلی بار ان کا ذکر مجروح کے نام ایک خط مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں اور آخری بار مجروح ہی کے نام ایک خط میں مورخہ جون ۱۸۶۲ء میں ملتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ ایاز ڈھائی تین سال سے زیادہ غالب کی ملازمت میں نہ رہے ہوں۔

۳۳۔ بالمکند : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ یہ دہلی کے رہنے والے اور شیوجی رام برہمن کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران جب غالب بالکل تنہا اور بے یار و مددگار ہو گئے تو بالمکند اور اُن کے والد نے غالب کو بہت سہارا دیا۔ غالب نے ہنگامے کے ان دنوں کا ذکر کرتے ہوئے "دستنبو" میں لکھا ہے: "اس کے (شیوجی رام برہمن) کے لڑکے، بالمکند جو نیک چلن اور پارسا ہے نے اپنے باپ کی طرح میری قرباں پذیری کی۔" (فارسی سے ترجمہ)۔

ملاحظہ ہو: دستنبو، ص ۴۰۔

۳۴۔ بدرالدین خاں، خواجہ امان : خواجہ امان کے نام سے مشہور تھے۔ غالب نے ان کا ذکر حکیم غلام نجف خاں، علاء الدین احمد خاں علائی اور شمشاد علی بیگ رضوان کے نام خطوط میں کیا ہے۔

کر کے قید میں ڈال دیا تھا۔ ۱۸ جنوری ۱۸۲۶ء کو انگریزی فوج نے بھرت پور کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ درجن سال کو گرفتار کر کے الٰہ آباد بھیج دیا اور مہاراجا بلونت سنگھ کو پھر مسند نشین کر دیا۔ بلونت سنگھ نے ۱۸۵۳ء میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: ریاض الامراء ص ۸۲۔ ۸۴

۳۷۔ **بلیک صاحب** (Blake) ۱۸۳۵ء میں جب جے پور کے راجا جے سنگھ کا انتقال ہوا، تو اُس وقت جھوٹا رام مختار تھا۔ اُس نے راجا جے سنگھ سوم کو زہر دے دیا۔ تاکہ مہاراجا رام سنگھ گدی کا حق دار ہے اور چوں کہ رام سنگھ صرف سترہ مہینے کے تھے اس لیے یہ مختار بنا رہے۔ گورنر جنرل کے ایجنٹ کرنل آلوس نے جے پور پہنچ کر جھوٹا رام کو دائم الحبس کر دیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ چاہتے تھے کہ جھوٹا رام کے طرف داروں کو برطرف کر کے راول نامی ایک شخص کو دیوان بنا دیں۔ اس موقع پر کرنل آلوس اپنے اسسٹنٹ بلیک کے ساتھ راول کو دیوان کے عہدے پر فائز کر کے محل سے واپس جا رہے تھے کہ جھوٹا رام کے ایک طرف دار نے کرنل آلوس کو تلوار سے زخمی کر دیا۔ بلیک نے مجرم کو گرفتار کر کے قید خانے میں بھیج دیا۔ بلیک کے کپڑوں پر کرنل آلوس کے خون کے چھینٹے پڑے ہوتے تھے، جب وہ شہر پہنچا تو لوگ سمجھے کہ بلیک نے راجا رام سنگھ کو قتل کر دیا۔ سینکڑوں آدمی اس پر دوڑ پڑے۔ وہ بھاگ کر ایک مندر میں گھس گیا۔ جہاں مندر کے پہرہ داروں نے اُسے قتل کر دیا۔ اس ہنگامے میں تین چپڑاسیوں، ایک چتر دار اور ایک فیل بان کو بھی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

ملاحظہ ہو: کارنامہ راجپوتگان، ص ۳۲۷

۳۸۔ **بے صبر، منشی بال مکند** : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں اس طرح کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بے صبر، غالب کے شاگرد تھے اور غالب نے انھیں بڑی تعداد میں خطوط لکھے تھے مگر بے صبر کے نام غالب کے یہ خطوط ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ضائع ہو گئے ہوں۔ بے صبر ۱۸۱۳ء میں قصبہ سکندر آباد ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ یہ بھٹناگر کایستھ تھے۔ والد کا نام کانہہ سنگھ تھا۔ سری رام اور مرزا کلب حسین خاں نادر نے والد کا نام کانجی مل لکھا ہے، جو درست نہیں۔ بے صبر فارسی اور عربی سے واقف تھے۔ ریاضی، نجوم، ہیئت، منطق، ویدانت اور تصوف میں بھی خاصی دستگاہ تھی۔ سترہ سال کی عمر میں بے صبر محکمۂ پرمٹ میں ملازم ہوئے اور کچھ عرصے بعد کلکٹری بلند شہر سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۸۶۳ء میں پنشن لے کر

خانہ نشین ہوئے۔ ان کے چار صاحبزادے تھے۔ کرشن چندر سروپ، برہما سروپ، ہر سروپ اور بینی سروپ۔ ہر سروپ اور بینی سروپ کا ان کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا۔ بے صبر نے ان دونوں کے نوحے لکھے تھے جو سراپا سخن کے نام سے فروری ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئے۔ ۱۳ فروری ۱۸۸۵ء کو بے صبر کا میرٹھ میں انتقال ہوگیا۔ اب تک ان کی دس تصنیفات کا پتا چل سکا ہے۔ (۱) دیوانِ اول اردو (۲) دیوانِ دوم اردو (۳) دیوانِ فارسی (۴) دیوانِ قصائد اردو (۵) مثنوی لختِ جگر۔ یہ درد انگیز مثنوی مطبع خورشید جہاں تاب سہارن پور سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری میں موجود ہے (۶) مثنوی اخگرِ عشق (۷) سراپا سخن، فروری ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔ تین نثری تصانیف ہیں۔ رسالہ بدیع البدائع۔ یہ کتاب مطبع دبدبۂ ہند، بلند شہر سے ۱۸۶۹ء میں چھپی (۹) رسالہ ادیب البنیات (۱۰) گلستانِ ہند نثر۔ گویا کل چار کتابیں شائع ہوئیں اور باقی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔
بے صبر کا کلیات پروفیسر گوپی چند نارنگ کو دستیاب ہوا تھا۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اردوئے معلیٰ دہلی (شمارہ ۱ جلد ۱، فروری ۱۹۶۰ء) میں اس کلیات کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔

ملاحظہ ہوں: تلامذۂ غالب، ص ص ۵۰-۵۶ ۔ ا مغانِ گوکل پرشاد، ص ۱۷ ۔ منشی بال مکند بے صبر، وریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، العلم کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء، ص ص ۴۰-۴۴ ۔ منشی بالمکند بے صبر، وریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، ہماری زبان علی گڑھ، ۸ دسمبر ۱۹۶۰ء۔ تذکرہ آثار الشعرائے ہنود، ص ص ۳۳-۳۷ ۔ بہارِ سخن، ص ص ۸۶، ۸۷ ۔ تذکرہ نادر، ص ۴۴ ۔ منشی بالمکند بے صبر، مختار الدین احمد، ہماری زبان علی گڑھ، ۱۵ جون ۱۹۵۵ء۔ مرزا غالب کے ایک شاگرد: منشی بالمکند بے صبر، اکبر حیدری، نیا دور لکھنؤ، مئی ۱۹۵۸ء، ص ص ۱۲-۱۹ ۔ خم خانۂ جاوید، جلد ۱، ص ص ۶۹۲-۶۹۳ ۔ غالب اور بے صبر، خواجہ احمد فاروقی، اردوئے معلیٰ دہلی، فروری ۱۹۶۰ء، ص ص ۱۱۰-۱۲۹ ۔ آثارِ ادبیہ، مختار الدین احمد، ہماری زبان علی گڑھ، ۸ اگست ۱۹۵۵ء۔ غیر معروف شعرا، مختار الدین احمد، ہماری زبان علی گڑھ، یکم جولائی ۱۹۵۵ء۔ منشی بالمکند بے صبر، سوانح دھولپوری، اردو ادب، دسمبر ۱۹۵۵ء، ص ص ۹۲-۱۱۹

۳۹۔ بی وفادار: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ غالب کی ملازمہ تھیں۔ غالب نے بہت دل چسپ انداز میں ان کی وفات کی خبر لکھی ہے: بی وفادار جن کو تم بخوبی اور بھائی خوب جانتے ہیں، اب تمہاری پھوپھی نے انھیں ... بیگم ... ساتھ ... ہیں سو وہ تو گیا ہیں گی

مگر خلیق اور ملنسار ہیں۔ رستہ چلتوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ محل سے نکلیں گی ممکن نہیں کہ اطراف شہر کی سیر نہ کریں گی، ممکن نہیں کہ دروازے کے سپاہیوں سے باتیں نہ کریں گی، ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو لے جا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ "یہ پھول تائی چچا کے بیٹے کی کائی کے ہیں" شرح: تمہارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں۔

۴۴۔ بیدل، عبدالقادر : غالب نے اُن کا ذکر مولوی ضیاء الدین خاں ضیا، مرزا ہرگوپال تفتہ، انور الدولہ شفق، چودھری عبدالغفور سرور اور غلام نجف کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اُن کے علاوہ بھی غالب کی نظم و نثر میں بیدل کا حوالہ کسی نہ کسی طرح بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ آیا ہوگا۔ ابتدائی دور میں غالب کا بیدل سے متاثر ہونا سب کو معلوم ہے۔

بیدل ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ء) میں بقول پروفیسر سید حسن بنگال کے مقام اکبر نگر عرف راج محل میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے کہ اُن کے والد مرزا عبدالخالق کا انتقال ہو گیا۔ کچھ ہی عرصے بعد والدہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ بیدل کے چچا مرزا قلندر نے اُن کی پرورش اور تربیت کی۔ بیدل نے ریاضی، طبیعیات، علم نجوم اور نجوم میں دستگاہ حاصل کی تھی، موسیقی میں بھی مہارت تھی۔ بیدل کا سلسلۂ نسب ایران کے خاندان مظفریہ کے فرماں روا شاہ منصور بادشاہ فارس و ممدوح خواجہ حافظ سے ملتا ہے۔ ان کے اسلاف ماوراءالنہر سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ جوانی میں شمال ہند آئے اور شاہ عالم بن عالمگیر کے بیٹے سلطان معز الدین کے حقیقی ماموں مرزا سلیمان کے ساتھ کئی سال رہے۔ سلطان معز الدین کی وفات کے بعد اعظم شاہ بن عالمگیر کے لشکر میں ملازم ہو گئے۔ ایک دن بادشاہ کو خبر ملی کہ لشکر میں ایک شاعر بیدل نامی ہے۔ اُس نے مزاحاً کہا: لشکر میں جہاں جوانان مرد ہیں بیدل کا کیا کام؟ بیدل نے جب بادشاہ کا یہ قول سنا تو فوراً دلی چھوڑ کر متھرا چلے گئے۔ وہاں کے حاکم لعل محمد خاں نے اُن کی بہت تواضع کی۔ یہ اُن کے ساتھ رہنے لگے۔ لعل محمد خاں کی وفات کے بعد بھی یہ ڈیڑھ سال وہیں رہے اور پھر میوات کے قصبہ نارنول کے حاکم شکر اللہ خاں نے انھیں اپنے پاس بلایا۔ لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بیدل شہزادہ محمد معظم کی فوج میں ملازم تھے اور پانچ صدی منصب اور داروغہ توشک خانہ کے عہدے پر مامور تھے۔ کچھ دن ملازمت کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔

۱۱۳۳ھ میں دلی میں انتقال ہوا۔ خود کھیڑیاں گذر گھاٹ طرف جل میں اپنے مکان میں مدفون ہوئے۔ یہ جگہ اب "باغ بیدل" کہلاتی ہے، اور پرانے قلعے کے سامنے ہے۔

دلی ٹونک کے زمانے میں ٹونک میں ملازم ہوئے۔ غالباً ان کے ذمے سفارت کا کام تھا۔ جب نواب وزیرالدولہ نے رائے نرنجن لال وکیل کو برطرف کیا تو میر تفضل حسین خاں کو صفر ۱۲۵۳ھ کو باقاعدہ سفارت کے عہدے پر مامور کر دیا۔ ان کے بھائی ارشاد حسین اور دو لڑکے سید ضامن حسین اور سید احمد حسین بھی ریاست ٹونک میں ملازم تھے۔ غالب نے ۱۲۶۰ھ میں میر تفضل حسین خاں کی معرفت نواب وزیرالدولہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا تھا۔ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء-۱۸۵۴ء) میں میر تفضل حسین خاں کا انتقال ہوا۔ غالب کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ ۲۲ دسمبر ۱۸۵۳ء کے خط میں تفتہ کو لکھتے ہیں: ہائے ہائے، میر تفضل حسین خاں ہائے ہائے:

رفتی و مرا خبر نہ کردی

بر بے کسیم نظر نہ کردی

ان کے بیٹے احمد حسین خاں کو ریاست ٹونک میں ان کی جگہ پر مقرر کیا گیا۔ افتخار حسین مضطر خیرآبادی ان کے بیٹے اور جاں نثار اختر ان کے پوتے ہیں۔ غالب نے ان کی وفات پر تیرہ اشعار پر مشتمل ایک قطعہ تاریخ وفات بھی کہا تھا۔ اس قطعہ کا مطلع ہے:

چوں تفضل حسین خاں کہ نہ بود

کس نظیرش بہ شیوہ و ہنجار

ملاحظہ ہو: ٹونک میں مرزا غالب کے احباب، سید منظور الحسن برکاتی، تحریک، دہلی، اپریل ۱۹۶۹ء ص ۷۔ میر تفضل حسین خاں، منظور الحسن برکاتی، شاعر، بمبئی، ۱۹۶۹ء، غالب نمبر، ص ص ۱۶۵-۱۵۹۔

۲۶۴ تفضل حسین خاں، نواب: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ نواب تجمل حسین خاں والیٔ فرخ آباد کے بھتیجے اور نواب عنایت حسین خاں نصرت جنگ کے صاحبزادے تھے (ولادت ۲۶ اکتوبر ۱۸۲۷ء)۔ چوں کہ نواب تجمل حسین خاں لاولد تھے۔ اس لیے ۱۸۴۶ء میں ان کی وفات پر نواب تفضل حسین خاں مسند نشین ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب میں انھوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اس لیے گرفتار کر کے مکے بھیج دیے گئے تھے۔ ۱۸۸۲ء میں وہیں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تاریخ فرخ آباد، ص ص ۲۰-۱۵۲۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ۱۹۸۹ء، فرسٹ ایڈیشن، ص ص ۶۸-۶۹۔

ٹریولین، سر چارلس ایڈورڈ، بیرونیٹ (Sir Charles Edward, Baronet Trevelyan): غالب

مرتب کیا تھا۔ جس کی تقریظ غالب نے لکھی تھی۔ جاکوب نے گوالیار میں مکان بنایا تو ان کی فرمائش پر غالب نے سات شعر کا ایک فارسی قطعۂ تاریخ لکھ کر بھیجا۔ انھوں نے ایک کنواں بھی تعمیر کیا تھا۔ غالب نے اس کنوئیں کا بھی سات شعر کا ایک فارسی قطعہ کہا تھا۔ جاکوب کو پسند نہیں تھی کہ غالب اردو میں شعر کہیں۔ اس لیے وہ فارسی میں شعر کہنے کی غالب کو ترغیب دیتے تھے۔

جان جاکوب ترقی کرتے کرتے جنرل ہو گئے تھے۔

ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی میں اُن کی تاریخ وفات ۵ دسمبر ۱۸۵۸ء بتائی گئی ہے، جو درست نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ غالب نے جاکوب کی وفات کا ذکر قہر کے نام اس خط میں کیا ہے جو غالب نے بجھیم دا مارچ ۱۸۵۸ء سے پہلے لکھا تھا۔ ممکن ہے جاکوب کی وفات ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو ہوئی ہو۔ پوری کوشش کے باوجود مجھے جاکوب کا فارسی کلام دستیاب نہیں ہوا۔

ملاحظہ ہو:

Dictionery of Indian Biography, p 219 Fifty-seven, pp 24-25

"باغ دو در" مرتبہ وزیر الحسن عابدی، ص ۱۳۹ European poets of Urdu and Persian, pp

53 51 رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں کہ جاکوب ۱۸۵۷ء کے انقلابیوں سے لڑتے ہوئے مخبیہ کے ہاتھوں مارے گئے۔ جان جیکب کے بارے میں تقریباً چھتیس سرکاری دستاویزیں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ ہیں۔ یہ دستاویزیں ان کے تقررات اور تنخواہ وغیرہ کے بارے میں ہیں: Foreign Deptt Decennial

Index 1850-59 I to L

۴۹۔ جانی بیج ناتھ: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ جانی بہاری لال رتند، آرامی کے بھائی تھے۔

۵۰۔ جعفر علی، مولوی: غالب نے مولوی جعفر علی کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ مولوی افضال علی کے صاحبزادے اور ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے۔ وہ ۱۸۲۲ء کو ان کی ولادت ہوئی۔ دلی کالج میں تعلیم پائی۔ دلی میں مسجد حامد علی خاں کے پیش امام تھے اور دلی کالج میں یعنی تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، اردو اور فقہ پڑھاتے تھے۔ پنے زمانے کے مشہور شاعر تھے۔ بقول صاحب تذکرہ بے بہا" خوش گلو ایسے تھے کہ روگیر آپ کی آواز سن کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ بغاوت کے زمانے

دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد حکومت نے جاسوسی کے صلے میں رائے بہادر کا خطاب اور جاگیر دی
انھوں نے ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ بھی لکھا تھا جس کا اردو ترجمہ خواجہ حسن نظامی نے "غدر کی صبح و شام" کے
نام سے کیا ہے۔ یہی وہ منشی جیون لال ہیں جنھوں نے غالب کے سکہ کہنے کی جاسوسی کی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی شورش
کے دوران یہ دہلی ایجنسی میں میر منشی تھے، ناکام انقلاب کے کافی دن بعد تک اس عہدے پر کام کرتے رہے.
اور پھر آنریری مجسٹریٹ بنا دیے گئے۔ ۴ اپریل ۱۸۸۱ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: غدر کی صبح و شام، دہلی کی یادگار ہستیاں ص ص ۴۴۳-۴۴۴ ـ غالب اور شاہانِ
تیموریہ ص ص ۱۰۱، ۱۰۶، ۱۰۷ ، ۱۰۹ نیز ملاحظہ ہو ڈپارٹمنٹ آف آرکائیوز دہلی کی درجِ ذیل دستاویز :

D.C. 18/J 11 6 18go

۵۳ ۔ حافظ شمس الدین : خواجہ حافظ کے نام سے مشہور تھے۔ غالب نے ان کا ذکر علاء الدین
احمد خاں علائی، مرزا ہرگوپال تفتہ، قدر بلگرامی، شہاب الدین ثاقب اور منشی علی مارہروی کے نام خطوط
میں کیا ہے۔ شہاب الدین کے یہ جد تھے۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم ہوئی
ہیں ۷۲۶ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ سید شریف جرجانی اور شمس الدین عبداللہ شیرازی سے تعلیم حاصل
کی۔ حافظِ قرآن تھے، اس لیے حافظ کہلائے جاتے تھے ۷۹۱ھ یا ۷۹۲ھ میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: دولت سمرقندی، ص ص ۲۷۰-۲۷۳ ـ لسان الغیب خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی
ص ص ۱، ۱۲۔

۵۴ ۔ حامد علی خاں، نواب میر : یہ فضل علی خاں نائب شاہ اودھ کے بھانجے اور داماد تھے.
یہ نواب فضل علی وہی ہیں جنھوں نے لکھنؤ میں ایک کالج کے لیے ایک بڑی رقم کا ٹرسٹ بنایا تھا اور ان کے
نام کا کتبہ لکھنؤ میں آج بھی موجود ہے۔ فضل علی خاں کے انتقال پر ان کی بیٹی حاجی بیگم کو جو حامد علی خاں
سے منسوب تھیں ترکے میں تیس لاکھ روپیہ نقد اور بہت سامان ملا۔ نواب صاحب نے لکھنؤ چھوڑ کر دلّی
میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ کچھ روپیہ شاہی خزانے میں جمع کر دیا جس سے ساڑھے چار ہزار روپے
ان کو بطور سود ملتا تھا۔ خیال ہے سود عقیدتاً نہ لیتے ہوں۔ احسن الاخبار کے ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۷ء کے
کئی شماروں میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ نواب حامد علی خاں نے بادشاہ سے اپنے ایک لاکھ کئی ہزار روپے کا
مطالبہ کیا، یہ رقم واپس نہیں کی گئی۔ کیونکہ ۲۲ ستمبر ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں غالب نے میر مہدی مجروح

کو لکھا ہے کہ حامد علی خاں کی ایک لاکھ بیس ہزار کئی سو روپے کی ڈگری بادشاہ پر ہو گئی۔ ظفر سے تو اس رقم کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پتا نہیں برطانوی حکومت نے یہ رقم ادا کی یا نہیں۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے دوران نواب صاحب بادشاہ کے مقربوں میں تھے۔ جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو انھوں نے ہڈسن کو ایک لاکھ روپیہ دے کر دہلی سے پانی پت کے پاس ایک بستی بہست جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ یہ اُن کا آبائی وطن تھا۔ کچھ ہی دن میں کرنال کے کلکٹر چڑھتے دو سو سواروں کے ساتھ ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ سارا ساز و سامان لوٹ لیا اور گھر کے مردوں اور ملازموں کو گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا حامد علی بائیس مہینے حوالات میں رہ کر فروری ۱۸۵۹ء میں ارسطو جاہ اور خلیفہ محمد حسین کی کوششوں سے رہا ہوئے۔ تمام جائداد حکومت نے ضبط کر لی اور یہ روٹیوں کو بھی محتاج ہو گئے۔

نواب حامد علی خاں کی بیوی حاجی بیگم کے کچھ مکانات دہلی کو بہتر بنانے کے لیے گرائے گئے تھے۔ ان مکانات کی زمین اور عملے کی قیمت حکومت نے ۹۳۷۰/- روپے طے کی تھی۔ غالباً حامد علی خاں کی وفات کے بعد اُن کی بیوی حاجی بیگم کو یہ رقم ادا کی گئی

ملاحظہ ہو: قیصر التواریخ، جلد ۲، ص ص ۴۶۳ - ۴۶۵۔ عروج سلطنت عہد سلطنت انگلشیہ ہند ص ۱۹، ۱۸۵۷ء کے اخبار اور دستاویزیں، ص ص ۳۹۹ - ۴۰۰۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ص ۱۸۵ - ۱۸۶۔ غدر کے صبح و شام، ص ۶۰۔ مزید دیکھیے ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیوز، دہلی کی درج ذیل دستاویز

Ll (18/ 46 D. C. 5/1866

۵۵۔ حزیں، شیخ جمال الدین ابو المعالی محمد علی: غالب نے ان کا ذکر سیف بلگرامی اور چودھری عبد الغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اُن کے والد کا نام ابو طالب تھا۔ اُن کا ۱۱۸۰ھ میں ۹۴ برس کی عمر میں اصفہان میں انتقال ہوا۔ حزیں ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۰۳ھ کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔ حزیں نے اصفہان کے عالموں سے حدیث و فقہ، علم ہیئت، تفسیر، منطق، طب اور ہندسہ جیسے علم حاصل کیے۔ حزیں کی جوانی کی زندگی پریشان حالی میں گزری۔ دس سال تک ایران کے مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے رہے۔ ۱۰ رمضان ۱۱۴۶ھ کو عازم ہند ہوئے اور باقی زندگی ہندوستان ہی میں گزاری۔ ہندوستان کے مختلف شہروں میں گھومتے رہے۔ دہلی میں عمدۃ الملک میر خان انجام کے توسط سے محمد شاہ بادشاہ کے دربار تک رسائی ہوئی۔ محمد شاہ نے خاصی پذیرائی کی۔ دہلی سے بنگال اور پٹنہ ہوتے ہوئے

بنارس پہنچے، آخر میں فقیری اختیار کر لی۔ بنارس ہی میں ۱۲۸۱ھ میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: دیوانِ حزیں، ص ص ۱-۸

۵۶۔ حسن علی: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ سید تھے اور ان کے والد جان محمد شاہی ملازمت میں رہے تھے۔ غالب نے ان کے بارے میں علائی کو لکھا تھا کہ حسن علی "دوا سازی میں یگانہ، کتاب داری میں یکتا ہیں۔"

ملاحظہ ہو: جہانِ غالب از مفتی عبد الودود، معاصر پٹنہ، حصہ ۴، ص ص ۲۵-۲۶

۵۷۔ حسن علی خاں: غالب نے نواب حسن علی خاں کا ذکر میر مہدی مجروح اور منشی شیونرائن آرام کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب نجابت علی خاں رئیس جھجر کے بیٹے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران یہ دہلی میں تھے اور اکثر بہادر شاہ ظفر کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں عبد الرحمن خاں والی جھجر بھی۔ وہ بہادر شاہ ظفر کی مدد کر رہے تھے۔ دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد مع اہل و عیال دہلی سے فرار ہو کر گوالیار پہنچے۔ وہاں سے دھول پور جا کر روپوش ہو گئے۔ ملکہ معظمہ کے اشتہارِ امان کے بعد گرفتار ہوئے اور اکبر آباد لے جائے گئے۔ یہاں کپتان [illegible] کمشنر آگرہ کی سفارش پر رہا ہو کر یکم جنوری ۱۸۵۹ء کو دہلی واپس آئے اور کمشنر کی اجازت سے [illegible] میں رہنے لگے۔ ان کے صاحبزادے سعادت علی خاں بلند ہمت تھے مگر [illegible] دہلی سے دو ماہ بعد [illegible] چلے گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔ حسن علی خاں کا اپنے بھتیجے نواب فیض محمد خاں والی جھجر سے کچھ اختلاف ہو گیا تھا۔ بنا بریں حکومت کے حکم سے انہیں ریاست سے تین ہزار روپے ماہانہ ملتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں یہ رقم بند ہو گئی اور حکومت سے سو روپے ماہوار کی پنشن مقرر ہوئی۔ بہت خستہ حالی اور پریشانی کے عالم میں ان کا انتقال ہوا۔ غالب نے ۲۲ ستمبر ۱۸۶۱ء کے خط میں مجروح کو ان کے انتقال کی خبر دی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ قریبی زمانے ہی میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تتمۃ التواریخ، جلد ۲، ص ۴۶۱۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۸۰۔ واقعاتِ دار الحکومت، جلد ۲، ص ۱۲۶۔ [illegible] کی ڈائری، ص ۱۰۱۔ اس ڈائری میں کئی بار اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ [illegible] نے حسن علی خاں کی تنخواہ کے تین ہزار روپے پیش کیے۔ صاحب ایجنٹ بہادر نے حسن علی خاں کے آدمی کو دلوا دیے۔ غدر کا نتیجہ، ص ۶۳

۵۸۔ حکمت اللہ: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں صرف ایک بار کیا ہے۔ آگرے

میں غالب کے ایک دوست میر قاسم علی تھے۔ دہلی بھی آتے رہتے تھے۔ میر قاسم کے دوست حکمت اللہ نے غالب کے پتے سے ان کے نام خط بھیجا تھا۔ غالب، حکمت اللہ سے آشنا نہیں تھے، کیوں کہ انھوں نے لکھا ہے کہ: "کوئی میاں حکمت اللہ ہیں۔"

حمزہ خاں: غالب نے ان کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ مجھے ان کے حالات کہیں نہیں ملے۔ خطوطِ غالب سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی میں علاءالدین احمد خاں علائی کے اتالیق تھے۔ بعد میں یہ الور چلے گئے تھے۔ وہاں ممکن ہے کہ علائی کے بچوں کو پڑھاتے ہوں۔ انھوں نے ایک دفعہ علائی کی معرفت غالب کو ترکِ شراب کی نصیحت کی اور غالباً یہ بھی کہلوایا تھا کہ شراب پینے والا مشرک ہوتا ہے۔ غالب نے علائی کے نام ایک خط میں اس نصیحت کا خاصا طویل جواب دیا تھا اور غصے میں لکھی تھی: "در بے کے منبوں کے لونڈوں کو پڑھ کر مولوی مشہور ہونا اور رسائل ابوحنیفہ کو دیکھنا اور مسائل حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور بات اور ہے عرفاء کے کلام سے حقیقت حقہ وحدت وجود کو ذہن میں دل نشین کرنا اور بات۔" غالباً ان ہی حمزہ خاں کے بارے میں غالب نے علائی کو لکھا تھا: "سنتا ہوں کہ حمزہ خاں کو ان دنوں صحبت مشائخ کا ذوق ہے اور سعدی کی اس بیت پر عمل کرتے ہیں۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند

بہ آواز دولاب مستی کنند"

۶۰۔ حیا، مرزا رحیم الدین: غالب نے ان کا ذکر منشی نبی بخش حقیر، مرزا ہرگوپال تفتہ اور نواب کلب علی خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے والد مرزا کریم الدین رسا، شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے۔ حیا ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء-۱۷۹۸ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شطرنج کے بہت اچھے کھلاڑی اور ستار نوازی میں کمال حاصل تھا۔ شاعری میں شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد مستقل طور پر رامپور چلے گئے جہاں نواب کلب علی خاں نے انھیں اپنا مصاحب بنایا۔ حیا کا ایک دیوان ۱۸۵۵ء سے پہلے شائع ہوا تھا۔ اس دیوان پر غالب اور صہبائی نے تقریظیں لکھی تھیں۔ ایک دیوان دوم مرتب کیا تھا۔ سری رام نے ان کے دو دیوان اور ایک دسواخت کا ذکر کیا ہے۔ تیسرا دیوان بھی مرتب کیا تھا جو بقولِ سری رام ضائع ہوگیا۔ سری رام نے لکھا ہے کہ نواب کلب علی خاں کی وفات کے کچھ دن بعد ان کا انتقال ہوا۔ اس حساب سے ان کا انتقال ۲۱ مارچ ۱۸۸۷ء کو ہوا ہوگا۔

ملاحظہ ہو: خمخانۂ جاوید جلد ۲، ص ۵۱۰-۵۱۲۔ گلستانِ سخن، جلد ۱، ص ۳۰۸۔

۳۱۴۔ انتخاب یادگار، ص ص ۱۱۹۔۱۲۰۔ قاموس المشاہیر، جلد ۱، ص ۲۶۰

۶۱۔ **خاقانی، حسان العجم افضل الدین (بدیل ابراہیم)**: غالب نے ان کا ذکر سیاح، منور، مولوی نعمان احمد اور ذوقانی میر منشی و تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔

فارسی کے بہت مشہور شاعر تھے۔ خاقانی تخلص تھا۔ حسان العجم اور افضل الدین ان کے لقب تھے۔ خاقانی کے والد نجیب الدین علی بڑھئی تھے اور دادا جولاہے تھے۔ اپنے چچازاد بھائی وحید الدین عثمانی سے تعلیم پائی۔ شاعری میں ابوالعلا گنجوی کے شاگرد تھے۔ کچھ عرصے تک خاقان فخر الدین منوچہر بن فریدون شروان شاہ سے وابستہ رہے اور بادشاہ سے بہت قیمتی انعام و اکرام حاصل کیے۔ کچھ عرصے بعد بادشاہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے رہے۔ ایک عرصے بعد پھر شروان شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ نہ جانے بادشاہ سے کس بات پر بگڑی کہ اس نے قید کر دیا۔ ایک سال بعد رہائی ہوئی۔ ۵۸۲ھ اور ۵۹۵ھ کے درمیان انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تاریخ ادبیات ایران، جلد ۲، ص ص ۷۷۶۔۷۸۰

۶۲۔ **خوب چند چین سکھ**: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ کسی بھی کتاب میں ان کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا۔ غالب کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی کے مہاجن تھے۔

۶۳۔ **ذوق، محمد ابراہیم**: غالب نے ذوق کا ذکر منشی نبی بخش حقیر، یوسف مرزا، میر مہدی مجروح اور چودھری عبدالغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ خاقانی ہند، ملک الشعراء، عمدۃ الاساتذین اور خان بہادر خطابات تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ محمد رمضان تھا۔ ذوق ۱۲۰۴ھ میں دلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے عہد کے مروجہ علوم حاصل کیے تھے۔ شاعری میں پہلے حافظ شوق اور پھر شاہ نصیر کے شاگرد ہو گئے۔ ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۸۵۴ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: ذوق سوانح اور انتقاد، تنویر احمد علوی۔

۶۴۔ **راستی رند، دیوان جانی بہاری لال**: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، منشی نبی بخش حقیر اور سید بدرالدین احمد معروف بہ فقیر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ پہلی بار ان کا ذکر تفتہ کے نام ایک خط مورخہ یکم فروری ۱۸۵۲ء میں اور آخری بار سید بدرالدین احمد المعروف بہ فقیر کے نام ایک خط مورخہ ۳ جنوری ۱۸۵۵ء میں آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے ان دونوں کے تعلقات ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گئے تھے۔

راضی اور لقتہ میں کچھ اختلافات ہو گئے تھے۔ ممکن ہے اس کا اثر غالب اور راضی کے تعلقات پر بھی پڑا ہو۔

راضی کے والد جانی بخشی رام ناگر برہمن تھے۔ ان کے بزرگ گجرات کے رہنے والے تھے۔ بھرت پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ راضی غالباً ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ آگرے اور اعظم گڑھ میں تعلیم پائی۔ عربی فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ عرصے تک فوج میں پیشی رہے۔ بھرت پور دربار کی طرف سے ایجنٹ گورنر جنرل کی خدمت میں نائب وکیل رہے۔ راجپوتانہ گزٹ کے ایڈیٹر رہے۔ مہاراناشری سجن سنگھ والیِ میواڑ کے اتالیق رہے۔ مہاراجا اودے پور کے اتالیق بھی رہے۔

شاعری میں غالب کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ... کی دوستی کی معرفت مہاراجا بھرت پور کی خدمت میں غالب کا دیوان پیش کیا تھا۔ جس پر مہاراجا نے غالب کو پانچ سو روپے دیے تھے۔

سید بدرالدین المعروف بہ فقیر کے نام غالب کے ایک خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۹ء کے اواخر میں راضی خاصی پریشانیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ کچھ ملازمت کی پریشانی تھی، طبیعت خراب تھی اور انھیں دنوں میں جوان داماد کا انتقال ہو گیا تھا۔ راضی کی صرف ایک بیٹی کا پتا چلتا ہے۔ انھوں نے جیتے جی کے ذریعہ اپنی تمام جائداد دو بھتیجوں جانی لچھمی لال و جانی ... لال اور بیٹی موتی لال و ... لال کے نام کر دی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیٹی کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ راضی کی تصنیفات کی تعداد خاصی بڑی ہے (۱) یادگار راضی، ۱۷۶ صفحات کی اس کتاب میں راضی نے فنی قواعد بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۶۰ء میں مطبع مفید عام آگرے میں شائع ہوئی (۲) نگار راضی، گلستانِ سعدی کا منظوم ترجمہ، ۴۴ صفحات کی یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۸۶۲ء میں طبع ہوئی (۳) تعریف زبان فارسی و انگریزی، فارسی و انگریزی کی منظوم تعریف، ۴۰ صفحات کی یہ کتاب ۱۸۶۵ء میں مطبع اعجاز محمدی آگرہ سے شائع ہوئی۔ (۴) دلدار راضی، بوستانِ سعدی کا منظوم ترجمہ، ۱۴۰ صفحات کی یہ کتاب ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی (۵) ... کا منظوم ترجمہ، ۴۸ صفحات کی یہ کتاب مفید عام آگرے سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی (۶) ... کی انگریزی کتاب تاریخ چتوڑ کا کُل مقصود راضی کے نام سے اردو ترجمہ، ۲۰ صفحات کی یہ کتاب ۱۸۶۸ء میں اعجاز محمدی پریس آگرہ سے شائع ہوئی (۶) گلزارِ خدا، خالق باری کے انداز کی اس کتاب میں انگریزی الفاظ اور ... منظوم کیے گئے ہیں۔ ۳۴ صفحات کی یہ کتاب فروری ۱۸۷۱ء میں مطبع دربار کچھ سے شائع ہوئی (۷) دستورِ تحریری، عربی فارسی اور انگریزی لفظوں کی املا پر بحث کی گئی ہے اور خوش نویسی کے اصول بیان کیے

گئے ہیں بشت۱۸۶۰ میں شائع ہوئی۔ سلیم جعفر نے ان کی پانچ اور کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) سیاست یونان یعنی سوانح شیل مینکس (۲) شادی نامہ، اس میں راجپوتانہ کے وکیلوں کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اور تین کتابیں سنسکرت قواعد پر۔ عبداللہ بشیر نے ان کے ایک مطبوعہ دیوان کا ذکر کیا ہے جو ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا اور ۱۸۶۲ء میں مطبع دربار کچھ بھاؤ نگر سے شائع ہوا تھا۔ ان کی تاریخ وفات کا پتا نہیں چلتا۔ کم سے کم ۱۸۹۹ء تک حیات تھے کیوں کہ اس سال انھوں نے راجپوتانہ کے ایجنٹ سی کے ایم والٹر کی خدمت میں انگریزی زبان میں ایک قصیدہ پیش کیا تھا جس میں کہا تھا کہ ان کی تہتر سال کی عمر ہے اور اٹھاون سال سے ملازمت کر رہے ہیں۔ سری رام نے ۱۹۱۰ء میں خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ بیس سال پہلے انتقال کیا۔

ملاحظہ ہوں: تلامذۂ غالب، ص ص ۱۱۰-۱۱۲۔ تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود، ص ص ۶۳-۶۴۔ جائزۂ زبان اردو، ص ۱۷۵۔ خمخانۂ جاوید، جلد ۳، ص ص ۲۲۲-۲۲۶۔ دیوان جانی بہاری لال راضی بھرت پوری مولف دھولپوری، ہماری زبان علیگڈھ، ۸ نومبر ۱۹۶۱ء۔ دیوان جانی بہاری لال راضی، ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، ہماری زبان، علیگڈھ، ۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء۔ دیوان جانی بہاری لال، سلیم جعفر، زمانہ کانپور، ستمبر ۱۹۳۷ء ص ص ۱۵۲-۱۵۹۔ جائزہ زبان اردو، ص ۱۷۵۔ غالب اور تلامذۂ غالب، مذکرہ بشیر، ص، اردو، کراچی، غالب نمبر ۱۹۶۹ء، ص ۲۲۸-۲۴۳۔

۶۵۔ راقم، خواجہ مرزا قمرالدین خاں عرف خواجہ مرزا

غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام یک خط میں کیا ہے۔ یہ خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۳۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں بہادر شاہ ظفر کے ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد بادشاہ نے انھیں ولی عہد مرزا فخرو کے سپرد کر دیا۔ مرزا فخرو کے انتقال کے بعد الور میں مہاراجا شیودان سنگھ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد ریاست جے پور میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد دہلی واپس آ گئے۔ والد کے انتقال کے بعد حیدرآباد چلے گئے۔ تقریباً دو سال وہاں رہے اور پھر جے پور آ گئے۔ یہیں مارچ ۱۹۱۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔

انھوں نے اپنے مطبوعہ دیوان میں شاگرد غالب ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن مجھے شبہ ہے کیوں کہ کسی اور ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

ان کا کلیات "نغمۂ اردو" کے نام سے ۱۹۱۰ء میں افضل المطابع، دہلی سے شائع ہوا تھا۔ کلیات

۶۸۔ **رحیم بخش** : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ میرن صاحب کے سالے کے صاحبزادے تھے اور دہلی میں رہتے تھے۔

۶۹۔ **رسوا، میر احمد حسین** : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ ٹونک کے میر تفضل حسین خاں کے بڑے صاحبزادے تھے۔ میر احمد حسین اور اُن کے بھائی سید ضامن حسین ٹونک کے ریذیڈنسی میں ریاست کے سفیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ احمد حسین رسوا کے بیٹے، مضطر خیرآبادی اور اُن کے بیٹے جاں نثار اختر ہیں۔

ملاحظہ ہوں : ٹونک میں مرزا غالب کے احباب، سید منظور الحسن برکاتی، تحریک اپریل ۱۹۷۱ء ص ۴۸

۷۰۔ **رقیہ بیگم** : غالب نے میر مہدی مجروح کے نام خط میں لکھا ہے : "تاج محل، مرزا قیصر، مرزا جواں بخت کی سالی ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ، ان سب کی الہ آباد سے رہائی ہوئی۔" میرا خیال ہے کہ مرزا جواں بخت کی سالی اور ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ سے مراد ایک ہی خاتون ہیں اور وہ ہیں رقیہ بیگم۔ نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی دستاویز میں جواں بخت کی سالی کا نام رقیہ بیگم بتایا ہے اور ڈیپارٹمنٹ آف کارنوز دہلی کی ایک دستاویز میں ان کا نام رقیہ بیگم جے پوری لکھا گیا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالب کی مراد ایک ہی سے ہے۔ یہ صمصام الدولہ نواب احمد قلی خاں کی صاحبزادی اور مرزا جواں بخت کی بیوی زمانی بیگم کی بہن تھیں۔ شاہی قیدیوں کے ساتھ رنگون جانا چاہتی تھیں، لیکن الہ آباد پہنچ کر ارادہ بدل دیا۔ کچھ دن انھیں قید میں رکھا گیا اور پھر رہا کر دیا گیا۔

ملاحظہ ہو : نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی درج ذیل دستاویز :

Foreign Department Politica, No 52-125 10 Dec, 1858 N A.I

اور ڈیپارٹمنٹ آف آرکائوز دہلی کی مندرجہ ذیل دستاویز :

D.C. 5 1865 P VI (12) 48 Genl

۷۱۔ **مرزا فتح الملک بہادر غلام فخر الدین عرف مرزا فخرو** : مرزا ہرگوپال تفتہ اور منشی نبی بخش حقیر کے نام خطوط میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ حقیر کو ان کی وفات کی اطلاع دی ہے۔ ظفر کے سولہ بیٹے اور اکتیس بیٹیاں تھیں۔ عمر کے اعتبار سے مرزا فخرو جو ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے تھے چوتھے

۱۹۸۷

بیٹے تھے۔ پہلے مرزا دارا بخت دوسرے مرزا شاہ رخ اور تیسرے بیٹے کیومرث تھے۔ ان میں سب سے
پہلے کیومرث کا انتقال ہوا پھر مرزا شاہ رخ خدا کو پیارے ہوئے اور پھر دارا بخت ولی عہد سلطنت کا
۱۱ جنوری ۱۸۴۹ء کو انتقال ہو گیا۔ اب اصولاً مرزا فخرو ہی کو ولی عہد بننا چاہیے تھا لیکن ظفر نے نواب
زینت محل کے بطن سے پیدا ہونے والے شہزادے مرزا جواں بخت کو ولی عہد بنانے کی کوشش شروع
کر دی۔ ولی عہدی کی سیاست میں ظفر، بیگم زینت محل، تقریباً تمام شہزادوں اور بعض امرا نے حصہ لیا
ظفر کا ہم نوا گروہ مرزا جواں بخت کے لیے کوشش کر رہا تھا اور دوسرا گروہ مرزا فخرو کے حق میں تھا۔
برطانوی حکومت نے مرزا فخرو کو ولی عہد تسلیم کیا اور سیاست سے فائدہ اٹھا کر مرزا فخرو سے ایک عہد نامہ
پر دستخط کرا لیے۔ اس عہد نامے کی اہم شرائط تھیں کہ (۱) ظفر کے انتقال کے بعد مرزا فخرو لال قلعہ خالی
کر دیں گے۔ (۲) برطانوی حکومت ایک کروڑ روپیہ لال قلعے کا معاوضہ اور ایک کروڑ روپیہ قطب صاحب
میں مکانات کی تعمیر کے لیے دے گی (۳) مرزا فخرو کو تمام خاندان کے ساتھ قطب صاحب میں سکونت اختیار
کرنی ہوگی (۴) مرزا فخرو کو تین لاکھ روپے ماہوار پنشن ملے گی (۵) بادشاہ زادوں پر مستقل خرچ رکھنے کا
اختیار ہوگا (۶) گورنر جنرل اور لفٹنٹ گورنر کو دربار میں کرسی دینی ہوگی (۷) روساے با اختیار میں مرزا
فخرو کا اول نمبر ہوگا۔ اس عہد نامے کا مطلب یہ تھا کہ ظفر کے بعد مغل حکومت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے

مرزا فخرو اردو میں شعر کہتے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ ذوق کی وفات کے بعد
انھوں نے غالب کا تلمذ اختیار کر لیا۔ چار سو روپے سال غالب کے اور دس روپے ماہوار حسین علی خاں
اور باقر علی خاں کے مقرر کر دیے۔ ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ء کو مرزا فخرو کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: بہادر شاہ ظفر اور ان کی شاعری ص ص ۱۰۲-۱۱۹- غالب اور شاہان تیموریہ ص
ص ۵۴-۵۶- تلامذۂ غالب ص ص ۱۲۹-۱۳۴- تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ... ص ۳۰۸
قلعۂ معلیٰ کی جھلکیاں ص ص ۶۷-۶۹- ولی عہدی کے جھگڑے سے متعلق ملاحظہ ہوں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا
نئی دہلی کی درج ذیل دستاویزیں:

Mutiny Papers Collective No. 230 File No. 49 N.A.I.

" " " " File No. 50 "

" " " " File No. 51 "

Foreign Department Political S No. 254-61 N.A.I

Foreign Department Political S. No. 65-66 N.A.I.

" " " S. No. 160 N.A.I.

" " " S. No. 162 N.A.I.

۷۲۔ روشن الدولہ، میرالملک محمد حسین خاں بہادر قائم جنگ: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ اشرف علی خاں کے لڑکے تھے۔ نصیرالدین حیدر نے جب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کو وزارت کے عہدے سے معزول کیا تو نومبر ۱۸۳۲ء میں روشن الدولہ کو وزیر مقرر کیا۔ بہت سازشی، بے ایمان اور رشوت خور آدمی تھے۔ نصیرالدین حیدر کی وفات کے بعد ان کا ستارہ ڈوب گیا۔

ملاحظہ ہو: تاریخ اودھ، جلد ۴، ص ص ۲۰۰ - ۲۲۴۔ سوانحات سلاطین اودھ، جلد ۱، ص ص ۳۲۲ - ۳۲۹۔ طلسم ہند، ص ص ۴۶۲ - ۴۵۰۔ "طلسم ہند" میں روشن الدولہ کے حالات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

۷۳۔ رومی، محمد نام، جلال الدین لقب اور مولائے روم عرف: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ والد کا لقب بہاء الدین تھا، صاحب علم و فضل تھے۔ مولانا روم ۶۰۴ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ شاہِ وقت محمد خوارزم شاہ سے بہاء الدین کی اَن بَن ہو گئی اور ۶۱۶ھ میں وہ ترکِ وطن کر کے نیشاپور چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد بہاء الدین بغداد پہنچ گئے۔ اور طویل عرصے تک وہیں قیام کیا۔

مولانا روم نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور سید برہان الدین سے پائی۔ مولانا نے قونیہ، شام، حلب، دمشق وغیرہ کی بھی مسافرت کی تھی۔ ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو مولانا کا قونیہ میں انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: مولانا روم، ص ص ۱۰ - ۴۱

۷۴۔ ریٹی گن سر ولیم ہنری (Sir William Henry Rattingan): غالب نے ان کا مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ ۴ ستمبر ۱۸۴۲ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

کی حیثیت سے ملازمت شروع کی۔ وکالت کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصے لاہور میں وکالت کی پھر وقفہ پنجاب ہائی کورٹ کے جج رہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے چلے گئے۔ انھوں نے قانون پر کافی کتابیں لکھی ہیں۔ ۴ جولائی ۱۹۵۲ء کو موٹر کار کے ایک حادثے میں انتقال ہوگیا۔

ملاحظہ ہو: Dictionary of Indian Biography, p. 351

۷۵۔ زینت محل: غالب نے میر مہدی مجروح اور منشی نبی بخش حقیر کے نام ایک خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ حسام الدولہ نواب احمد قلی خاں کی صاحبزادی اور بہادر شاہ ظفر کی چہیتی بیوی تھیں۔ قلعے میں زینت محل کے اقتدار کا یہ عالم تھا کہ حکومت کے تمام کارپردازوں کے نام حکم جاری کیا گیا تھا کہ جس دستاویز پر نواب زینت محل کی مہر نہ ہوگی اُسے معتبر نہ سمجھا جائے۔ ظفر کے ساتھ ان کو بھی رنگون بھیج دیا گیا۔ ظفر کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ وہ نظر بند رہیں۔ پھر انھیں اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ رنگون سے باہر نہیں جائیں گی۔ ایک سو بیس روپے ماہوار پنشن مقرر ہوئی جو بڑھتے بڑھتے پانچ سو روپے تک پہنچ گئی۔ ۱۷ جولائی ۱۸۸۶ء کو رنگون ہی میں انتقال ہوا۔ وفات کے وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

ملاحظہ ہو: بہادر شاہ ظفر اور ان کی شاعری، ص ص ۹۳، ۹۱۔

نیز دیکھیے۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کی مندرجہ ذیل دستاویزیں:

1 Foreign Department International B. No. 140-142 August 1886 N.A.I

2 Foreign Department Finance B. No. 69-72 Feb. 1882 N.A.I.

3 Foreign Department Political No. 15-17 April 1868 N.A.I.

مزید دیکھیے: ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیوز دہلی کی درج ذیل دستاویز:

D.C. 2 1857 P VII (33)/46 Genl.

۷۶۔ سانڈرس، سی۔ بی (C. B. Saunders): غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ ان کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں مل سکیں۔ ۱۸۵۲ء میں یہ امرتسر میں ڈپٹی کمشنر رہے۔ نومبر ۱۸۵۷ء میں دہلی کے عارضی کمشنر اور ایجنٹ مقرر ہوئے۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں دہلی کے کمشنر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بہادر شاہ ظفر کے مقدمے میں یہ سرکاری وکیل تھے۔

ملاحظہ ہو: نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کی درج ذیل دستاویزیں:

1. Foreign Deptt. 496-507 F.C 6 Aug., 1858

2. - do - 75-78 F.C. 25 July, 1851

۷۷۔ **سعدی، شیخ مصلح الدین** : غالب نے ان کا ذکر نواب انوار الدولہ شفق، امین الدین احمد خاں بہادر، چودھری عبدالغفور سرور، علاء الدین احمد خاں علائی، میاں داد خاں سیاح اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ سعدی عبداللہ شیرازی کے صاحبزادے تھے ۵۸۹ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۶۰۶ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کر کے بغداد آ گئے اور یہاں علم ظاہری ابن جوزی سے اور علم طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ عبدالقادر گیلانی سے حاصل کیا۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی پڑھا۔ سعدی نے خوارزم شاہیوں اور اتابکوں کی جنگ اور فتنہ مغول (تاتار) کی وجہ سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ جہاں گردی میں گزارا اور زندگی کا وسیع تجربہ حاصل کیا۔ انھوں نے ترکی، ہندوستان اور وسط ایشیا کی سیاحت بھی کی۔ آخر عمر میں شیراز پہنچ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ ۶۹۱ھ یا ۶۹۴ھ میں انتقال کیا۔ سعدی کی بوستاں اور گلستاں عالمی شہرت کی تصنیفات ہیں۔ کلیات سعدی جو انواع سخن پر مشتمل ہے متعدد بار چھپ چکا ہے۔

ملاحظہ ہو : دولت شاہ سمرقندی، تذکرۃ الشعراء ص ۱۴۳ - ۱۴۵ ملاحظہ ہو : دولت سخنوراں ص ۱۴۳ - ۱۴۵

۷۸۔ **سلمان ساوجی، ملقب بہ خواجہ جمال الدین** : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ خواجہ علاء الدین محمد ساوجی کے صاحبزادے تھے۔ آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ۷۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں سلطان ابو سعید کے وزیر غیاث الدین محمد سے وابستہ تھے پھر تقریباً چالیس سال تک ایلخانی بادشاہوں سے متوسل رہے۔ جن کی حکومت مغربی ایران اور عراق عرب میں تھی۔ ناتوانی اور ضعف بصارت کی وجہ سے ملازمت ترک کر کے ساوہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ وہیں ۱۲ صفر سال ۷۷۸ھ کو انتقال کیا۔

یہ عہد قدیم کے پہلے کے فارسی شعرا میں بہترین قصیدہ گو ہیں۔ نعت اور حمد و منقبت میں سلمان نے بہترین قصیدے لکھے ہیں۔ تصانیف میں دیوان، مثنوی جمشید و خورشید (تالیف ۷۶۳ھ) اور فراق نامہ (۷۷۰ھ) ہیں۔

ملاحظہ ہو : دولت سخنوراں ص ۱۴۸ - ۱۵۰

ملاحظہ ہو: شعر و سخن، ص ۶۸۔ خم خانۂ جاوید جلد ۴، ص ۳۵۵

۸۲۔ شاداں، مرزا حسین علی خاں: فارسی میں خیالی اور اردو میں شاداں تخلص کرتے تھے۔ غالب نے ان کا ذکر متعدد خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب زین العابدین خاں کے صاحبزادے اور نواب غلام حسین خاں کے پوتے، مرزا باقر علی خاں کامل کے چھوٹے بھائی تھے۔ عارف کے دو لڑکے تھے باقر علی خاں کامل اور حسین علی شاداں۔ شاداں کی پیدائش کے کچھ ہی مدت بعد ان بچوں کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ ابھی شاداں دو برس کے تھے کہ عارف کا بھی انتقال ہو گیا۔ غالب کی بیوی امراؤ بیگم شاداں کو اپنے پاس لے آئیں۔ غالب نے ان کی تعلیم و تربیت کی۔ فن شاعری میں بھی شاداں غالب ہی کے شاگرد تھے۔ غالب کی وفات کے بعد انھوں نے حالی اور مرزا قربان علی بیگ سالک سے اصلاح لی۔ شاداں کی شادی ۳ مارچ ۱۸۶۸ء کو امیر علی خاں کی صاحبزادی خورشید بیگم سے ہوئی۔ شاداں کے انتقال کے بعد خورشید بیگم کا عقد ثانی مرزا میراب بیگ چنگیزی سے ہوا۔ حسین علی خاں غالب کی وفات کے بعد اگست ۱۸۶۹ء میں ریاست رام پور میں بہ قول مولانا امتیاز علی خاں عرشی پچیس روپے ماہوار پر زمرۂ شعرا میں ملازم ہو گئے۔ مالک رام کا بیان ہے کہ شاداں تیس روپے ماہوار تنخواہ پر ملازم ہوئے تھے۔ بعد میں تنخواہ ساٹھ روپے ماہوار ہو گئی۔

مئی ۱۸۷۹ء میں ان کا ذہنی توازن خراب ہو گیا۔ رام پور سے استعفیٰ دیا اور دہلی آ گئے۔ مالک رام کا بیان ہے کہ یہ خیال ان کے ذہن نشین ہو گیا تھا کہ شاعر کے لیے دبلا ہونا ضروری ہے۔ یہ جنون اس حد تک بڑھا کہ کھانا پینا ترک کر دیا۔ صرف پانی پیتے تھے۔ ۲۵ سال کی عمر میں ۸ ستمبر ۱۸۷۹ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔ حضرت نظام الدین اولیا میں اپنی خاندانی [illegible] میں مدفون ہوئے۔ ان کا اردو دیوان چھپ چکا ہے۔

ملاحظہ ہو: بہار غالب، شجرہ ۲ اور شجرہ ۵۔ مکاتیب غالب چھٹا ایڈیشن، ص ص ۱۳،۱۴۔ خم خانۂ جاوید جلد ۴، ص ص ۳۰۶-۳۰۹۔ تلامذۂ غالب ص ص ۱۶۱-۱۵۱۔ خاندان لوہارو کے شعرا، ص ص ۵۶-۵۰۔

۸۳۔ شاہجہاں، ابو المظفر شہاب الدین۔ غالب نے اس کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ جہانگیر کا تیسرا بیٹا تھا۔ ۵ جنوری ۱۵۹۲ء کو پیدا ہوا۔ فروری ۱۶۲۸ء کو تخت نشین ہوا اور یکم فروری ۱۶۶۶ء کو آگرے میں انتقال کیا۔

گئے لیکن چند سال بعد ریاست پھر ابتری کا شکار ہو گئی۔ اکتوبر ۱۸۱۸ء میں راجا کو دوبارہ بے دخل کر کے ایجنسی قائم کر دی گئی۔ اسی حالت میں ۱۱ اکتوبر ۱۸۲۵ء کو راجا کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: کارنامۂ راجپوتانگان، ص ص ۳۵۴-۳۵۶ ؛ مریاض الامرا، ص ص ۹۴-۹۳

۸۹۔ شیوجی رام برہمن: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ یہ دہلی کے رہنے والے اور غالب کے دوستوں میں تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے دوران انھوں نے غالب کی بہت مدد کی تھی۔ غالب نے "دستنبو" میں ہنگامے کے دنوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "اس نیم ویران اور نیم آباد لوگوں میں شیوجی رام برہمن، برہما نشراد کہ جوانِ خرد مند ہیں اور میرے بیٹے کی طرح ہیں۔ اس درویش دل ریش کو بہت کم تنہا چھوڑتے ہیں اور اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق میری فرماں برداری اور کارسازی کرتے ہیں۔" (فارسی سے ترجمہ)

ملاحظہ ہو: دستنبو، ص ۴۰

۹۰۔ صاحب سنگھ: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے، اور صرف اتنا لکھا ہے کہ "کوئی صاحب سنگھ ٹھیکے دار الور کی سڑک کا ہے۔"

۹۱۔ صائب، مرزا محمد علی: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، غلام حسنین قدر بلگرامی، مرزا ہرگوپال تفتہ اور نواب انوار الدولہ شفق کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے والد مرزا عبدالرحیم تبریز کے سوداگر تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ صائب تبریز میں پیدا ہوئے اور بعض کا بیان ہے کہ اصفہان میں ولادت ہوئی۔ البتہ یہ مُسلّم ہے کہ ان کی نشوونما اصفہان میں ہوئی۔ سنہ ولادت ۱۶۰۱ء بتایا جاتا ہے۔ صائب کا شمار سبکِ ہندی کے بنیادگزاروں میں ہوتا ہے۔ کابل میں ان کی ملاقات نواب ظفر خاں سے ہوئی۔ ان کے توسل سے دہلی آئے اور تقریباً چند سال تک شاہجہاں کے دربار سے متوسل رہے۔ ہندوستان سے واپسی پر شاہ عباس دوم کے دربار کے ملک الشعرا ہو گئے۔ شبلی نعمانی نے سنہ وفات ۱۰۸۰ھ اور ممتاز حسن نے ۱۰۸۶ھ/۱۶۶۹ء بتایا ہے۔

ملاحظہ ہو: دولت سخنور، ص ص ۱۲۶-۱۲۷ —— دیوانِ صائب بخط مرزا صائب، ص ص ۱-۸

۹۲۔ صفا، کرامت علی: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ کسی تذکرے میں ان کا ذکر نظر سے نہیں گزرا۔ غالب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفتہ کے شاگرد تھے اور اپنا کلام

کے رہنے والے تھے، اور اس ضلع کے کسی مدرسے میں ملازم تھے۔

۹۳۔ ضیاء الدولہ بہادر، نواب حکیم سعد الدین احمد خاں: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ نواب رکن الدولہ کے صاحبزادے اور غالب کے حقیقی بھانجے مرزا عاشور بیگ کے سالے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں ان کی دلچسپی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ پھر بھی یہ برطانوی حکومت کے عتاب کا شکار ہوئے۔ دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد یہ پانی پت میں روپوش ہو گئے۔ دہلی میں ان کی پانچ سو روپے ماہوار کی املاک تھی جسے حکومت نے ضبط کر لیا۔ نواب ضیاء الدولہ لکھنؤ گئے تاکہ مرزا عاشور بیگ کے بھائی مرزا عباس بیگ کی مدد سے اپنی جائداد واگزاشت کرائیں مگر ناکامی ہوئی۔ یہ لاہور گئے اور وہاں بیٹی گن نام کے ایک وکیل کے ذریعہ حکومت سے اپنی جائداد کا مطالبہ کیا۔ وکیل کی کوششوں سے جائداد واگزاشت ہو گئی۔ بقول بشیر الدین احمد ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء - ۱۸۹۳ء) میں انتقال ہوا اور حضرت نظام الدین میں مدفون ہوئے۔

واقعات دار الحکومت، جلد ۲، ص ۱۰۱۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۲۔ کارنامہ سروری، ص ص ۳۳-۳۵

۹۴۔ طغرا، ملا طغرائے مشہدی: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ ایرانی النسل تھے۔ مشہد میں پیدا ہوئے۔ قسمت آزمانے ہندوستان آئے اور یہاں شاہجہاں کے لڑکے مراد بخش سے متوسل ہو گئے۔ آخری عمر میں کشمیر میں سکونت اختیار کر لی۔ وہیں انتقال ہوا اور ابو طالب کلیم کے پاس مدفون ہوئے۔

ملاحظہ ہو: سرو آزاد، ص ۱۲۴

۹۵۔ ظفر، بہادر شاہ: منشی نبی بخش حقیر، نواب انور الدولہ شفق، چودھری عبد الغفور سرور، حبیب اللہ ذکا، مرزا ہرگوپال تفتہ، میر مہدی مجروح، اور حکیم غلام نجف خاں کے خطوط میں ان کا ذکر ہے۔ یہ اکبر شاہ ثانی کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولی عہدی کے زمانے میں ۲۸ شعبان [illegible] عیسوی کو پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "ابو ظفر" اور پورا نام ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت اچھے طریقے سے ہوئی۔ اردو، فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ خوش نویسی، شہسواری، بندوق بازی، تیر اندازی جیسے فنون کے ماہر تھے۔ بہت منکسر المزاج اور خلیق اللسان تھے۔ ظفر اکبر ثانی کے سب سے بڑے

صاحبزادے تھے۔ نہ جانے کیوں اکبر شاہ ثانی نے اپنے تیسرے بیٹے مرزا جہانگیر کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی لیکن برطانوی حکومت نے اکبر شاہ ثانی کو اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ پھر اکبر شاہ ثانی نے اپنے ایک اور بیٹے مرزا سلیم کے لیے کوششیں کیں مگر یہاں بھی ناکام رہے اور برطانوی حکومت نے ظفر ہی کو ولی عہد تسلیم کیا۔ ظفر ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء کو تخت نشین ہوئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مجاہدین کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہے۔ ان کے قریب ترین رشتہ دار اور مصاحب انگریزوں کی جاسوسی کر رہے تھے۔ اگر جاسوسی کا اتنا بڑا جال نہ بچھا ہوتا تو شاید اسی عہد میں انگریز ہندوستان سے نیست و نابود ہو جاتے۔ بہر حال ۲۱ ستمبر کو نواب الٰہی بخش اور مولوی رجب علی کی سازشوں سے میجر ہڈسن نے ظفر اور ان کے خاندان کے کچھ افراد کو مقبرہ ہمایوں سے گرفتار کر لیا۔ ظفر کو دہلی میں ناظر حسین مرزا کے مکان میں قید کر دیا گیا۔ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور ۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو فیصلہ سنا دیا گیا جس میں ظفر کو مجرم قرار دیا گیا۔ ۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو ظفر اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد کو رنگون کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ ۹ دسمبر ۱۸۵۸ء کو یہ قافلہ رنگون پہنچا۔ جہاں ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کی صبح پانچ بجے ان کا انتقال ہو گیا۔

ظفر کو ذوق سے تلمذ تھا۔ ذوق کی وفات کے بعد انھوں نے غالب کو اپنا کلام دکھایا۔

ملاحظہ ہو: بہادر شاہ ظفر اور ان کی شاعری (تحقیقی مقالہ غیر مطبوعہ)، ص ص ۵۲ ـ ۱۸۸۔

بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری سے لے کر وفات کے حالات کے لیے دیکھیے: بہادر شاہ ظفر ایک تاریخی جائزہ، خلیق انجم، صبح، دہلی، شمارہ تیسرا اور چوتھا ۱۹۶۳ء، ص ص ۶۵ ـ ۹

ملاحظہ ہوں: نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دلی کی درج ذیل دستاویزات:

1. Foreign Department Political No 52-125 10th Dec. 1856 N.A.I
2. - do - A. No. 1407 30th Dec. 1958 N.A.I
3. - do - A. No. 1413 - do -
4. - do - A. No. 74-76 25th March, 1859 N.A.I
5. - do - Progress No. 125 N.A.I
6. - do - Cons. No. 325 N.A.I.

7. - do - No. 185 N.A.I.
8. - do - No. 217-20 N.A.I.
9 Mutiny Papers No. 101 File No. 8 N.A.I.
10. - do - No. 102 File No. 69 N.A.I.
11. - do - No. 102 File No. 67 N.A.I.

ظفر کے حالات کے لیے ملاحظہ ہوں قلعہ معلی کی جھلکیاں۔ تاریخ عروج انگلشیہ ص ص ۲۶۲-۳۶۲ اور ۶۵۹-۶۹۶۔ غدر کے صبح و شام۔ تاریخ ہندوستان جلد ۹ پارسوم ص ص ۳۴۲-۳۴۹۔ بزم آخر۔ دہلی کا آخری سانس۔ سرطاس مٹکاف کی ڈائری۔ وغیرہ

۹۶۔ظہوری ترشیزی، نورالدین محمد: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، چودھری عبدالغفور سرور، مرزا ہرگوپال تفتہ، غلام حسنین قدر بلگرامی، منشی ولایت علی خاں عزیز صفی پوری کے نام کے خطوط میں کیا ہے۔ ان کی ولادت ترشیز میں ہوئی۔ کچھ مدت تک خراسان، عراق اور فارس میں رہے۔ یہاں سے ہندوستان آئے اور دکن میں رہے پھر مکہ گئے اور وہاں سے ۱۰۱۸ھ میں پھر ہندوستان آئے۔ ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ دیوان کے علاوہ ان کی سہ نثر ظہوری بھی بہت مشہور ہے۔

ملاحظہ ہو: گنج سخن، ص ۷۷

۹۷۔ظہیر فاریابی، ظہیرالدین: ابوالفضل کنیت تھی۔ غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کا نام طاہر اور والد کا نام محمد تھا۔ فاریاب میں پیدا ہوئے، فاریاب اور نیشاپور میں تعلیم حاصل کر کے مازندران اور آذربائیجان چلے گئے، جہاں اتابک قزل ارسلان سے وابستہ ہو گئے۔ عربی کے علاوہ علم نجوم اور حکمت (فلسفہ) میں مہارت حاصل تھی۔ آخری عمر میں تبریز میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ۵۹۸ھ میں انتقال کیا۔

ملاحظہ ہو: دولیست سخنور، ص ص ۲۲۰-۲۲۲۔ تذکرۃ الشعرا ۱۱۴-۱۰۹

۹۸۔عارف، مرزا زین العابدین خاں: غالب نے عارف کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، علاء الدین احمد خاں علائی اور منشی نبی بخش حقیر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ عارف صاحبزادے تھے شرف الدولہ نواب غلام حسین خاں بہادر سہراب جنگ کے۔ نواب فیض اللہ خاں بہادر ان کے دادا اور نواب قاسم

جان (دیکھیے حالات نواب الٰہی بخش خاں معروف) اُن کے پر دادا تھے۔

عارف کے والد غلام حسین خاں مسرور بھی شاعر تھے۔ مسرور کی شادی غالب کی بیوی امراؤ بیگم کی بڑی بہن بنیادی بیگم سے ہوئی تھی۔ مسرور اور بنیادی بیگم کے تعلقات اتنے خراب ہوگئے کہ دونوں نے علیحدگی اختیار کرلی۔ عارف ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷-۱۸۱۸ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کے ایک بھائی حیدر حسین خاں تھے۔ عارف کی تعلیم و تربیت ان کی والدہ نے کی۔ مروجہ علوم کے علاوہ عارف نے خوش نویسی میں بھی مہارت حاصل کی تھی۔ اور اس فن میں وہ میر جلال الدین کے شاگرد تھے جنھیں یاقوت رقم ثانی کہا جاتا تھا۔ غالب کی بیوی امراؤ بیگم نے انھیں گود لے لیا۔ غالب کو بھی اُن سے بہت محبت تھی۔ ۱۸۵۰ء کے آس پاس بیمار ہوئے۔ غالب نے حقیر کے نام ۱۸۵۱ء کے خط میں اُن کی بیماری کا جو حال لکھا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں تپ دق اور سل کا مرض لاحق تھا۔ غالب لکھتے ہیں: "بھائی اس کو (عارف کو) ناگاہ رعاف ہوا۔ رعاف میں ناک سے لہو آتا ہے مگر اُس کو منہ سے لہو آیا۔ ناک سے تھوڑا تھوڑا اور منہ کا کیا حال تھا گویا مشک کا دہانہ کھول دیا ہے۔ ایک ہفتے میں خدا جھوٹ نہ بلوائے آٹھ دس سیر خون نکلا، سیاہ اور بدبودار، توقع جینے کی باقی نہ رہی اور سب ناامید ہوگئے۔ بارے خدا نے بچا لیا۔" عارف کی صحت کچھ بہتر ہوئی لیکن مکمل صحت یاب نہیں ہوئے۔ آخر ۱۸۵۲ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اُن کی وفات پر غالب کو بہت صدمہ ہوا تھا۔ عارف احاطہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں نواب الٰہی بخش معروف کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ عارف کا شمار اردو کے اچھے شاعروں میں ہوتا ہے۔ پہلے وہ شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے اور پھر غالب سے اصلاح لی۔ غالباً مومن سے بھی مشورہ سخن تھا۔ اولادِ جسمانی میں حسین علی خاں شاداں اور باقر علی خاں کامل دو بچے تھے۔ جن کی ابتدائی پرورش غالب نے کی۔ عارف کا دیوان ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اس دیوان کا مخطوطہ بیگم حمیدہ سلطان کے پاس تھا جو ضائع ہوگیا۔ ایک مخطوطہ رضا لائبریری رام پور، دو ہندو یونیورسٹی بنارس میں اور ایک مخطوطہ سالار جنگ میوزیم لائبریری میں ہے

ملاحظہ ہوں: تلامذۂ غالب، ص ص ۲۱۸-۲۲۳ — خاندانِ لوہارو کے شعرا، ص ص ۹۳-۱۰۸ — آثار الصنادید، ص ص ۸۹-۹۱ — گلدستۂ نازنینان، ص ص ۲۲۲-۲۲۴ — خمخانۂ جاوید، جلد ۵ ص ص ۵۰۹-۵۱۷ — ارمغانِ گوکل پرشاد، ص ۵۹ — گلستانِ سخن، جلد ۲ ص ص ۱۹۸-۲۰۰ — طبقات الشعرا،

ہند ا ص ص ۱۰۱-۲۰۱-۲۰۲

۹۹۔ عباس شاہ، مرزا : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ بہادر شاہ ظفر کے صاحبزادے تھے ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد انھیں بھی گرفتار کر کے رنگون بھیجا گیا تھا۔ برطانوی حکومت نے شاہی قیدیوں میں سب سے پہلے ان ہی کو رہا کیا تھا۔ ۵ مارچ ۱۸۶۸ء کو ان کی رہائی کے احکامات جاری ہوئے۔ انھوں نے رنگون کے ایک تاجر محمد طاہر کی صاحبزادی سے شادی کی اور وہیں رہنے لگے۔ ۶ جولائی ۱۸۶۸ء کو انھیں پچیس روپے ماہوار پنشن ملنے لگی۔ انھوں نے پہلے خسر کی شراکت میں کاروبار کیا اور پھر پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ میں ملازم ہو گئے۔ غالباً رنگون ہی میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو :

Foreign Department Political B No 15-17 April 1868 N.A.I.

Foreign Department Political Desp to Secy of State 16 Jan

1866 No. 19

۱۰۰۔ عراقی ہمدانی، ابراہیم، ملقب بہ فخر الدین : غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ والد کا نام شہریار تھا۔ ۶۱۰ھ میں ادکمدہ، ہمدان کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ چونکہ دنیا سے دل سرد ہو گیا اور یہ قلندروں کے گروہ میں شامل ہو گئے جب (غالباً ۶۲۶ھ میں) شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال تبریزی بغداد سے ہند کی طرف آ رہے تھے تو راستے میں کہیں اس گروہ سے شیخ زکریا کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے عراقی کی صلاحیتوں کو تاڑ لیا اور انھیں اپنی تربیت میں لے لیا۔ بعد میں بیٹی کا نکاح بھی ان سے کر دیا تھا۔ یہ شیخ کے جانشین بھی ہوئے لیکن دوسرے لوگوں کے حسد سے تنگ آ کر ہجرت کر گئے۔ وہاں سے ایشیائے کوچک آئے اور صدر الدین قونوی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ یہیں انھوں نے اپنی کتاب لمعات تصنیف کی۔ وہاں سے مصر اور پھر دمشق گئے۔ دمشق میں ۶۸۸ھ میں انتقال ہوا۔ وہیں صالحیہ میں مدفون ہیں۔ ان کا کلیات بارہا طبع ہوا ہے۔ اور کلام صوفیہ میں بہت مقبول رہا ہے۔

ملاحظہ ہو: دولت سخنوران ص ص ۲۳۹-۲۴۱

۱۰۱۔ عرفی، سید محمد، جمال الدین لقب : غالب نے ان کا ذکر نواب کلب علی خاں، چودھری عبدالغفور سرور، مرزا ہرگوپال تفتہ اور علاءالدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ خواجہ زین العابدین

علی کے صاحبزادے تھے۔ شیراز میں تعلیم و تربیت حاصل کرکے ہندوستان آئے۔ پہلے فیضی اور ابوالفتح گیلانی
سے توسل رہا۔ پھر اکبر بادشاہ کے دربار سے متوسل ہو گئے ۹۹۹ھ میں لاہور میں عالم جوانی میں انتقال کیا۔
انتقال کے وقت چھتیس سال عمر تھی۔ کہتے ہیں کہ عرفی کو شہزادہ سلیم سے تعلق خاطر پیدا ہو گیا تھا۔ جب یہ راز کھلا تو
انھیں زہر دے کر مار دیا گیا۔ ان کے قصائد اپنی شوکت بیان اور دقتِ مضامین کے لیے معروف ہیں۔ نظامی کی تقلید
میں ایک خمسہ بھی لکھا تھا۔ تصوف میں ایک رسالہ "نفسیہ" ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو: دولت سخنور، ص ص ۲۴۲-۲۴۴۔ میخانۂ حواشی، ص ۴۸

۱۰۲۔ عزت، مولوی غیاث الدین: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، شمس العلما
مولوی ضیاء الدین خاں دہلوی، نواب انوار الدولہ شفق اور چودھری عبدالغفور سرور کے نام خطوط میں کیا
ہے۔ مولوی صاحب کے والد مولوی جلال الدین صاحب علم و فضل تھے۔ امیر مینائی نے لکھا ہے کہ مولوی
غیاث الدین کا اڑسٹھ برس کی عمر میں ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ مطابق ۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا۔ اگر وفات
کے وقت ان کی عمر صحیح بتائی گئی ہے تو مولوی صاحب سنہ ۱۲۲۰ھ (مطابق ۱۸۰۵، ۱۸۰۶ء) میں رامپور میں
پیدا ہوئے ہوں گے۔

"مولوی صاحب کو فارسی زبان و ادب پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ علم طب کا بھی باقاعدہ مطالعہ
کیا تھا۔ نواب کلب علی خاں مولوی صاحب کے شاگرد تھے اور غالباً اسی لیے سرکار رام پور سے ان کا وظیفہ
مقرر تھا۔ مولوی صاحب کی تصنیفات کی تعداد خاصی ہے۔ (۱) جواہر التحقیق (قلمی) (۲) آمدنامہ
فارسی (قلمی) (۳) شرح گلستاں موسوم بہ بہارِ یاراں (قلمی) (۴) خلاصۃ الانشاء (قلمی) (۵) قصہ شاہزادہ
مہر نظیر و ملکہ ماہ منیر "تاریخی نام باغ و بہار" قلمی (شرح سکندر نامہ (قلمی) (۷) قصہ گل و گیند" دس جلدیں
(قلمی) (۸) منتخب العلوم "چالیس رسالوں کا مجموعہ (قلمی) یہ سب قلمی کتابیں بہ قول حافظ احمد علی خاں شوق" رضا
لائبریری رام پور میں محفوظ ہیں۔ ان کے علاوہ شرح بدر چاچ۔ منشآت عزت "خطوط کا مجموعہ جسے مولوی
صاحب کے صاحبزادے مولوی قمر الدین نے مرتب کیا۔ اس کا قلمی نسخہ بھی رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔

ملاحظہ ہوں: یادگار انتخاب، ص ص ۲۲۶-۲۲۸ — تذکرہ کاملان رام پور، ص ص ۲۸۰-۲۸۵

۱۰۳۔ عطاء اللہ خاں، نواب: غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں ان کا ذکر کیا
ہے۔ یہ سیف الدولہ میر غلام عباس کے والد تھے اور غالب کے دوستوں میں تھے ۱۸۵۷ء کے ناکام

انقلاب کے بعد ان کی تمام جائداد ضبط ہو گئی تھی اور یہ اپنے صاحبزادے سیف الدولہ کے ساتھ دہلی سے دو چار کوس دور کسی گاؤں میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس دار و گیر میں ان کا کیا حشر ہوا۔ (دیکھیے حالات میر غلام عباس)

۱۰۴۔ علی اصغر خاں بہادر: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ رام پور میں رہتے تھے اور وہیں غالب سے اُن کی ملاقات ہوئی تھی۔ لوہارو خاندان سے ان کا کوئی رشتہ تھا۔ علی اصغر خاں، سید جعفر علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران نواب یوسف علی خاں نے انھیں امروہے کا ناظم مقرر کر دیا تھا۔ اس حیثیت سے انھوں نے انقلابیوں کی کوششوں کو ناکام بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۱۵ نومبر ۱۸۵۹ء کو فتح گڑھ میں لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے دربار کیا جس میں ۱۸۵۷ء میں رام پور کے بعض لوگوں کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں خلعت سے نوازا گیا۔ علی اصغر خاں کو پانچ ہزار روپے کی قیمت کا خلعت دیا گیا

ملاحظہ ہو: اخبار الصنادید، جلد ۲، ص ص ۹۳-۹۹ اور ۱۲۵

۱۰۵۔ علی بخش خاں: غالب نے ان کا ذکر نبی بخش خاں حقیر، علاء الدین احمد خاں علائی اور میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے نام غالب کے چار فارسی خطوط بھی ہیں جو پنج آہنگ میں شامل ہیں۔ پنج آہنگ کا دیباچہ بھی مرزا علی بخش خاں نے لکھا تھا۔ غالب نے پنج آہنگ کے آغاز میں لکھا ہے کہ انھوں نے آہنگِ اول مرزا علی بخش خاں کی فرمائش پر لکھا تھا۔ مرزا علی بخش خاں سے غالب کے دو رشتے تھے۔ ایک تو یہ نواب الٰہی بخش خاں معروف کے صاحبزادے اور غالب کی بیوی کے بھائی تھے اور دوسرے انھوں نے غالب کی سگی بہن چھوٹی خانم کی صاحبزادی سے شادی کی تھی۔ غالب نے شیفتہ کے نام ایک خط میں لکھا تھا: "برادر بجان برابر علی بخش خاں بہادر رنجور ... " اس عبارت سے بعض حضرات کو غلط فہمی ہو گئی کہ علی بخش خاں شاعر تھے اور ان کا تخلص رنجور تھا۔ پہلی بار قاضی عبدالودود نے یہ غلط فہمی دور کی اور بتایا کہ "یہاں "رنجور" سے مراد "بیمار" ہے۔

علی بخش خاں کو پہلے احمد بخش خاں کی ریاست سے سات سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ ۱۸۲۷ء میں احمد بخش خاں مر گئے اور نواب شمس الدین خاں نے یہ وظیفہ گھٹا کر پچاس روپے کر دیا جب ولیم فریزر کے قتل کے الزام میں نواب شمس الدین کو پھانسی ہو گئی اور جائداد ضبط کر لی گئی تو انگریزوں نے بھی پچاس روپے

جاری رکھے۔ غلام فخر الدین خاں جن کی غالب کے بھائی مرزا یوسف کی صاحبزادی عزیز النسا بیگم سے شادی ہوئی تھی، انھی کے صاحبزادے تھے۔ غالب نے مجروح کے نام ایک خط مورخہ یکم جنوری ۱۸۶۴ء میں علی بخش کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: "علی بخش خاں مدت سے بیمار تھے، رات کو بارہ پر دو بجے مر گئے۔"

ملاحظہ ہوں: جہانِ غالب، قاضی عبدالودود معاصر پٹنہ، حصہ ۴ ص ص ۳۱-۳۶۔ خاندانِ لوہارو کے شعرا ص ۱۰۵۔ ذکرِ غالب ص ص ۱۲۸، ۱۴۲، ۱۴۳-۱۴۴) وغیرہ۔

۱۰۶۔ علی حسین خاں عرف اور نجم الدین احمد خاں نام تھا: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب امین الدین احمد خاں کے صاحبزادے اور اُن کی دوسری بیوی ملکہ بیگم شہزادی کے بطن سے تھے۔ گویا علائی کے سگے بھائی تھے۔ ان کا انتقال ۲۰ جنوری ۱۹۰۸ء کو ہوا ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

۱۰۷۔ علی محمد بیگ، مرزا: غالب نے ان کا ذکر علائی اور حکیم غلام نجف خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ حکیم غلام نجف خاں کے نام غالب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹونک میں تھے اور میر منشی عزیز اللہ خاں کے رشتہ داروں میں تھے۔

۱۰۸۔ غلام اللہ خاں، حکیم: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ حکیم محمود خاں کے بھائی حکیم غلام محمد خاں کے صاحبزادے اور حکیم اجمل خاں کے خسر تھے۔ حکیم غلام محمد خاں اور حکیم غلام اللہ خاں دونوں ریاست پٹیالہ سے وابستہ تھے۔

ملاحظہ ہو: حیاتِ اجمل، ص ۱۴۱

۱۰۹۔ غلام عباس، سیف الدولہ، میر: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہر گوپال تفتہ اور سجاد مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ میر غلام عباس مغل دربار سے وابستہ تھے اور وکیلِ شاہی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران اُن کی قلعے میں آمد و رفت تھی۔ نواب عطاء اللہ خاں کے لڑکے تھے۔ دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد ان کے مکانات قرق ہو گئے تھے۔ یہ دونوں دہلی چھوڑ کر دو چار کوس دور کسی گاؤں میں مقیم ہو گئے تھے۔ نواب عطاء اللہ خاں غالب کے دوست تھے۔ (غالب کا خط بہ نام تفتہ مورخہ ستمبر ۱۸۵۸ء)

ملاحظہ ہوں: اٹھارہ سو ستاون — اخبار اور دستاویزیں، ص ص ۲۰۳، ۲۹۶، ۲۹۷ — تاریخِ عروجِ عہدِ سلطنتِ انگلشیہ ہند، ص ۹۰۴، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۲۷۔

۱۱۰- غلام محی الدین خاں، عرف بڈھے صاحب: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ بڈھے صاحب نواب امین خاں کے صاحبزادے اور نواب نظام الدین شاہ جی کے پوتے تھے۔ نظام الدین شاہ جی ہیں، جو مہاراجا سندھیا کی طرف سے دہلی کے صوبہ دار تھے اور ان کے نام سے دلی میں شاہ جی کا چھتہ اور شاہ جی کا تالاب (موجودہ رام لیلا گراؤنڈ) مشہور ہے۔ انھیں ایک ہزار روپیہ ماہوار پنشن کلکٹری سے ملتا تھا۔ تین سو روپے ماہوار ریاست بھرت پور سے بطور وظیفہ ملتا تھا۔ پانچ سو روپے ماہوار کرایے کی جائداد تھی۔

۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران یہ مرزا مغل کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے۔ اس لیے انگریزوں نے دہلی فتح کرنے کے بعد ان کی تلاش شروع کی۔ یہ پہلے تو شہر ہی میں روپوش رہے۔ پھر بلم گڑھ چلے گئے اور وہاں سے گوالیار پہنچے۔ برطانوی سرکار نے انھیں معاف کر کے ان کی جائداد واگذار کر دی تھی۔ ۱۸۶۲ء میں انھوں نے دہلی کی تمام جائداد فروخت کر دی اور دہلی سے چلے گئے۔

ملاحظہ ہو: غدر کا نتیجہ، ص ص ۵۰-۴۹

۱۱۱- غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب: غالب نے ان کا ذکر مولوی سراج الدین احمد، سید احمد حسن مودودی، نواب نور الدولہ شفق اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوں میں کیا ہے۔ یہ مولانا قطب الدین کے صاحبزادے اور مولانا فخر الدین کے پوتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر اور بہت سے شہزادوں اور امرا کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ کالے صاحب نے ایک مغل شہزادی ملکہ بیگم سے شادی کی تھی۔ ان سے ظفر کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ کالے صاحب کے صاحبزادے نظام الدین کی شادی ۱۴ مارچ [illegible] کو ہوئی۔ اس وقت شاہی خزانے میں روپیہ نہیں تھا۔ ظفر نے ایک ساہوکار سے سرکاری تمسک پر چار ہزار روپیہ قرض لے کر دیا۔ اور بادشاہ خود اس شادی میں شریک ہوئے۔ ۱۱ ستمبر [illegible] کو جب کالے صاحب کی بیوی کا انتقال ہوا تو شاہ [illegible] تعزیت کے لیے گئے۔ کالے صاحب نے حج بھی کیا۔ حج سے واپسی پر بمبئی پہنچ گئے۔ کچھ دن وہاں قیام کر کے دہلی واپس آ گئے۔ ۱۵ صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۲ فروری ۱۸۴۷ء کو ان کا انتقال ہوا۔

غالب کے ان سے بہت گہرے مراسم تھے۔ ۱۸۴۷ء میں جب قید سے رہا ہوئے تو کالے صاحب انھیں اپنے گھر لے آئے۔ کالے صاحب کی وفات تک غالب انھی کے گھر میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد غالباً ان کے وارثین کو غالب کا وہاں رہنا پسند نہیں تھا۔ اس لیے غالب نے مکان بدل لیا۔ اس وقت کے

بارے میں غالب نے ۴ مارچ ۱۸۵۲ء کے ایک فارسی خط میں تفتہ کو لکھا تھا: "بعد رحلت کالے صاحب در و دیوار آں کاشانہ با من نساخت۔"

ملاحظہ ہوں: آثار الصنادید، باب چوتھا، ص ۲۱۔ سرطاس مٹکاف کی ڈائری ص ص ۱۰۔ ۲۹۔۳۲، اور ۲۴۵۔ تاریخ "اولیاء دہلی معروف بہ تحفۂ سعید" ص ص ۹۷-۹۶۔ باغ دو در، ص ۱۶۱

۱۱۲- فخر الدین، مولانا غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور سید احمد حسن مودودی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے صاحبزادے تھے ۱۱۲۶ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت حاصل کر کے فوج میں ملازم ہو گئے۔ دن کو فوجی کاموں میں مصروف رہتے اور رات کو عبادت کرتے۔ کچھ عرصے بعد ملازمت ترک کر دی۔ دہلی آکر درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ یہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں اور شاہ ولی اللہ کے معصر تھے۔ غالب کے دوست غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب، حضرت غلام قطب الدین کے صاحبزادے اور مولانا فخر الدین کے پوتے تھے۔ (دیکھیے حالات غلام نصیر الدین) مولانا فخر الدین کا ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ کو دہلی میں انتقال ہوا۔ قطب صاحب کے احاطے میں مسجد اولیا کی پشت پر مزار ہے۔

ملاحظہ ہوں: مناقب فخریہ، نواب نظام الدین خاں نظام۔ قواعد فخریہ (قلمی) عیوض علی، مملوکہ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ تاریخ مشائخ چشت، ص ص ۵۲۹-۴۶۰

۱۱۳- فرخ سیر معین الدین: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ مغل بادشاہ جہاں دار شاہ کے بھتیجے تھے۔ سید برادران نے جہاں دار شاہ کو قتل کر کے فرخ سیر کو ۷ ذی قعدہ ۱۱۲۴ھ کو تخت نشین کیا تھا۔ فرخ سیر ۱۰۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ سید برادران کا جب فرخ سیر سے اختلاف ہوا تو انہوں نے ۱۱۳۱ھ میں فرخ سیر کو اندھا کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور ۲ جمادی الثانی ۱۱۳۱ھ کو انہیں قتل کرا دیا۔

۱۱۴- فردوسی، حسن ابن اسحٰق ابن شرف، ابوالقاسم کنیت: حکیم ابوالقاسم کے نام سے مشہور تھے۔ غالب نے ان کا ذکر مرزا حاتم علی بیگ مہر، چودھری عبدالغفور سرور، میاں داد خاں سیاح اور ضیاء الدین ضیا دہلوی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ طابران طوس کے ایک قریے باژ میں ۳۲۹ھ کے آس پاس پیدا ہوئے۔ فردوسی کا شاہنامہ عالمی ادب میں عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ۳۶۵ھ میں شاہنامہ لکھنا شروع کیا جو ۳۸۴ھ میں مکمل ہوا۔ ۳۹۴ھ میں محمود غزنوی کے

دربار سے وابستہ ہوئے۔ اُن کا سنِ وفات ۱۰۰۶ھ سے ۱۰۱۶ھ تک مختلف سال بتائے جاتے ہیں

ملاحظہ ہوں: تاریخ ادبیات در ایران، ص ص ۳۴۹ - ۵۵۰۔ تحقیقات فردوسی و شاہنامہ

ص ص ۱۰۱ - ۲۰۳ — مقالات محمود شیرانی، جلد ۴

۱۱۵- فیضی، شیخ ابوالفیض : غالب نے ان کا ذکر غلام غوث خاں بے خبر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ شیخ مبارک کے صاحبزادے تھے۔ ۹۵۴ھ میں ہندوستان کے ایک شہر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ بہت ذہین انسان تھے۔ چودہ سال کی عمر میں عروض و بدیع، تفسیر اور منطق پر عبور حاصل کر لیا۔ ۹۷۴ھ میں جلال الدین اکبر کے دربار میں رسائی ہوئی اور ملک الشعرا کے خطاب سے نوازے گئے۔ ۱۰۰۴ھ میں ۵۰ سال کی عمر میں لاہور میں انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: دو لیست سخنور، ص ص ۳۱۵ - ۳۱۶

قاسم، میر قاسم علی خاں : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، منشی نبی بخش حقیر اور مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالب نے ان کے بارے میں تفتہ کو لکھا ہے: "یہ میرے بڑے دوست ہیں" تفتہ کے نام غالب کے ایک اور خط سے پتا چلتا ہے کہ یہ بانس کے منصف تھے۔ گلستان سخن میں میر قاسم علی خاں قاسم کا ذکر ہے جو پانی پت کے منصف تھے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی بزرگ ہوں کیوں کہ ان کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ یہ آگرے میں بھی منصف رہے تھے۔ بقول آفاق حسین آفاق ' بعد میں صدر امین کے عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔ مہر نے "نعمت المسرت" میں ان کا ذکر اپنے قریبی دوست کی حیثیت سے کیا ہے اور انھیں امام بخش ناسخ کا شاگرد بتایا ہے۔ بعد میں یہ غالب کے شاگرد ہو گئے تھے۔ کیوں کہ غالب نے مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام خط میں انھیں بھی خط لکھا ہے، اور اس میں کہا ہے: "اشعار بعد حک و اصلاح کے پہنچے ہیں۔ یہ تب میری ارزش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔"

ملاحظہ ہوں: گلستان سخن، جلد ۲، ص ۲۹۰۔ نادرات غالب، حواشی ص ۲۲۔ دیوان گوکل پرشاد، ص ۶۹ (گوکل پرشاد نے لکھا ہے: "سید قاسم علی خاں جو بی ہند اور لکھنؤ میں شاگرد ناسخ ..." ممکن ہے یہ ان ہی قاسم کا ذکر ہو) مرزا حاتم علی مہر۔ تحقیق مزید، حنیف نقوی، نیا دور، لکھنؤ، جنوری فروری ۱۹۸۵ء، ص ۵۷۔

۱۱۷- قتیل، مرزا محمد حسن : غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور، مجروح، شفق، نواب

کلب علی خاں فائق، مولوی ضیاء الدین خاں ضیا دہلوی وغیرہ کے خطوط میں کیا ہے۔ قتیل کا تعلق بٹالہ ضلع گورداس پور (پنجاب) کے ایک کھنڈاری خاندان سے ہے۔ قتیل کے والد درگاہی مل اور دادا رائے جی مل باغپت میں پیدا ہوئے۔ قتیل کی ولادت ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۷ء، ۱۷۵۹ء) میں دہلی میں ہوئی۔ قتیل نے مسلمان ہوکر اپنا نام محمد حسن رکھ لیا۔ عام طور سے قتیل کا اصلی نام دلوالی سنگھ بتایا جاتا ہے، لیکن مالک رام صاحب کی تحقیق ہے کہ اصل نام دیوانی سنگھ تھا۔ ۳۱ جنوری ۱۸۱۸ء کو قتیل کا لکھنؤ میں انتقال ہو۔

مرزا قتیل، قاضی عبدالودود، معاصر، حصہ ۴ ص ص ۱۸۰ - ۱۷ — شمع انجمن ص ۳۹۰
سفینۂ ہندی، ص ۱۷۲ — ہفت تماشا، مرتبہ ڈاکٹر محمد عمر ص ص ۲۷-۱۱ ۔

فسانۂ غالب، مالک رام، ص ص ۱۱۸ — ۱۲۲ — عقد ثریا ۶۳ — قتیل کا وطن، سید اسد علی انوری، نگار، لکھنؤ، مئی ۱۹۳۲ء، ص ۱ — قتیل دہلوی تھا یا فرید آبادی، مختار الدین احمد، نقوش، ادب عالیہ نمبر، لاہور، ص ص ۷۰-۶۱ ۔

۱۱۸۔ قدسی، حاجی محمد جان : غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور، مرزا ہرگوپال تفتہ، علاء الدین احمد خاں علائی اور نواب انورالدولہ شفق کے نام خطوط میں کیا ہے۔ بقال پیشہ تھے۔ جب شاعری میں کچھ نام ہوا تو ہندوستان آئے۔ یہاں شاہجہاں بادشاہ نے اُن کی قدر و منزلت کی اور درباری شاعروں میں شامل کرلیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک قصیدے کے صلے میں شاہجہاں نے انھیں سونے میں تولا تھا۔ ۱۰۵۶ھ میں کشمیر میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

ملاحظہ ہو: دو لیست سخنور، ص ص ۳۲۵ - ۳۲۸

۱۱۹۔ قمرالدین عرف پیر جی : غالب نے ان کا ذکر شمشاد علی بیگ خاں رضوان، علاء الدین احمد خاں علائی، یوسف مرزا اور میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کا نام قمرالدین تھا اور پیر جی کے نام سے مشہور تھے۔ شعر گوئی کا بھی ذوق تھا۔ پیر جی ہی تخلص کرتے تھے۔ عبداللہ شاہ بشیر نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ "باشندہ دہلی، مدت سے دہلی میں"۔ بیری رام کا بیان ہے کہ غالب اور سالک کے شاگرد تھے۔ کتب فروشی و معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء، ۱۸۸۱ء) میں انتقال کیا۔ رضوان کے نام غالب کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ دن کے لیے پیر جی آگرہ میں بھی رہے ہیں۔

ملاحظہ ہوں: خم خانۂ جاوید، جلد ۲، ص ص ۱۲ - ۱۳ — غالب اور تلامذۂ غالب — تذکرۂ بشیر

پانچ ہزار پانچ سو روپے ملے۔ ۱۰۶۱ھ میں کشمیر میں انتقال ہوا۔ قدسی مشہدی اور سلیم تہرانی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ملاحظہ ہو: دولتِ شاہوراں ص ۲۲۹-۲۳۱۔ کلیم کی ہندوستان میں آمد؛ ڈاکٹر نذیر احمد: مقالاتِ منتخبہ، جلد ا، پٹنہ ۱۹۸۵ء

۱۲۴۔ لارنس، جان لیرڈ میر (John Laird Mair Lawrence): غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور منشی شیونرائن آرام کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ کرنل الگزینڈر لارنس کے چھٹے بیٹے اور ہنری لارنس کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۴ مارچ ۱۸۱۱ء کو یارک شائر میں پیدا ہوئے۔ ۹ فروری ۱۸۳۰ء کو کلکتے پہنچے اور فورٹ ولیم کالج میں ملازمت کر لی۔ اس ملازمت کے دوران انھوں نے اردو اور فارسی میں مہارت حاصل کر لی۔ حکومت سے خود درخواست کر کے دلّی آ گئے۔ وہ یہاں فرسٹ اسسٹنٹ مجسٹریٹ اور دلّی کے کلکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۸۳۴ء میں پانی پت میں پانی پت ڈویژن کے انچارج بنا کر بھیجے گئے۔ کچھ عرصہ پنجاب کے چیف کمشنر رہے۔ ۱۲ جون ۱۸۶۴ء سے ۱۲ جنوری ۱۸۶۹ء تک ہندوستان کے وائسرائے رہے۔ ۲۶ جون ۱۸۷۹ء کو لندن میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: Dictionary of National Biography Vol. 32, pp. 267-273

Dictionary of Indian Biography, pp. 246-247

۱۲۵۔ لیک، لارڈ گیرارڈ (Gerard Lake): غالب نے ان کا ذکر منشی حبیب اللہ خاں ذکا، یوسف مرزا اور نواب علاء الدین خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ چارلس لیک کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۲۷ جولائی ۱۷۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۳ اکتوبر ۱۸۰۰ء کو لیک ہندوستان میں برطانوی فوج کے کمانڈر انچیف اور ہندوستان میں کونسل کے دوسرے ممبر مقرر ہوئے۔ لیک نے برطانوی فوج کی تربیت پر بہت زور دیا۔ ہندوستان میں مرہٹوں کی طاقت کو ختم کرنے میں لیک کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ گنگا اور جمنا کے درمیان کا علاقہ جسے دوآبہ کہتے ہیں اور بیں پر سندھیا نے قبضہ کر لیا تھا، لارڈ لیک کی کوششوں سے کمپنی بہادر کے تحت آیا۔ ۱۸۰۷ فروری ۱۸۰۷ء کو انگلستان واپس گئے۔ ۲۰ فروری ۱۸۰۸ء کو وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کے گورنر تھے۔ جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے اکبرآباد پر حملہ کیا تو بغیر کسی مزاحمت کے نصر اللہ بیگ خاں نے ہتھیار ڈال دیے اور قلعہ لارڈ لیک کے حوالے کر دیا۔ بعد کے کئی معرکوں میں نصر اللہ بیگ خاں لارڈ لیک کے ہمراہ رہے۔ لارڈ لیک نے نصر اللہ

بیگ کو انگریزی فوج میں شامل کر لیا۔ چار سو سوار کا رسالدار بنا کر ستر سو روپے مہینا تنخواہ مقرر کر دی۔ نصراللہ بیگ نے ہلکر کے سپاہیوں کو شکست دے کر بھرت پور کے نواح میں سونک اور سونسا دو محال پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ لارڈ لیک نے نصراللہ بیگ خاں کی بہادری کے اعتراف کے طور پر ان کو یہ دونوں پرگنے حین حیات تک کی جاگیر میں دے دیے۔ ۱۸۰۶ء میں ہاتھی پر سے گر کر نصراللہ بیگ خاں کا انتقال ہو گیا۔ لارڈ لیک نے مرحوم کے خاندان کے لیے دس ہزار روپے سالانہ کی پنشن مقرر کر دی۔ غالب کے حصے میں ساڑھے سات سو روپے سال آئے جو زندگی بھر انھیں ملتے رہے۔

ملاحظہ ہو: Dictionary of National Biography Vol 31, pp 411-415

ذکرِ غالب، پانچواں اڈیشن، ص ص ۳۲، ۳۱۔ نیز دیکھیے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کی درج ذیل دستاویز:

Foreign Political 28 Aug 1837

۱۲۶- مادھو رام: یہ اورنگ زیب کے عہد میں [illegible] صوبہ دار لاہور کے منشی تھے کچھ عرصے شاہزادہ جہاں دار شاہ کے ملازم رہے۔

مآثر الامرا، جلد ۳، ص ۱۷۱، ۱۷۵

۱۲۷- مائل، میر عالم خاں سہسوانی: غالب نے ان کا ذکر تفتہ، میر غلام بابا خاں، میر ابراہیم علی خاں وفا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے علاوہ محمود بخش سہسوان کے رہنے والے تھے لیکن بڑودے میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ میر ابراہیم علی خاں وفا ان کے رشتہ داروں میں تھے۔ [illegible] میں انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: تلامذۂ غالب، ص ۲۵۲۔ بزمِ سخن، ص ۲۰۰۔ طورِ کلیم، ص ۱۸

۱۲۸- متھرا داس: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ دلی کے مشہور مہاجن تھے۔ بہادر شاہ ظفر سے قربت حاصل تھی۔ بغاوت کے دوران جن مہاجنوں نے شاہی وظیفہ داروں کی تنخواہوں کی ذمہ داری لی تھی ان میں متھرا داس بھی تھے۔ سپاہی فوج کے افسروں سے مزید روپیہ جبراً وصول کرتے تھے۔ جیون لال کے روزنامچے میں ۳ ستمبر کے واقعات میں ان کی فریاد کا ذکر ہے۔

ملاحظہ ہو: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۲۰۲۔ دلی کا آخری سانس۔

۱۲۹۔ محمد افضل : غالب نے ان کا ذکر مجروح اور یوسف مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ ممتاز مصور تھے اور دہلی کے مصوروں کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان نے فنِ مصوری اُن ہی سے سیکھا تھا۔ انھوں نے غالب کی تصویر بھی کھینچی تھی۔ سرسید نے آثار الصنادید طبع اول کے لیے تاریخی عمارتوں کی تصاویر ان سے تیار کرائی تھیں جو اسی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے ان کا نام محمد فضل بتایا ہے اور لکھا ہے "تمام عالم میں ان کے قلم کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔" مرزا فرحت اللہ بیگ اس فن میں محمد افضل کے چھوٹے بھائی محمد عارف کے شاگرد تھے۔

ملاحظہ ہو : احوالِ غالب، ص ۲۴۳ — اردو۔ اورنگ آباد، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۲۴۹۔

۱۳۰۔ محمد بخش : ان کا ذکر غالب کے خطوط میں صرف ایک بار آیا ہے۔ غالب نے میر مہدی مجروح کو لکھا ہے : "اب محمد بخش اور پیرجی سے کہہ دوں گا۔ اگر کسی نے لا دیا تو ایک جلد سرفراز حسین کو بھیج دوں گا۔" پیرجی کتب فروش تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد بخش کا بھی یہی پیشہ تھا۔

۱۳۱۔ محمد حسن منشی : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ غالب کا بیان ہے کہ انھوں نے نصیر الدین حیدر کی مدح میں ایک قصیدہ منشی محمد حسن کو بھیجا تھا۔ روشن الدولہ کے توسط سے یہ قصیدہ نصیر الدین حیدر کی خدمت میں پیش ہوا۔ اودھ کی تاریخوں میں محمد حسن نامی صرف ایک شخص کا ذکر آیا ہے، جسے روشن الدولہ سے قربت حاصل تھی۔ پورا نام مرزا محمد حسن تھا اور یہ ایک طوائف کے بطن سے روشن الدولہ کے لڑکے تھے۔ ممکن ہے غالب انھیں مرزا محمد حسن کا حوالہ دے رہے ہوں۔ روشن الدولہ نے مرزا محمد حسن کو جنرل کے عہدے پر فائز کر دیا تھا۔

۱۳۲۔ محمد حسین تبریزی بن خلف التبریزی : غالب نے ان کا ذکر میاں داد خاں سیاح، مرزا ہرگوپال تفتہ اور علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ برہان ان کا تخلص تھا۔ "برہانِ قاطع" کے مولف ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی بالکل نہیں ملتے۔ ڈاکٹر محمد معین نے "برہانِ قاطع" چار جلدوں میں تہران سے چھاپی ہے۔ انھوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ باوجود کوشش کے ان کے حالات نہیں مل سکے۔ محمد حسین نے ۱۰۶۲ھ میں دکن میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں "برہانِ قاطع" مکمل کی تھی۔

۱۳۳۔ محمد علی بیگ : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں اس طرح کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علائی کے خاندان سے ان کا قریبی تعلق تھا۔ مرزا شمس الدین احمد خاں، ناظم لوہارو

کے ایک مقالے میں مرزا محمد علی بیگ ناظم ریاست کا ذکر آیا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی بزرگ ہوں۔

ملاحظہ ہو: فخر الدولہ نواب مرزا علاء الدین احمد خاں بہادر علائی۔ مرزا شمس الدین احمد خاں۔ اردو۔ اورنگ آباد، جولائی ۱۹۴۳ء، ص ص ۳۰۹ - ۳۲۹

۱۳۴۔ محمد میر: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ میر روشن علی خاں فروغ کے پوتے اور امداد علی آشوب کے ساتھ رہتے تھے۔ غالب مجروح کے نام خط مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۶۲ء میں ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آج صبح کو اُسے دفن کر آئے۔"

۱۳۵۔ محمود خاں حکیم: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین خاں علائی، شہاب الدین احمد ثاقب اور مرزا ہرگوپال تفتہ اور علامہ نجف خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ دہلی کے حکیم صادق علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ دہلی والے ان کا بہت احترام کرتے تھے ۱۸۵۷ء کی تباہی کے بعد جب لوگ دہلی سے فرار ہوئے تو بہت سے لوگ اپنا قیمتی سامان حکیم محمود خاں کے پاس امانت رکھ گئے تھے۔ امن ہونے پر انھوں نے اپنی اپنی امانت واپس لے لی۔ حکیم محمود خاں کے بھائی غلام محمد خاں پٹیالہ سے منسلک تھے۔ خود حکیم محمود خاں ریاست جیند (JIND) سے وابستہ تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا تو نابھہ، پٹیالہ اور جیند کی فوجیں ساتھ تھیں۔ ان ریاستوں کے مہاراجاؤں نے برطانوی حکومت سے درخواست کی تھی کہ حکیم محمود خاں اور ان کے خاندان کے افراد کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس لیے فتح دہلی کے بعد حکیم محمود خاں کے گھر پر پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود ۲ فروری ۱۸۵۸ء کو حکیم صاحب اور ان کے گھر میں موجود سات دیگر افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ چند روز بعد حکیم محمود خاں، ان کے سگے بھائی حکیم مرتضیٰ خاں اور چچازاد بھائی حکیم عبد الحکیم خاں کو رہا کر دیا۔ بغاوت ۱۸۵۷ء میں غالب اسی خاندان کی وجہ سے محفوظ رہے۔ ۷۲ سال کی عمر میں ۱۸۹۲ء میں حکیم محمود خاں کا انتقال ہوا۔ حالی نے ان کا مرثیہ لکھا ہے جو اس موضوع پر اعلیٰ درجہ کی نظم ہے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں انھی کے صاحبزادے تھے۔ حکیم محمود خاں کی تین تصنیفات بتائی جاتی ہیں (۱) ضیاء الابصار (۲) کارنامۂ عشرت، اور (۳) قانونِ شریفی۔

ملاحظہ ہوں: دستنبو، ص ۴۲ — حیات اجمل، ص ص ۱۲ - ۲۰ — کلیات نثر حالی، جلد ۲، ص ۲۹۔

۱۲۶۔ محمود علی حکیم : غالب نے میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں محمود علی اور دوسرے خط میں حکیم محمود علی لکھا ہے۔ غالب کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مجروح کے دوستوں یا عزیزوں میں تھے۔ مہاراجہ الور نے ایجنٹ سے اجازت لے کر انھیں اپنی ریاست الور میں بلا لیا تھا۔ غالباً ان کا پیشہ حکمت تھا۔

۱۲۷۔ محو، نواب غلام حسن خاں : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی اور میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب غلام حسین خاں مسرور کے صاحبزادے تھے۔ مسرور کی شادی نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی بنیادی بیگم سے ہوئی تھی۔ اس طرح غالب مسرور کے ہم زلف تھے۔ مسرور نے دو شادیاں کی تھیں۔ دوسری بیوی کا نام سنگی بیگم تھا۔ بنیادی بیگم کے بطن سے زین العابدین خاں عارف اور غلام حیدر حسن خاں پیدا ہوئے تھے اور سنگی بیگم کے بطن سے چار لڑکے ہوئے۔ ان میں سب سے بڑے محو تھے۔ محو کے دادا نواب فیض اللہ بیگ خاں سہراب جنگ کے انتقال کے بعد برطانوی حکومت سے ان کے پس ماندگان کو ایک ہزار روپیہ مہینا ملتا تھا۔ اس میں سے والد مسرور کو تین سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ مسرور کا نومبر ۱۸۵۵ء میں انتقال ہوا تو یہ دونوں پنشنیں بند ہو گئیں۔ لفٹنٹ گورنر (آگرہ) کی سفارش پر جون ۱۸۵۶ء میں برطانوی حکومت نے محو کی سو روپے مہینے کی پنشن مقرر کر دی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں یہ پنشن بند ہو گئی تھی۔ مجروح کے نام غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ فروری ۱۸۵۹ء میں یہ پنشن جاری ہو گئی۔ محو نے ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے واقعات پر تصنیف "مہر گورنمنٹ" کے نام سے فارسی میں ایک کتاب لکھی تھی جس کی اردو تلخیص "غدر کا نتیجہ" کے نام سے خواجہ حسن نظامی نے شائع کی تھی۔ محو کو شطرنج کا بہت شوق تھا۔ شاعری میں پہلے ذوق اور پھر غالب کے شاگرد ہوئے۔

ملاحظہ ہو: غدر کا نتیجہ، ص ۶۔ تلامذۂ غالب، ص ۲۵۸۔ گلستانِ سخن جلد ا، ص ص ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ سخن شعرا، ص ص ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ خاندانِ لوہارو کے شعرا، ص ص ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ طورِ کلیم (مرتبہ) عطا کاکوی، ص ۱۱۰

۱۲۸۔ مرزا عباس شاہ : دیکھیے عباس شاہ مرزا۔

۱۲۹۔ مرزا قیصر : غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ ظفر کے چچا زاد بھائی تھے۔ انھیں حکومت نے ظفر کے ساتھ رنگون بھیجنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا، انھوں نے خود بادشاہ کے ساتھ رنگون جانے کی خواہش کی تھی لیکن سیاسی قیدیوں کا قافلہ جب الہ آباد پہنچا تو انھوں نے اپنا ارادہ بدل

دیا۔ ایک سرکاری دستاویز میں اُن کے بارے میں لکھا گیا ہے: "بالکل بے ضرر ہیں لیکن بہت دن تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ ان پر ذاتی نگرانی رکھی جائے یا جب تک ہندوستان میں گڑبڑ ہے اُن پر نگاہ رکھی جائے"۔

ملاحظہ ہو: نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کی مندرجہ ذیل دستاویز:

Foreign Dept. 10 Dec. 1858 S. No. 52-125

۱۴۰۔ مرزا یوسف: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ غالب کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۷۹۹ء کے آخر یا ۱۸۰۰ء کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ سپاہی پیشہ آدمی تھے اور بہ قول نواب آغا مرزا بیگ "افواجِ تابعہ دولت آصفیہ میں نہایت معتمد عہدے پر فائز تھے۔ کسی دشمن نے ایسا جادو کیا یا ایسی دوا کھلا دی کہ وہ مجنونِ محض ہو گئے اور تا وقتِ انتقال مجنون رہے۔" اس وقت مرزا یوسف کی عمر تقریباً ۲۸ سال تھی۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں وہ [illegible] کی گلی میں رہتے تھے۔ ان کی بیوی اور خاندان کے دوسرے افراد جے پور میں تھے۔ ۳۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج کے کچھ سپاہی مرزا یوسف کے گھر میں گھس گئے اور سب اسباب و سامان لوٹ کر لے گئے۔ مرزا یوسف اور ان کے دو ملازموں (ایک بوڑھا مرد اور ایک بوڑھی عورت) کو کچھ نہ کہا۔ غالب نے دستنبو میں لکھا ہے کہ پانچ دن بخار میں مبتلا رہ کر ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو مرزا یوسف انتقال کر گئے۔ لیکن معین الدین حسن خاں کا بیان ہے کہ مرزا یوسف حالتِ جنون میں گھر سے باہر نکل کر ٹہل رہے تھے کہ کسی نے انھیں گولی مار دی۔ مرزا یوسف کو [illegible] میں دفن کیا گیا تھا۔ اب اُن کی قبر کا پتا نہیں چلتا۔ غالب کی طرح مرزا یوسف کو بھی ساڑھے باسٹھ روپے ماہانہ پنشن ملتی تھی۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کی بیوی لاڈو بیگم کو یکم اکتوبر ۱۸۶۰ء سے بیس روپے ماہوار پنشن ملنے لگی۔ مرزا یوسف کی صرف ایک بیٹی عزیز النسا بیگم تھیں۔ اُن کی شادی غلام فخر الدین سے ہوئی تھی۔ فخر الدین مرزا علی بخش خاں کے بیٹے اور نواب الٰہی بخش خاں معروف کے پوتے تھے۔

ملاحظہ ہوں: فسانۂ غالب ص ص ۳۸-۵۱۔ دستنبو (مسعود حسن یادگار ایڈیشن) ص ۳۳ اور ص ۲۷۔ خدنگ غدر ص ۴۰۔ کارنامۂ سروری ص ۱۹۔ غالب اور شاہانِ تیموریہ ص ص ۱۰۱-۱۰۲

۱۴۱۔ مشرف علی، شیخ: غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ یہ بہ قول غالب کوچہ استاد حامد میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ میر مہدی مجروح نے شیخ مشرف علی کے ہاتھ غالب کو خط بھیجا تھا

۱۴۲ا۔ مظہر الحق، مولوی : غالب نے ان کا ذکر تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ ظہور علی ظہور کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ظہور کا پیشہ درس و تدریس تھا اور سینکڑوں انگریز اُن کے شاگرد تھے

مظہر الحق نے عربی، فارسی، انگریزی، ریاضی اور علم ہیئت میں دستگاہ حاصل کی تھی۔ نظم و نثر دونوں کے مرد میدان تھے۔ انھوں نے قصیدوں اور غزلوں کے علاوہ برج بھاشا میں بولیاں اور ٹھمریاں کثرت سے لکھیں۔ سنسکرت کی صرف و نحو پر قدرت رکھتے تھے۔ انھوں نے علم ہیئت میں کچھ کتابیں لکھی تھیں اور انگریزی کی کچھ کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ رٹی گن جو دہلی میں جج تھے مظہر الحق کے شاگرد تھے۔ ان ہی کی ترغیب پر انھوں نے دو ہزار شاعروں پر مشتمل ایک تذکرہ لکھا تھا۔ ان میں سے چار سو شاعروں کے حالات انوار الحق نے لکھے تھے۔

مظہر الحق پہلے ریاست جھجھ میں ملازم ہوئے ۱۸۶۲ء میں رٹی گن کے منشی مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ڈپٹی کمشنر گڑگاؤں کے پاس ملازم ہو گئے۔ پانودی میں کچھ عرصے تحصیلدار بھی رہے۔ منصفی کا امتحان پاس کیا تو چیف کمشنر دہلی نے اپنے پاس بلا لیا۔ ۱۲۸۶ھ اور ۱۳۰۱ھ کے درمیان انتقال ہوا!

ملاحظہ ہوں: تذکرہ مظہر العجائب اور مرزا غالب، مسلم ضیائی، العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء، ص ص ۳۹ - ۳۲ - ۵۲۲ - یادداشت، قاضی عبدالودود، معاصر، حصہ ۱۰، ص ص ۱۰۴ - ۹۴

۱۴۳ا۔ مظہر علی، مولوی : غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ دہلی کے رہنے والے اور میر افضل علی میرن کے خسر یا سالے تھے۔

۱۴۴ا۔ معروف، مرزا الہی بخش خاں : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی اور قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ معروف کے والد عارف جان اپنے دو بھائیوں قاسم جان اور عالم جان کے ساتھ بلخ سے لاہور آئے تھے۔ لاہور میں کچھ دن وہاں کے حاکم معین الملک عرف میر منو کے ملازم رہے۔ میر منو کی وفات کے بعد چندے بنگال میں شاہ عالم کے ساتھ ایک مہم میں شریک رہے اور پھر شاہ عالم کے ساتھ ہی دلی آ گئے۔ عارف جان کے چار لڑکے تھے، محمد علی خاں۔ نبی بخش خاں۔ نواب احمد بخش خاں اور نواب الہی بخش خاں معروف۔ الہی بخش خاں نے درویشی اختیار کر لی تھی۔ اردو کے اچھے شاعروں میں تھے بلکہ اس خاندان کے پہلے شاعر تھے۔ غالب کی بیوی امراؤ بیگم ان ہی کی صاحبزادی تھیں۔ معروف کی وفات ۱۲۴۲ھ میں ہوئی۔ ان کا دیوان شاہ عبدالحامد قادری بدایونی نے ۱۹۳۵ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع کیا تھا۔ معروف نے دو دیوان مرتب کیے تھے۔ ایک دیوان تو نظامی پریس سے

شائع ہوگیا۔ دوسرے دیوان کا مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ معروف کے
دیوان کا ایک مخطوطہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری میں بھی ہے۔ یہ وہی دیوان ہے جو چھپ چکا ہے۔ مطبوعہ
دیوان میں رباعیات، قطعات اور ایک مثنوی زائد ہے۔

ملاحظہ ہوں: خاندان لوہارو کے شعرا، ص ص ۱۰۳-۱۰۹۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف، عبدالرزاق
غالب نامہ، نئی دلی، جنوری، اپریل ۱۹۸۱ء، ص ص ۱۲۷-۱۴۰۔ گلستان سخن، جلد ۲، ص ص ۳۰۰-۳۰۳۔
دیوان معروف (قلمی)، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلی۔ بہار بے خزاں، ص ۱۵۰

۱۴۵۔ مغربی، محمد شیریں ملقب بہ شمس الدین: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی
کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ عزیز الدین کے صاحبزادے تھے۔ ۷۴۹ھ میں تبریز کے قریب ایک گاؤں میں
پیدا ہوئے مگر تبریزی کہلاتے ہیں۔ زندگی کا بڑا حصہ شمالی مغرب میں گزارا۔ کہتے ہیں کہ اسی لیے مغربی تخلص
اختیار کیا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے مسلک کے پیرو تھے۔ ۸۰۹ھ میں تبریز میں انتقال کیا۔ دیوان مغربی
صوفیا میں بہت مقبول رہا ہے اور بار بار چھپا ہے۔

ملاحظہ ہو: دویست سخنور، ص ص ۲۹۷-۲۹۹

۱۴۶۔ مکرم حسین، سید: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ اگر
وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر تذکرہ بے بہا (ص ۳۴۷) میں ہے تو یہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ عالم و فاضل
تھے۔ کئی مذہبی کتابوں کے مصنف تھے۔ علم ریاضی میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ء)
میں انتقال کیا۔

ملاحظہ ہو: تذکرہ بے بہا، ص ۳۴۷

۱۴۷۔ ملکہ معظمہ، کوئین وکٹوریہ، قیصر ہند: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، نواب
یوسف علی خاں ناظم، نواب انوار الدولہ شفق، نواب کلب علی خاں، میر مہدی مجروح، یوسف
علی خاں عزیز، مرزا حاتم علی بیگ مہر، یوسف مرزا اور مہاراجہ سردار سنگھ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ
ایڈورڈ ڈیوک آف کینٹ کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئیں۔ ۱۰ فروری ۱۸۴۰ء کو
ان کی شادی پرنس البرٹ سے ہوئی۔ ولیم چہارم کی وفات کے بعد ۲۱ جون ۱۸۳۷ء کو برطانیہ اور آئرلینڈ
کی ملکہ بنائی گئیں۔ ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو۔ مختصر حالاتِ شاہانِ انگلستان، ص ص ۸۲ ـ ۸۱

Life of Her Majesty Queen Victoria, pp 3 87

۱۴۸۔ **ممنون، میر نظام الدین** : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ گوئے فارسی اور اردو کے مشہور شاعر میر قمر الدین منت کے صاحبزادے تھے۔ ان کا شمار بھی اپنے عہد کے بڑے شاعروں میں ہوتا تھا۔ میر قمر الدین منت سونی پت کے رہنے والے تھے۔ ممنون دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اکبر شاہ ثانی کو ممنون سے تلمذ تھا۔ بعض نے اطلاع دی ہے کہ ممنون بادشاہ کے زمرۂ شعرا میں شامل تھے۔ بادشاہ نے فخر الشعرا کے لقب سے نوازا تھا۔ حکیم قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے کہ بادشاہ کی فرمائش پر ممنون نے ایک منظوم قصہ لکھا تھا جسے بادشاہ نے پسند کیا۔ حکومت قاسم کی فوجداری اور جنرل اختر لونی کے عہد میں تحصیل داری کے عہدے پر مامور رہے۔ اس کے بعد پرگنہ گڑھ کی پاے کاری کے عہدے پر مامور ہوئے۔ کافی عرصہ لکھنؤ میں رہے۔ بقول مرزا قادر بخش صابر دہلوی "مدتِ مدید تک نواح اجمیر میں عہدۂ صدر الصدوری پر مامور رہا۔" آخری عمر میں دہلی واپس آگئے۔ ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں انتقال کیا۔

ملاحظہ ہوں: نسیمِ گلشن، ص ۴۳۴۔ گلستانِ سخن، جلد ۲، ص ۳۸۰۔ سراپا سخن، ص ۲۵۰۔ تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا، ص ص ۷۰، ۶۹۔ تذکرہ قطعۂ منتخب ص ص ۶۶۔۶۵۔ سخن شعرا، ص ص ۵۷-۴۵۵ گلشن بے خار، ص ص ۱۹۹، ۱۹۰ مجموعۂ نغز، جلد ۲، ص ۲۱۵ - ۲۱۴۔ گل رعنا، ص ص ۲۸۲، ۲۸۰

مزید ملاحظہ ہوں: مطالعہ میر نظام الدین ممنون ـ کلیاتِ ممنون (پہلی جلد، قصیدے)

۱۴۹۔ **من پھول، پنڈت** : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، خواجہ غلام غوث خاں بے خبر اور منشی نولکشور کے نام خطوط میں کیا ہے۔

جنوری ۱۸۶۳ء میں من پھول لفٹنٹ گورنر کے میر منشی تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ گورنر پنجاب کے میر منشی اور پھر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے ـــ ۱۸۶۵ء میں ایک سیاسی مشن وسط ایشیا میں بھیجا گیا تھا۔ پنڈت جی اس کے سربراہ تھے۔ اس مشن میں مولوی محمد حسین آزاد اور دو افراد اور تھے۔ مشن کا مقصد وہاں کے سیاسی حالات پر رپورٹ پیش کرنا تھا۔ ۱۸۷۷ء اور ۱۸۰۳ء کے دربارِ شہنشاہی کے موقع پر انھیں دیوان اور سی۔ آئی۔ ای کے خطابات ملے تھے۔

تھے مسند نشین ہونے کے بعد مہاراجانے ماسٹر رام چند کو سررشتہ تعلیم پٹیالہ کا ڈائرکٹر مقرر کر دیا۔
ملاحظہ ہو: تاریخ پٹیالہ۔

۱۵۳۔ میاں خاں: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں اس طرح کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علائی کے ملازم تھے۔

۱۵۴۔ میر بادشاہ: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ تفتہ کے دوستوں میں تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ غالب کی ان سے شناسائی مرزا تفتہ کے توسط سے ہوئی تھی۔ تفتہ کے نام غالب کے خط مورخہ ۲ جنوری ۱۸۵۹ء سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر بادشاہ اس زمانے میں سکندر آباد میں منصف تھے۔

۱۵۵۔ میر جان استاد: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالب نے علائی کے نام ایک خط مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۲ء میں لکھا ہے کہ "استاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری پھوپھی ان کی نانی تھیں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دعا، اور اس رو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے سلام۔ اور اس سبب سے کہ استاد کہلاتے ہیں بندگی" اور اس سے ظاہر ہے کہ بہ سبیل دروغ غالب کی تین سگی پھوپھیاں تھیں جن کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی پھوپھی استاد میر جان کی نانی ہوں۔ گویا غالب کا ان سے دور کا رشتہ ہوتا تھا۔ یہ غالب کے دوستوں میں تھے اور غالب کا ان سے ہنسی مذاق کا رشتہ تھا۔ میرا قیاس ہے کہ یہ علاء الدین احمد خاں علائی کے ملازموں میں تھے۔

۱۵۶۔ میر حسن: غالب نے ان کا ذکر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کا اصل نام سید حسن موسوی تھا لیکن میر حسن کے نام سے مشہور تھے۔ یہ خوش نویس تھے اور دہلی میں محبت خاں کی حویلی میں رہتے تھے۔ ممکن ہے یہ وہی بزرگ ہوں جو مجروح کے چچا تھے۔ انھوں نے غالب کا "کلیات نثر" نقل کیا تھا جو ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۵ جولائی ۱۸۶۶ء کو مکمل ہوا۔ اس کلیات نثر میں "پنج آہنگ"، "مہر نیم روز" اور "دستنبو" شامل ہیں اور یہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں محفوظ ہے۔

ملاحظہ ہوں: ... (جلد ۱) مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل صفحہ ۱۰۰ - ۳۰۹ اور ۳۲۶ دیوان مجروح کا دیباچہ۔

۱۶۰۔ میور، سر ولیم (Sir William Muir) : غالب نے ان کا ذکر خواجہ غلام غوث خاں بے خبر، منشی شیو نرائن آرام، مرزا حاتم علی بیگ مہر اور نواب علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ میور ۲۷ اپریل ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئے ۱۸۳۷ء میں بنگال سول سروس میں ان کا تقرر ہوا ۱۸۵۲ء میں حکومت صوبہ شمال مغربی کے سکریٹری مقرر ہوئے ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران آگرے میں انٹیلیجنس ڈپارٹمنٹ کے سربراہ تھے ۱۸۶۸ء سے ۱۸۷۴ء تک صوبہ شمال کے لفٹنٹ گورنر رہے ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۲ء تک انگلینڈ میں ڈنبرگ یونیورسٹی کے پرنسپل اور وائس چانسلر رہے ۱۱ جولائی ۱۹۰۵ء کو انتقال ہوا۔ ولیم میور کو اسلامیات میں بہت دلچسپی تھی اس موضوع پر انھوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ سب سے زیادہ شہرت سیرت کی کتاب " لائف آف محمد" کو ہوئی جس کا جواب لکھنے کے لیے سر سید احمد خاں نے لندن کا سفر کیا تھا اور آخر مدلل جواب لکھ کر اردو اور انگریزی میں چھپایا بھی تھا۔

ملاحظہ ہو : Dictionary of Indian Biography, pp 303-304

۱۶۱۔ ناسخ، شیخ امام بخش : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام بعض خطوط میں کیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے شیخ کو خدا بخش کا بیٹا، بعض نے متبنیٰ اور بعض نے فرزند نسبی لکھا ہے۔ ناسخ کی ولادت ختم محرم ۱۱۸۶ھ کو فیض آباد میں ہوئی۔ سن تمیز کو پہنچے تو لکھنؤ آگئے۔ ورزش و کسرت کا بہت شوق تھا۔ حافظ وارث علی اور مرزا مغل سے مروجہ علوم حاصل کیے۔ بیس سال کی عمر میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور اس فن میں کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ ۲۴ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو : ناسخ۔ تجزیہ و تنقید

۱۶۲۔ ناصر الدین، میر : غالب نے علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں ان کا ذکر کیا ہے میر ناصر الدین، سید ظہیر الدین حسین خاں ظہیر دہلوی مصنف " داستان غدر " کے خسر اور نواب امین الدین خاں کے خالہ زاد بھائی تھے ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران انھوں نے تین انگریز عورتوں کو گھر میں چھپا رکھا تھا جب دلی میں انگریزی فوج داخل ہوئی تو سپاہیوں نے اس خاندان کو تنگ کرنا شروع کیا۔ خبر مشہور ہوئی کہ جنرل صاحب نے جامع مسجد میں ڈیرا لگایا ہے۔ انگریز عورتیں میر ناصر الدین کو اپنے ساتھ لے کر جامع مسجد چلی گئیں اور یہ کہ گئیں کہ ہم جنرل صاحب سے سرٹیفکٹ لے کر

کے صلے میں بہت کچھ دیا گیا۔ یہ مکان بھی مہاراجا کو دیا گیا تھا۔ ۱۳ نومبر ۱۸۶۲ء کو مہاراجہ کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: تاریخ پٹیالہ۔

۱۶۵۔ نصیر الدین حیدر، مرزا۔ عرف مرزا علی حیدر : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ غازی الدین حیدر شاہ اودھ کے صاحبزادے تھے۔ ۹ ستمبر ۱۸۰۳ء کو نسیم دولت المخاطب بہ نواب ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوئے۔ پچیس سال کی عمر میں ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو مسند نشین ہوئے۔ ۸ جولائی ۱۸۳۷ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تاریخ اودھ، جلد ۴، ص ص ۲۱۱-۲۱۲ اور ص ۲۱۴۔

۱۶۶۔ نصیر الدین، میر : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام خطوں میں کیا ہے۔ اُن کے بارے میں خود غالب نے لکھا ہے کہ "یہ نصیر الدین اولاد میں سے ہیں شاہ محمد اعظم صاحب کے۔ وہ خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے اور میں مُرید ہوں اس خاندان کا"۔ یہ مجروح کے دوستوں میں تھے۔

۱۶۷۔ نظامی گنجوی، حکیم جمال الدین ابو محمد الیاس بن یوسف بن زکی بن مُوید : غالب نے ان کا ذکر تفتہ اور قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ۵۳۵ھ کے آس پاس گنجہ میں پیدا ہوئے۔ ساری زندگی گنجہ ہی میں رہے۔ ایک بار اتابک قزل ارسلان کی فرمائش پر تبریز کا سفر کیا تھا۔ اپنے زمانے کے مروجہ علوم طب، نجوم، ادب، بلاغت وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ آذربائیجان اور شروان کے حکمرانوں سے ان کا ربط تھا۔ ان کا ایک دیوان بھی تھا لیکن اب اس کا صرف ایک حصہ ملتا ہے۔ مگر ان کی شہرت خمسہ نظامی کی وجہ سے ہوئی۔ یہ مثنویاں اتنی مشہور ہوئیں کہ ان کا جواب جامی، وحشی، خواجو اور امیر خسرو نے بھی لکھا۔ خمسہ میں ۲۸ ہزار اشعار ہیں جو مخزن الاسرار، لیلیٰ و مجنوں، خسرو شیریں، ہفت پیکر یا بہرام نامہ اور اسکندر نامہ کے نام سے معروف ہیں۔ ۵۹۹ھ یا ۶۰۲ھ میں انتقال ہوا۔ گنجہ میں مدفون ہیں۔

ملاحظہ ہو: تاریخ ادبیات در ایران، جلد ۲، ص ص ۷۹۸۔ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ۴، ص ص ۴۲۱-۳۶۰۔ تذکرۃ الشعرا، ص ص ۱۳۱-۱۳۸۔

۱۶۸۔ نظیری، محمد حسین : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، مرزا ہرگوپال تفتہ اور چودھری عبد الغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ نیشاپور میں ولادت ہوئی۔ ان کے خاندان کے

افراد تجارت کرتے تھے۔ نظیری نے آغاز جوانی میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور بہت جلد پورے ایران میں مشہور ہوگئے۔ کچھ دن کاشان اور آذربائیجان میں رہ کر ہندوستان آئے۔ یہاں عبدالرحیم خانخاناں، اکبر اور جہانگیر نے اُن کی بہت توقیر کی۔ جہانگیر نے ایک غزل کے صلے میں بہت بڑی جاگیر انعام میں دی۔ ۱۰۲۱ھ میں احمد آباد (گجرات) میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ دیوان ہندوستان میں بہت مقبول رہا ہے اور متعدد بار چھپا ہے۔

ملاحظہ ہو: دولیست سخنور، ص ص ۴۴-۴۴۳-

۱۶۹- نعیم بیگ، مرزا: غالب نے ان کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ مرزا کریم بیگ کے صاحبزادے تھے۔ غالباً لوہارو کے رہنے والے تھے، دسمبر ۱۸۶۵ء میں جب غالب رام پور میں تھے تو یہ بھی وہیں تھے۔

۱۷۰- نورالدین، خواجہ: غالب نے میر مہدی مجروح کے نام ایک خط مورخہ ۲۴ جولائی ۱۸۶۱ء میں لکھا ہے: "پرسوں خواجہ مرزا ولد خواجہ امان مع اپنی بی بی بچوں کے دلّی میں آیا کل [illegible] کو اس کا نو برس کا بیٹا ہیضہ کر کے مر گیا۔" اس بچے کا نام خواجہ نورالدین تھی۔ خواجہ مرزا سے مراد خواجہ قمرالدین خاں ہے۔ غالب کے خط کے مطابق اس بچے کا انتقال ۲۴ جولائی ۱۸۶۱ء کو ہوا۔

ملاحظہ ہو: خواجہ امان مرحوم، ذحت [illegible] بیگ، اردو، اورنگ آباد، اپریل ۱۹۳۰ء، ص ۲۶

۱۷۱- نہال چند، دیوان: غالب نے ان کا ذکر ذوق کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ مہاراج نریندر سنگھ کے اہل کاروں میں تھے۔ جب ۱۸۵۷ء میں [illegible] کیا تو دو ہزار فوج اور دو توپوں کے ساتھ دیوان نہال چند اور دیوان [illegible] سنگھ کو [illegible] کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کو [illegible] کے صلے میں انھیں [illegible] دی تھی۔ انھیں اور سردار گرمند سنگھ کو [illegible] روپے کی آمدنی [illegible] بھی [illegible] دیے تھے۔ [illegible] نے انھیں دیوان لکھا ہے [illegible] کا ذکر اہل کار کی حیثیت سے آیا ہے۔

ملاحظہ ہو: [illegible] پٹیالہ، ص ۳۵ - ص ۳۸۷ - ص ۴۱۸

۱۷۲- نیاز علی: غالب نے ان کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ غالب کے ایک ملازم مداری خاں تھے۔ ان کا انتقال ہوگیا تو غالب نے ان کے بیوی بچے اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ [illegible] ان ہی مداری کا بیٹا تھا۔ غالب نے ۲۲ دسمبر ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں [illegible]

سے علائی کو لکھا تھا کہ "کلو اور ان کا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میرے پاس ہیں۔" اس کا مطلب ہے کہ ۱۸۶۵ء میں نیاز علی اتنے کم عمر تھے کہ غالب نے انھیں لڑکا لکھا۔

۱۷۳۔ واجد علی شاہ: غالب نے ان کا ذکر یوسف مرزا، علاءالدین احمد خاں علائی اور چودھری عبدالغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ شاہ اودھ امجد علی شاہ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۸۲۳ء کو ولادت ہوئی۔ ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء کو تخت نشین ہوئے۔ تخت نشینی کے بعد انھوں نے حکومت کے نظم و نسق میں دلچسپی لینی شروع کی۔ فوج کی تربیت پر زور دیا۔ برطانوی ریذیڈنٹ کو یہ باتیں پسند نہیں آئیں۔ مجبوراً عیش و عشرت میں ڈوب گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت بدانتظامی کا شکار ہوگئی۔ فروری ۱۸۵۶ء میں کمپنی بہادر نے واجد علی شاہ کو بے دخل کر کے اودھ پر قبضہ کر لیا اور پندرہ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ واجد علی شاہ بے بس اور مجبور تھے۔ ۱۳ مارچ ۱۸۵۶ء کو کلکتے کے لیے روانہ ہو گئے۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو وہیں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تاریخ اودھ، جلد ۵، ص ص ۲۶-۴۷، ۲۸۲-۲۸

۱۷۴۔ واقف، نور العین: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، چودھری عبدالغفور سرور اور خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ شیخ امانت اللہ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ اس خاندان کے افراد محمد شاہی عہد تک پرگنہ بٹالہ کے قاضی رہے۔ خوش گو نے لکھا ہے کہ "جب واقف کے اشعار کی شہرت دارالخلافہ پہنچی تو میں ان سے ملاقات کے لیے خود بٹالہ پہنچا۔ ڈیڑھ سال تک ان کے دیوان خانے میں قیام کیا۔" یہ وہ زمانہ تھا جب نادر شاہ نے دلی پر حملہ کیا تھا۔ بہ قول خوش گو میر محمد معصوم کے شاگرد تھے اور بہ قول بھگوان داس ہندی، واقف خود کہتے تھے کہ انھیں بندرابن خوش گو اور قزلی موری سے تلمذ رہا۔ مصحفی نے ۱۱۹۹ھ میں لکھا ہے کہ واقف کی عمر تقریباً سو سال ہوگی۔

ملاحظہ ہوں: تذکرہ شعرائے پنجاب، ص ص ۳۸۸-۳۸۲ — تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۱۶-۱۲ — تذکرہ ہندی، ص ص ۳۲-۲۳ — عقد ثریا، ص ۶۰

۱۷۵۔ وجیہ الزماں، مولوی: غالب نے ان کا ذکر منشی ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ ان کے والد کا نام منشی منعم الزماں خاں تھا۔ قصبہ فتح آباد عرف چاندواں ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی میں مہارت رکھتے تھے۔ آگرہ ہائی کورٹ میں بہت عرصے تک سررشتہ دار رہے۔ نواب

یعنی ہو طبقات الشعرائے ہند میں خود کریم الدین نے صرف دو جلدوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابوالفدا نے ۱۳۳۱ھ میں انتقال کیا۔

۱۹۲۔ **تضمینِ گلستاں** : یہ مرزا ہرگوپال تفتہ کی تصنیف ہے۔ اس کی تفصیل تفتہ کے حالات میں بیان کر دی گئی ہے۔

۱۹۳۔ **توریت** : غالب نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ توریت کی تفصیل کے لیے دیکھیے انجیل۔

۱۹۴۔ **چار شربت** : غالب نے اس کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ مرزا محمد حسن قتیل کی تصنیف ہے۔ اس میں قواعد فارسی، مصطلحات، زبان دانی اور محاورہ اہلِ فارس سے بحث کی گئی ہے۔

چار شربت کی تالیف کا زمانہ غالباً ۱۲۳۵ھ ہے۔ محمدی پریس لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۹۵۔ **داستانِ امیر حمزہ** : غالب نے اس داستان کا ذکر میر مہدی مجروح اور نواب کلب علی خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالب نے کلب علی خاں کو لکھا ہے کہ "داستانِ حمزہ قصہ موضوعی ہے۔ شاہ عباس کے عہد میں ایران کے صاحب المعمول نے اس کو تالیف کیا ہے۔ ہندوستان میں امیر حمزہ کی داستان اس کو کہتے ہیں اور ایران میں رموزِ حمزہ اس کا نام ہے۔ دو سو کئی برس اس کی تالیف کو ہوئے ہیں" غالب کو غلط فہمی ہوئی کیونکہ شاہ عباس کی ولادت ۱۶۳۳ء میں ہوئی اور ابوالفضل نے ۱۵۹۶ء میں "آئینِ اکبری" تصنیف کی تھی۔ ابوالفضل نے دربارِ اکبری میں خطاطی اور مصوری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "داستانِ امیر حمزہ بارہ جلدوں میں تقسیم کی گئی اور اس کتاب میں ایک ہزار چار سو حیرت انگیز تصویریں بنائی گئیں جن سے ناظرین استعجاب میں مبتلا ہو گئے" ابوالفضل کے اس بیان سے پتا چلتا ہے کہ شاہ عباس ثانی کی ولادت سے ۳۷ سال قبل اکبر نے اس داستان کا ایک مصور نسخہ تیار کرایا تھا۔ یہ داستان شاہ عباس کی ولادت سے قبل وجود میں آ چکی تھی۔ اس کا ایک اور ثبوت "زبدۃ الرموز" ہے۔ یہ داستان فارسی میں ہے اور اس کا ایک مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ "زبدۃ الرموز" کے مصنف حاجی قصہ خواں ہمدانی نے دیباچے میں لکھا ہے کہ ۱۰۲۱ھ میں جب وہ عراق سے حیدرآباد آئے تو اپنے ساتھ "رموزِ حمزہ" کے کئی نسخے لائے۔ انھوں نے ایک نسخہ سلطان عبداللہ قطب شاہ والیِ گولکنڈہ کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے اس داستان کا خلاصہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حاجی قصہ خواں ہمدانی نے زبدۃ الرموز کے نام سے یہ خلاصہ تیار کیا۔ یہ

واقعہ بھی شاہ عباس کی ولادت سے بیس سال قبل کا ہے۔ اردو میں اس قصے کو بنیاد بنا کر بہت ضخیم داستان لکھی گئی۔ اس داستان کے لکھنے والے مختلف زمانوں میں مختلف لوگ تھے۔ اردو میں یہ داستان قلمی نسخوں کی شکل میں بھی کچھ لائبریریوں میں محفوظ ہے۔ غالباً پہلی بار خلیل علی خاں اشک کا اردو ترجمہ کلکتے سے ۱۸۰۱ء میں شائع ہوا پھر ۱۸۵۵ء میں نواب مرزا امان علی خاں بہادر غالب لکھنوی کا ترجمہ کلکتے سے چھپا۔ مولوی عبداللہ بلگرامی نے غالب لکھنوی کے ترجمے پر نظرثانی کر کے ۱۸۸۱ء میں اسے نول کشور لکھنؤ سے شائع کیا۔ پھر سید تصدق حسین نے اس پر نظرثانی کر کے ۱۹۰۸ء میں نول کشور لکھنؤ ہی سے شائع کرایا۔ اس داستان کے بیشتر حصے اردو ہی میں تصنیف کیے گئے۔ اس کی پوری تفصیل ڈاکٹر گیان چند نے "اردو کی نثری داستانیں" میں بیان کی ہے۔

ملاحظہ ہو: اردو کی نثری داستانیں، ص ص ۵۲۶ – ۵۴۰ ۔ مکاتیب غالب، چھٹا ایڈیشن ص ۱۵۴ ۔ آئین اکبری (اردو ترجمہ) جلد ۱ ص ۴۰۰ ۔ خطبات گارساں دتاسی ص ۱۵ ۔

۱۹۶۔ درفشِ کاویانی : غالب نے اپنی اس تالیف کا ذکر میر مہدی مجروح، میر غلام بابا خاں، میاں داد خاں سیاح، منشی حبیب اللہ خاں ذکا، ابو محمد شاہ فرزند علی صوفی منیری، محمد حسن صدر الصدور اور مولوی نعمان احمد کے نام خطوط میں کیا ہے۔

یہ دراصل "قاطع برہان" کا دوسرا اڈیشن ہے۔ "درفش کاویانی" اکمل المطابع، دہلی سے میر فخر الدین کے اہتمام میں ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی۔ ۱۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے سرورق پر "قاطع برہان اور درفش کاویانی" لکھا ہوا ہے۔ غالب نے اس اڈیشن میں کچھ اضافے کیے ہیں۔

۱۹۷۔ دساتیر : غالب نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ "دساتیر" پہلی بار دو جلدوں میں ۱۸۱۸ء میں بمبئی میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے مرتب اور ناشر ملا فیروز تھے۔ فیروز کا بیان ہے کہ اس کتاب کی زبان کا عہدِ حاضر کی کسی مشہور زبان سے یا اوستائی و پہلوی وغیرہ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ عہدِ خسرو پرویز میں ساسان پنجم نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔

بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ یہ جعلی کتاب ہے۔ اس میں جو تعلیمات ہیں ان کا زرتشتی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ تعلیمات ہندو اور بودھ دھرم اور افلاطونی مذہب سے قریب ہیں۔ یقین ممکن ہے کہ اس کے مصنف آذر کیوان ہوں جو ایران کے رہنے والے تھے۔ آخری عمر میں ہندوستان آ گئے اور ۱۶۱۸ء میں

پٹنہ میں اُن کا انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: کچھ دساتیر کے بارے میں۔ قاضی عبدالودود، جرنل خدا بخش لائبریری، پٹنہ، شمارہ ۲۰، ۱۹۸۲ء، ص ص ۶۸-۶۱

۱۹۸۔ دستنبو: اس کا ذکر غالب کے متعدد خطوط میں آیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب سے خود کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے روزنامچے کی شکل میں غالب نے یہ کتاب لکھی تھی۔ اس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۸۵۸ء میں مطبع مفید خلائق، آگرہ سے شائع ہوا تھا۔ دوسرا ایڈیشن مطبع لٹریری سوسائٹی روہیل کھنڈ، بریلی نے ۱۸۶۵ء میں چھاپا۔ اس میں کچھ الفاظ بدلے گئے اور ترتیب میں بھی کچھ ترمیم کی گئی۔ جنوری ۱۸۷۱ء میں جب مطبع نول کشور لکھنؤ سے "کلیاتِ نثرِ غالب" شائع ہوا تو اس میں دستنبو بھی شامل تھی۔ اس کلیات میں "دستنبو" سے مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی دی گئی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں صد سالہ یادگارِ غالب کمیٹی نے "دستنبو" کا ایک ری پرنٹ شائع کیا۔

اردوئے معلیٰ (دہلی، جلد دوم شمارہ ۲، ۳) میں "دستنبو" کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔ خمور سعیدی نے بھی "دستنبو" کا اردو ترجمہ کیا، جو تحریک (دہلی، اپریل، مئی ۱۹۶۱ء) میں شائع ہوا۔

۱۹۹۔ دیوانِ غالب (اردو دوسرا ایڈیشن): غالب نے اپنے اس دیوان کا ذکر قاضی عبدالجمیل جنون کے نام خط میں کیا ہے۔ غالب کے دیوانِ اردو کا پہلا ایڈیشن اکتوبر ۱۸۴۱ء میں مطبع سید الاخبار، دہلی سے شائع ہوا تھا۔ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل اس دیوان میں ۱۰۹۵ اشعار ہیں۔

دیوان کا دوسرا ایڈیشن نورالدین احمد لکھنوی کے زیر اہتمام مئی ۱۸۴۷ء میں مطبع دارالسلام، دہلی سے شائع ہوا۔ ۹۰ صفحات پر مشتمل اور ۴ × ۷ سائز پر ہے۔ اس میں کل ۱۱۱۱ اشعار ہیں۔ نیرِ درخشاں کی لکھی ہوئی تقریظ اس میں شامل ہے۔

۲۰۰۔ دیوانِ غالب (اردو تیسرا ایڈیشن) غالب نے اپنے اس دیوان کا ذکر میر مہدی مجروح، بدرالدین احمد المعروف بہ فقیر اور محمد حسین خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ دیوان مطبع احمدی دہلی سے محمد جان کے زیر اہتمام ۲۹ جولائی ۱۸۶۱ء کو شائع ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل یہ دیوان ۶⅔ × ۱۰ کے سائز پر ہے۔ اس میں ۱۷۹۶ اشعار ہیں۔ غالب نے اس دیوان کی طباعت کے بارے میں مجروح کو لکھا تھا:

دیوانِ اردو چھپ چکا۔ ہائے لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا، اس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسنِ

خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلی پر اور اس کے بانی پر اور اس کے چھاپنے پر لعنت اصاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے، یہ کاپی دیکھتا رہا ہوں، کاپی نگار اور تھا، متوسط، جو کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا، وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے، حق التصنیف ایک مجھ کو ملا غور کرتا ہوں کو وہ الفاظ غلط جوں کے توں ہیں یعنی کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھی، وہ چھپا۔ نیر رخشاں کی لکھی ہوئی تقریظ اس دیوان میں بھی شامل ہے۔

۲۰۱۔ دیوانِ غالب (اردو۔ چوتھا اڈیشن) غالب نے اپنے اس دیوان کا ذکر بدرالدین احمد المعروف بہ فقیر کے نام ایک خط میں کیا ہے۔

یہ دیوان مئی جون ۱۸۶۲ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا۔ اس میں ۱۸۰۲ اشعار ہیں۔ کل صفحات ۱۰۴ ہیں۔ نیر رخشاں کی تقریظ اس اڈیشن میں شامل نہیں کی گئی۔

۲۰۲۔ دیوانِ غالب (اردو۔ پانچواں اڈیشن) غالب نے اپنے اس اردو دیوان کا ذکر منشی شیو نرائن آرام کے نام خطوط میں کیا ہے۔

یہ اڈیشن ۱۸۶۳ء میں $6\frac{1}{2} \times 10\frac{1}{2}$ سائز پر مطبع مفید خلائق سے شائع ہوا۔ ۱۰۶ صفحات پر مشتمل اس دیوان میں ۱۷۹۵ اشعار ہیں۔

۲۰۳۔ زبدۃ الاخبار: غالب نے اس فارسی اخبار کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ ہفت روزہ غالباً ۱۸۳۳ء میں آگرے سے جاری ہوا تھا۔ منشی واجد علی خاں اس کے مالک اور اڈیٹر تھے۔ واجد علی خاں فارسی دانی کے لیے بہت مشہور تھے۔ بیشتر خریدار یہ اخبار صرف ان کی فارسی تحریریں پڑھنے کے لیے خریدتے تھے۔ ۱۸۵۲ء تک منشی واجد علی خاں ہی اس کے اڈیٹر اور مہتمم تھے لیکن اسی سال اس اخبار کا اہتمام شیخ کریم اللہ کو سونپ دیا گیا۔ ۱۸۵۵ء میں یہ اخبار بند ہوگیا۔

ملاحظہ ہو: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ص ۵۰-۵۶ و ہندوستانی اخبار نویسی، ص ص ۲۳۷-۲۳۶

۲۰۴۔ زبور: غالب نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ قرآن شریف میں لفظ "زبور" ایک بار ایسی الہامی تحریروں کے مفہوم میں آیا ہے جس میں انسانی کارنامے

بیان کیے گئے ہیں اور ایک بار کہا گیا ہے کہ "زبور" الہامی کتاب ہے، جو حضرت داؤدؑ پر اتری تھی۔ اکثر علما کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس نام کی کوئی الہامی کتاب تھی تو وہ ناپید ہو چکی ہے۔ بعد میں کسی نے "قرآن شریف" کو نمونہ بنا کر "زبور" لکھی ہے۔ "زبور" کا قدیم ترین دستیاب نسخہ ۲۶۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔

۲۰۵۔ **ژند** : غالبؔ نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ زرتشتیوں کی مذہبی کتاب "اوستا" ہے۔ "ژند" اوستا کی پہلوی تفسیر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ خاصی ضخیم تھی لیکن اس کا بیشتر حصہ دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا۔

۲۰۶۔ **سنبلستان** : مرزا ہرگوپال تفتہ کی تصنیف ہے۔ تفتہ نے سعدی کی "بوستان" کا منظوم جواب لکھا تھا۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مرزا ہرگوپال تفتہ کے حالات" "مکتوب الیہم" کے عنوان کے تحت۔

۲۰۷۔ **شاہنامۂ فردوسی** : غالبؔ نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں "شاہنامۂ فردوسی" کا ذکر کیا ہے۔ شاہنامے کا شمار دنیا کے عظیم ترین ادبی شہ پاروں میں ہوتا ہے۔ فردوسی سے تقریباً دو ہزار سال قبل ایک کتاب "دفتر باستان" یا "نامۂ خسروان" یا "دفتر پہلوی بروے شاہ نامہ" کے نام سے تصنیف ہوئی تھی۔ یہ دراصل ایران کے بادشاہوں کی تاریخ تھی۔ بعد میں اس کتاب کا اصل نسخہ دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا لیکن اس کے اجزا علیحدہ علیحدہ داستانوں کی صورت میں موبدوں کے پاس محفوظ تھے۔ ابو منصور عبدالرزاق کے حکم سے ابو منصور المعمری نے ان داستانوں کو ۳۴۶ھ میں دوبارہ مرتب کیا۔ یہی کتاب شاہ نامہ کا ماخذ ہے۔ اگرچہ فردوسی نے دوسرے ذرائع سے بھی بعض داستانیں نقل کی ہیں۔ شاہ نامہ ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ ۳۶۵ھ میں فردوسی نے شاہ نامے کا ایک چھوٹا سا حصہ داستان بیژن نظم کیا تھا۔ ۳۸۴ھ میں شاہنامے کی تکمیل ہوئی اور غالباً سات سال تک یعنی ۳۹۱ھ تک فردوسی، شاہ نامے کی تصحیح اور ترتیب میں مصروف رہا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے فردوسی سے شاہنامہ فردوسی لکھنے کی فرمائش کی اور ہر شعر کا معاوضہ ایک دینار (سونے کا سکہ) طے کیا۔ جب شاہنامہ مکمل ہوا تو محمود کی نیت بدل گئی اور اس نے بعض درباریوں کے بہکانے سے ساٹھ ہزار سونے کے دینار دینے کے بجائے چاندی کے دینار دے دیے۔ جس وقت یہ دینار فردوسی کو پہنچے وہ حمام میں تھا۔ اس نے بیس ہزار دینار حمامی کو دے دیے۔ بیس ہزار فقاعی کو اور بیس ہزار انعام لانے والے کو۔ بعض کا خیال ہے کہ فردوسی جب تک حمام سے واپس آیا، حرکت

کا بر مثل میں ایڈیٹر کے مالک اور مہتمم سید جمیل الدین خاں تھے۔ یہ اخبار چوڑی والان، دہلی سے شائع ہوتا تھا ہنگامہ ۱۸۵۷ء تک یہ اخبار جاری رہا۔ یہ روزنامہ ہفتہ وار ہر دو شنبے کو شائع ہوتا، چار صفحات پر مشتمل ہوتا۔ اس کی قیمت ایک روپیہ ماہوار، پانچ روپے ششماہی اور نو روپے سالانہ تھی۔ یہ انگریز دشمن اخبار تھا۔ ۱۸۵۷ء میں باغیوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے جرم میں اس کے اڈیٹر جمیل الدین خاں کو تین سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

ایک اور صادق الاخبار ۱۲ جنوری ۱۸۵۳ء میں جاری ہوا۔ اس کے اڈیٹر شیخ خدا بخش تھے۔

ملاحظہ ہو: اختر شہنشاہی ص ۱۷ [illegible] صوبہ شمال و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ۲۰ - ہندوستانی اخبار نویسی ص ص ۲۹۶ - ۲۰۳ - خطبات گارساں دتاسی ص ۱۸۵ - اٹھارہ سو ستاون کے اخبار اور دستاویزیں ص ص ۱۲، ۱۵، وغیرہ - اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار [illegible] (محمد عتیق صدیقی) اردو، اورنگ آباد، اپریل ۱۹۳۳ء ص ۱۸۵ - تاریخ صحافت اردو ص ۲۷۲-۲۷۴

۲۰۹ - **غیاث اللغات** : مولوی غیاث الدین مؤلف کی "غیاث اللغات" کا ذکر غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ، منشی نبی بخش حقیر، نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں شفق، چودھری عبدالغفور سرور اور شمس العلما مولوی ضیاء الدین دہلوی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ مولوی صاحب نے فارسی کی یہ لغت چودہ سال کی محنت سے ۱۲۴۲ھ (مطابق ۱۸۲۶ء - ۱۸۲۷ء) میں مکمل کی۔ ابھی اس کا مسودہ تیار ہی ہوا تھا کہ بعض لوگوں نے اس کی نقلیں لے لیں اور مولوی صاحب کو نظر ثانی کا موقع نہیں دیا۔ اس کا پہلا اڈیشن ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء میں مطبع میر حسن رضوی لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس لغت کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اب تک کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے اڈیشن کے بارے میں یہ اطلاع تذکرہ کاملان رام پور ص ۲۰۰ میں درج ہے۔ پیش نظر جو نسخہ ہے وہ ۱۰۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۸۹۵ء میں منشی گلاب سنگھ نے لکھنؤ سے چھاپا ہے۔ اس کے حاشیے پر خان آرزو کی "چراغ ہدایت" بھی چھاپی گئی ہے۔ ۱۹۴۲ء میں مطبع نول کشور نے غیاث اللغات کا ایک اڈیشن اور شائع ہوا تھا۔ اس کے دو کالم تھے۔ پہلے کالم میں غیاث اللغات اور دوسرے کالم میں حسین المدنی کی "منتخب اللغات" شائع کی گئی ہے۔ پوری لغت ۔۔۔ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۔۔۰ صفحے سے خان آرزو کی "چراغ ہدایت" شروع ہوتی ہے۔

۲۱۰ - **کلیات نثر فارسی (قلمی)**۔ غالب نے اس کلیات کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط (مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۶۵ء) میں کیا ہے۔ یہ کلیات نثر ڈاکٹر احمد علی کے پاس تھا۔ انھوں نے پنجاب پبلک لائبریری

لاہور کو دے دیا۔ اس کلیات میں "پنج آہنگ"، "مہر نیمروز" اور "دستنبو" شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں اطلاع دی گئی ہے کہ: "ایں رسالہ بہ قرۃ العین میر سرفراز حسین فرستادہ آمد"۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ کلیات غالبؔ میر سرفراز حسین کے لیے لکھوایا گیا تھا۔

ملاحظہ ہو: غالب اور انقلابِ ستاون، ص ص ۲۰۳-۲۰۴

۲۱۱۔ کلیاتِ نظم فارسی (غالبؔ) دوسرا اڈیشن: غالبؔ نے اس کا ذکر سفیر بلگرامی، میر مہدی مجروحؔ اور حکیم محب علی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالبؔ کے "کلیاتِ نظم فارسی" کا پہلا اڈیشن ۱۸۴۵ء میں مسبق دار السلام دہلی سے شائع ہوا تھا۔ یہ ۵۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کل ۶۶۹۲ اشعار ہیں۔ "کلیاتِ نظم فارسی" کا دوسرا اڈیشن مطبع نول کشور، لکھنؤ سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔ یہ ۴۶۲ صفحات اور ۱۰۴۲۸ اشعار پر مشتمل ہے۔

۲۱۲۔ گرو گرنتھ صاحب : غالبؔ نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ سکھوں کی مقدس کتاب ہے، جسے سکھوں کے پانچویں گرو ارجن جی نے ۱۶۰۴ء میں لکھا۔ گرو گوبند سنگھ نے اس تالیف کو مکمل کیا تھا۔ گرو گرنتھ صاحب پوری منظوم ہے۔ اس میں سات سکھ گروؤں کا بیان کردہ کلام مختلف راگوں کے شبدوں اور شلوکوں میں ملتا ہے۔ پندرہ ہندو و مسلمان بزرگوں کا بیان کردہ کلام بھی اس میں شامل ہے۔ اس کلام کو "بھگت بانی" کہا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو: گرو گرنتھ اور اردو، ص ص ۱۶-۱۰

۲۱۳۔ محرقِ قاطع : اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، منشی حبیب اللہ ذکاؔ، خواجہ غلام غوث خاں بے خبرؔ اور مولوی نعمان احمد کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اس کے مصنف دفتر ریذیڈنٹ راجپوتانہ کے میر منشی سید سعادت علی ہیں۔ ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۸۰ھ میں شائع ہوئی۔ غالبؔ کی "قاطع برہان" کے جواب میں یہ پہلی کتاب ہے۔ غالبؔ نے علائی کے نام ایک خط میں اس کتاب کا نام غلط "تپ محرق" لکھا ہے۔

۲۱۴۔ قاطع برہان : غالبؔ نے اپنی اس تالیف کا ذکر متعدد خطوط میں کیا ہے۔ یہ مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۶۲ء میں شائع ہوئی۔ ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ایک صفحہ غلط نامے کا ہے۔

۲۱۵۔ مصطلحات الشعرا : غالبؔ نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ۲۰ مارچ ۱۸۶۱ء کے خط میں اس طرح کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دنوں یہ کتاب غالبؔ کے زیر مطالعہ تھی۔ اس

کے مصنف وارستہ مل سیالکوٹی ہیں۔

کتاب کے آغاز میں وارستہ نے لکھا ہے کہ جب میں فصحا کے دواوین کا مطالعہ کر رہا تھا تو بہت سے محاورات غریبہ فارسی میری نظر سے گزرے۔ ان کی بڑی تعداد ایسے محاوروں کی تھی جو لغتوں میں نہیں ملے۔ میں نے ایران کی زبان دانوں سے رجوع کیا اور انہوں نے جو مطالب بیان کیے، وہ طالب علموں کی سہولت کے لیے اس کتاب میں مرتب کر دیے۔ وارستہ کا بیان ہے کہ یہ ان کی بیس سال کی محنت ہے۔ میرے پیش نظر خوش خط نسخہ ہے۔ اس کے سرورق پر "مصطلحات وارستہ" اور "مصطلحات الشعرا" لکھا ہوا ہے۔ اسے قطب الدین احمد نے مطبع نامی لکھنؤ سے رجب ۱۳۰۱ھ میں شائع کیا ہے۔

۲۱۶ - **مظہر العجائب**: غالب نے اس تذکرے کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ تذکرے کی تفصیلات یہ ملتی ہیں: مولوی ظہیر الدین سابق ڈپٹی کلکٹر دہلی کی فرمائش پر مولوی ظہور علی ظہور کے صاحبزادے مولوی فرید الحق نے یہ تذکرہ ترتیب دیا تھا۔ تقریباً دو ہزار فارسی شاعروں کے حالات پر مشتمل یہ تذکرہ ۱۸۶۲ء کے آس پاس مکمل ہوا۔ تذکرے کے لیے مولوی نورالحق نے چار سو اور غالب نے کم سے کم سولہ شاعروں کے حالات لکھے تھے۔ اس زمانے کے اخباروں میں تذکرے کی طباعت کا اشتہار دیا گیا تھا، اس میں اس کی قیمت تین روپے بتائی گئی تھی۔ غالب، مومن خاں اور مولوی ظہور علی ظہور نے اس کی تقریظ اور تواریخ لکھی تھیں۔ غالب کی فارسی میں لکھی تقریظ ان کے فارسی کلیات نثر میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تذکرہ شائع نہ ہو سکا اور اس کا مسودہ بھی ضائع ہو گیا۔ ڈی گن نے اس تذکرے کے چھ سو شاعروں کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ وہ بھی غالباً طباعت سے محروم رہا۔

ملاحظہ ہو: تذکرہ مظہر العجائب اور مرزا غالب، مسلم ضیائی، العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء، ص ص ۵۲۲ - ۵۲۹، ـــ اردو، اورنگ آباد، جولائی ۱۹۲۸ء۔

۲۱۷ - **مہر نیم روز**: غالب نے اپنی اس تالیف کا ذکر متعدد خطوط میں کیا ہے۔ ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو بہادر شاہ ظفر نے غالب کو خاندانِ تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر مقرر کیا۔ اس تاریخ کا نام "پرتوستان" رکھا گیا۔ یہ دو حصوں میں لکھی جانی تھی۔ پہلے حصے کا نام "مہر نیم روز" اور دوسرے حصے کا نام "ماہ نیم ماہ" تجویز کیا گیا۔ اس تاریخ کا مسودہ حکیم احسن اللہ خاں غالب کو فراہم کرتے تھے، اور غالب فارسی میں ترجمہ کر دیتے۔ اگست ۱۸۵۴ء میں پہلا حصہ مکمل ہو گیا۔ کچھ ہی دن بعد مہر نیم روز "فخر المطابع" دہلی سے شائع ہوئی۔ ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۱۸۔ وید : غالب نے ویدوں کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے اور انہیں "چار بید" لکھا ہے۔ یہ ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے۔ اس کے چار حصے ہیں (۱) رگ وید (۲) اتھروید (۳) سام وید اور (۴) یجر وید۔

جنوبی روس اور وسط ایشیا کے جن قبیلوں نے ترک وطن کر کے یورپ و ایشیائے کوچک اور ایران کی طرف ہجرت کی، انھیں آریہ کہا جاتا ہے۔ جو لوگ ایران کی طرف آئے تھے اُن میں سے کچھ نے ایران میں سکونت اختیار کر لی اور کچھ نے ہندوستان کی راہ لی۔ ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کا زمانہ پندرہ سو سے لے کر ایک ہزار قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ انھی آریاؤں نے چاروں وید تصنیف کیے تھے۔ پہلا رگ وید ہے، اس میں ۱۰۱۰ مقدس گیت ہیں جو دس حصوں میں مرتب کیے گئے ہیں ان گیتوں میں آریائی دیوتاؤں سے خطاب کیا گیا ہے۔ یہ چاروں وید خاصی طویل مدت میں مختلف اوقات میں لکھے گئے۔

۱۵۔ شفا، ذبیح اللہ، تاریخِ ادبیات در ایران، تہران، ۱۳۵۲ھ

۱۶۔ عزت، مولانا غیاث الدین، غیاث اللغات، مع چراغ ہدایت، لکھنؤ ۱۸۹۵ء

۱۷۔ علی نظمی، دولت سخنور، تبریز، ۱۲۹۶ھ

۱۸۔ علی حسن خاں، سید، طور کلیم، آگرہ، ۱۲۹۹ھ

۱۹۔ علی حسن خاں، سید، صبح گلشن، بھوپال، ۱۲۹۵ھ

۲۰۔ عیوض علی، قواعدِ فخریہ (قلمی) مملوکہ خواجہ حسن ثانی نظامی

۲۱۔ غالب، اسد اللہ خاں، کلیاتِ نظم فارسی، دہلی، ۱۸۴۵ء

۲۲۔ غالب، اسد اللہ خاں، پنج آہنگ، مطبع سلطانی دہلی، ۱۸۴۹ء

۲۳۔ غالب، اسد اللہ خاں، پنج آہنگ، مطبع دار السلام۔ دہلی، ۱۸۵۳ء

۲۴۔ غالب، اسد اللہ خاں، مہر نیمروز، فخر المطابع۔ دہلی، ۱۸۵۴ء

۲۵۔ غالب، اسد اللہ خاں، دستنبو، آگرہ، ۱۸۵۸ء

۲۶۔ غالب، اسد اللہ خاں، کلیاتِ نظم فارسی، لکھنؤ ۱۸۶۳ء

۲۷۔ غالب، اسد اللہ خاں، درفشِ کاویانی، دہلی، ۱۹۶۵ء

۲۸۔ غالب، اسد اللہ خاں، سبدِ چیں، مرتبہ مالک رام، دہلی، ۱۹۳۸ء

۲۹۔ غالب، اسد اللہ خاں، باغِ دودر، مرتبہ وزیر الحسن عابدی، لاہور، ۱۹۶۹ء

۳۰۔ غالب، اسد اللہ خاں، پنج آہنگ (آہنگ پنجم اردو ترجمہ) محمد عمر مہاجر، کراچی، ۱۹۶۹ء

۳۱۔ غالب، اسد اللہ خاں، دستنبو، صد سالہ یادگار کمیٹی، دہلی، ۱۹۶۹ء

۳۲۔ قاسم، حکیم قدرت اللہ، مجموعۂ نغز، مرتبہ محمود شیرانی، لاہور، ۱۹۳۳ء

۳۳۔ قتیل، مرزا محمد حسن، ہفت تماشا، مرتبہ ڈاکٹر محمد عمر، دہلی، ۱۹۶۶ء

۳۴۔ کلیم، نور الحسن خاں، بزمِ سخن، آگرہ، ۱۲۹۹ھ

۳۵۔ محمد صدیق حسن خاں، شمعِ انجمن، بھوپال، ۱۲۹۳ھ

۳۶۔ مصحفی، غلام ہمدانی، عقدِ ثریا، مرتبہ عبد الحق، اورنگ آباد، ۱۹۳۴ء

۳۷۔ ملا عبد النبی فخر الزمانی، میخانہ، مرتبہ محمد شفیع، لاہور، ۱۹۲۶ء

۵۹۔ پریشان، محمد نیاز علی، شعر و سخن، آگرہ ۱۲۸۶ھ

۶۰۔ تحسین، عطا حسین، نو طرز مرصع، مرتبہ سید نور الحسن ہاشمی، الہ آباد، ۱۹۵۸ء

۶۱۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، ذوق۔ سوانح اور، لاہور،

۶۲۔ حالی، الطاف حسین، یادگار غالب، کانپور، ۱۸۹۷ء

۶۳۔ حالی، الطاف حسین، کلیات نثر حالی، جلد ۲، مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی، لاہور، ۱۹۶۸ء

۶۴۔ حالی، الطاف حسین، حیات جاوید، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۹ء

۶۵۔ حمیدہ سلطان احمد، خاندان لوہارو کے شعرا، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء

۶۶۔ خلیفہ سید محمد حسن، تاریخ پٹیالہ، امرتسر، ۱۸۷۸ء

۶۷۔ خلیق احمد نظامی، پروفیسر، تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ۱۹۸۰ء

۶۸۔ خلیق انجم، غالب اور شاہان تیموریہ، دہلی، ۱۹۷۴ء

۶۹۔ خواجہ احمد فاروقی، میر تقی میر، علی گڑھ، ۱۹۵۴ء

۷۰۔ خواجہ بدرالدین عرف خواجہ امان، حدائق الانظار، دہلی، ۱۲۹۲ھ

۷۱۔ رحمٰن علی خاں، ریاض الامراء، لکھنؤ، ۱۸۶۷ء

۷۲۔ رسا، گوکل پرشاد، ارمغان گوکل پرشاد، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کراچی، ۱۹۷۵ء

۷۳۔ رضا، کالی داس گپتا، غالبیات، چند عنوانات، بمبئی، ۱۹۸۲ء

۷۴۔ سحر، احمد حسین، تذکرہ بہار بے خزاں، مرتبہ حفیظ عباسی، دہلی، ۱۹۶۹ء

۷۵۔ سری رام، خمخانہ جاوید، جلد ۱، دہلی، ۱۹۰۸ء

۷۶۔ سری رام، خمخانہ جاوید، جلد ۲، دہلی، ۱۹۰۸ء

۷۷۔ سری رام، خمخانہ جاوید، جلد ۳، دہلی، ۱۹۰۸ء

۷۸۔ سری رام، خمخانہ جاوید، جلد ۴، دہلی، ۱۹۲۶ء

۷۹۔ سری رام، خمخانہ جاوید، مرتبہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، دہلی، ۱۹۴۰ء

۸۰۔ سید احمد خاں، آثار الصنادید، لکھنؤ، ۱۸۹۵ء

۸۱۔ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد ۴، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۴ء

۸۲۔ شائق، احترام الدین، تذکرہ شعرائے جے پور، علی گڑھ، ۱۹۵۸ء

۸۳۔ شاداں، منشی طوطارام، طلسم ہند، لکھنؤ، ۱۸۷۴ء

۸۴۔ شبلی نعمانی، مولانا روم، لاہور، سنہ اشاعت ندارد۔

۸۵۔ شبیہ الحسن، ڈاکٹر، ناسخ۔ تجزیہ و تنقید، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء

۸۶۔ شفق، ڈاکٹر رضا زادہ، تاریخ ادبیات ایران (اردو ترجمہ) مترجمہ سید مبارز الدین رفعت، دہلی، ۱۹۵۵ء

۸۷۔ شوق، احمد علی خاں، تذکرہ کاملان رام پور، رام پور، ۱۹۲۹ء

۸۸۔ شیام جس رائے، لالہ، مختصر حالات شاہان انگلستان، لکھنؤ، ۱۹۱۱ء

۸۹۔ صابر دہلوی، مرزا قادر بخش، خلیل الرحمن داؤدی، جلد اول، لاہور، ۱۹۶۶ء (جلد اول و دوم)

۹۰۔ صفیر بلگرامی، تذکرہ جلوہ خضر، پٹنہ، [illegible] (جلد اول و دوم)

۹۱۔ طامس مٹکاف، سر طامس مٹکاف کی ڈائری (خواجہ حسن نظامی نے کسی سے اردو میں ترجمہ کرایا)، دہلی، [illegible]

۹۲۔ ظہیر دہلوی، راقم الدولہ، داستان غدر، لاہور، سنہ اشاعت ندارد

۹۳۔ عباد اللہ گیلانی، گرو گرنتھ صاحب اور اردو، لاہور، ۱۹۶۶ء

۹۴۔ عبدالحی، سید، گل رعنا، اعظم گڑھ، ۱۳۶۴ھ

۹۵۔ عبدالرحمن پرواز اصلاحی، صدر الدین آزردہ، دہلی، ۱۹۷۷ء

۹۶۔ عبدالقادر خاں، علم و عمل، مرتبہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۰ء

۹۷۔ عبداللطیف، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، مرتبہ خلیق احمد نظامی، دہلی، ۱۹۵۸ء

۹۸۔ عرش تیموری، قلعہ معلی کی جھلکیاں، دہلی، ۱۹۳۷ء

۹۹۔ غالب، اسد اللہ خاں، عود ہندی، مطبع مجتبائی، میرٹھ، ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء

۱۰۰۔ غالب، اسد اللہ خاں، اردوئے معلی، اکمل المطابع، دہلی، ۶ مارچ ۱۸۶۹ء

۱۰۱۔ غالب، اسد اللہ خاں، اردوئے معلی، مطبع اردو گائیڈ، کلکتہ، ۱۸۶۳ء

۱۰۲۔ غالب، اسد اللہ خاں، اردوئے معلی (حصہ اول و دوم) مطبع نامی مجتبائی، دہلی، اپریل ۱۸۹۹ء

۱۰۳۔ غالب، اسد اللہ خاں، اردوئے معلی، مطبع فاروقی، دہلی، ۱۹۱۰ء

۱۰۴۔ غالب، اسداللہ خاں، مکمل اردوئے معلّی (مشتمل بر دو حصص)، مطبع مجیدی کانپور، ۱۹۲۲ء

۱۰۵۔ غالب، اسداللہ خاں، عودِ ہندی، رام نرائن لال، الٰہ آباد، ۱۹۲۶ء

۱۰۶۔ غالب، اسداللہ خاں، مکاتیبِ غالب، مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی، رام پور، ۱۹۳۷ء

۱۰۷۔ غالب، اسداللہ خاں، خطوطِ غالب، مرتبہ مہیش پرشاد، الٰہ آباد، ۱۹۴۱ء

۱۰۸۔ غالب، اسداللہ خاں، مکاتیبِ غالب، مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی (چھٹا اڈیشن) رام پور، ۱۹۴۹ء

۱۰۹۔ غالب، اسداللہ خاں، نادراتِ غالب، مرتبہ آفاق حسین آفاق، کراچی، ۱۹۴۹ء

۱۱۰۔ غالب، اسداللہ خاں، خطوطِ غالب، مرتبہ غلام رسول مہر، لاہور، ۱۹۵۱ء

۱۱۱۔ غالب، اسداللہ خاں، غالب کی نادر تحریریں، مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۶۱ء

۱۱۲۔ غالب، اسداللہ خاں، خطوطِ غالب، مرتبہ مہیش پرشاد، نظرِ ثانی مالک رام، علی گڑھ، ۱۹۶۲ء

۱۱۳۔ غالب، اسداللہ خاں، عودِ ہندی، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل، لاہور، ۱۹۶۷ء

۱۱۴۔ غالب، اسداللہ خاں، اردوئے معلّی، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل، (تین جلدیں) لاہور، ۱۹۶۹ء

۱۱۵۔ غالب، اسداللہ خاں، انتخابِ غالب، مرتبہ مولوی ضیاء الدین خاں، (فوٹو سٹیٹ) غالب انسٹی ٹیوٹ لائبریری، نئی دہلی

۱۱۶۔ فائق رام پوری، کلب علی خاں، مومن، لاہور، ۱۹۶۲ء

۱۱۷۔ قاضی محمد عبدالغفار، حیاتِ اجمل، علی گڑھ

۱۱۸۔ کریم الدین، گلدستۂ نازنیناں، دہلی، ۱۸۴۵ء

(ب) کریم الدین، تذکرہ طبقات الشعرائے ہند، دہلی، ۱۸۴۸ء

۱۱۹۔ کمال الدین حیدر، سید، سوانحاتِ سلاطینِ اودھ، لکھنؤ، ۱۸۹۶ء

۱۲۰۔ کمال الدین حیدر، سید، قیصر التواریخ، جلد ۲، لکھنؤ، ۱۹۰۷ء

۱۲۱۔ کوثر چاند پوری، اطبائے عہدِ مغلیہ، کراچی، ۱۹۵۵ء

۱۲۲۔ گارساں دتاسی، خطباتِ گارساں دتاسی (اردو ترجمہ)، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء

۱۲۳۔ گیان چند، اردو کی نثری داستانیں، کراچی، ۱۹۶۹ء

۱۲۴۔ مالک رام، تلامذۂ غالب، نکودر، ۱۹۵۸ء

۱۲۵۔ مالک رام، ذکرِ غالب، دہلی، ۱۹۷۶ء

۱۶۹۔ شمس الدین احمد خاں، فخر الدولہ نواب مرزا علاؤ الدین احمد خاں بہادر علائی، اردو اورنگ آباد، جولائی ۱۹۳۳ء

۱۷۰۔ صغیر اصغر، غالب اور قاری جعفر علی، چارچوبی، ماہِ نو، کراچی

۱۷۱۔ عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر، مراۃ الاشباہ اور حکیم احسن اللہ خاں، اردو، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء

۱۷۲۔ عبدالماجد دریابادی، مولانا، غالب کا ایک فرنگی شاگرد، معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۲۲ء

۱۷۳۔ فرحت اللہ بیگ، مرزا، خواجہ بدرالدین خاں، عرف خواجہ امان مرحوم و مغفور، اردو ورنگ آباد اپریل ۱۹۳۱ء

۱۷۴۔ قاضی عبدالودود، امید سنگھ، معاصر، پٹنہ، جلد ۲، حصہ ۷

۱۷۵۔ قاضی عبدالودود، یادداشت، معاصر، حصہ ۱۷

۱۷۶۔ قاضی عبدالودود، جہانِ غالب، معاصر، پٹنہ، حصہ ۳

۱۷۷۔ قاضی عبدالودود، کچھ دساتیر کے بارے میں، جنرل خدا بخش لائبریری، پٹنہ، شمارہ ۲۰، ۱۹۸۲ء

۱۷۸۔ قاضی عبدالودود، غالب بہ حیثیت محقق، علی گڑھ میگزین، غالب نمبر ۱۹۴۸-۴۹ء

۱۷۹۔ قاضی سراج دھولپوری، منشی بال مکند بے صبر، اردو ادب، دسمبر ۱۹۵۷ء

۱۸۰۔ قاضی سراج دھولپوری، دیوان حالی بہاری لال راشی بجہ تیوری، ہماری زبان، علی گڑھ، ۸ نومبر ۱۹۵۶ء

۱۸۱۔ کیفی، برج موہن دتاتریہ، اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار، اردو، ورنگ آباد، اپریل ۱۹۳۵ء

۱۸۲۔ محمد اسمٰعیل پانی پتی، شیخ، میر مہدی مجروح، ماہِ نو، کراچی، جنوری فروری ۱۹۶۹ء

۱۸۳۔ مختار الدین احمد، منشی بال مکند بے صبر، ہماری زبان، علی گڑھ، ۱۵ جون ۱۹۵۵ء

۱۸۴۔ مختار الدین احمد، پروفیسر، غیر معروف شعرا، ہماری زبان، علی گڑھ، یکم جولائی ۱۹۵۵ء

۱۸۵۔ مختار الدین احمد، پروفیسر، آزردہ کی کچھ نایاب و کمیاب تحریریں، غالب نامہ، نئی دلی، جولائی ۱۹۸۱ء، ۸۰—۱۰۳ — بسوا جی

۱۸۶۔ مختار الدین احمد، آثار ادبیہ، ہماری زبان، علی گڑھ، ۱۵ اگست ۱۹۵۵ء

۱۸۷۔ مسلم ضیائی، تذکرہ مظہر العجائب اور مرزا غالب، العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء

۱۸۸۔ منظور الحسن برکاتی، سید، میر تفضل حسین خاں، شاعر، بمبئی، ۱۹۶۹ء

اشاریہ

اشخاص

ملکوں، شہروں، عمارتوں اور محلوں وغیرہ کے ناموں کا اشاریہ

کتابیں

اخبار اور رسالے

اشاریہ

اشخاص

Scholars have considered the present research work on Ghalib's letters, the most systematic, scientific and comprehensive so far without detracting from the valuable work done by the earlier researchers.

(Yogendra Bali, Times of India, New Delhi, 2nd July 1984)

Dr. Khaliq Anjum's work is a work with a difference and the first of its kind in the sub-continent ..... To say the least "Ghalib ke khatoot" edited by Khaliq Anjum is an encyclopaedia of Ghalib.

(Prof. Jagan Nath Azad, Kashmir Times, Srinagar, July 3, 1984)

All lovers of art and letters owe a debt to Dr. Anjum for his painstaking work which he completed after years of research in India and abroad. It brings Ghalib alive to us and we see the poet as he really was—all agog with the excitement of everyday things which he transformed into momentous events.

(Statesman, New Delhi, July 30, 1984)

ڈاکٹر خلیق انجم نے برسوں کی محنت کے بعد تمام دستیاب خطوط کو چار جلدوں میں یکجا کر دیا ہے۔ اُن کی تاریخ متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ خطوط کے اشخاص و اماکن کے بارے میں تفصیلی حواشی تحریر کیے ہیں۔ جہاں اصل خط مہیا ہو گیا ہے اس کا عکس شائع کر دیا ہے۔
ہم یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سارے ہی خطوط غالب کا ممکنہ حد تک ایک مکمل مجموعہ دستیاب ہو جائے گا۔ اس کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم اردو دنیا کے شکریے کے مستحق ہیں۔ (مالک رام)

غالب کے خطوط کی پہلی جلد اب چھپ کر سامنے آئی ہے جس کو دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے اور آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی ہے۔ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں کہ خلیق انجم صاحب نے بہت دل لگا کر اور نظر جما کر اس کام کو انجام دیا ہے۔ انھوں نے بہت صبر و تحمل کے ساتھ کئی سال صرف کر کے متن کی تصحیح کی اور بہت سا وقت خرچ کیا۔ متن سے متعلق حواشی لکھے۔ انھوں نے ضروری مصادر اور مآخذ کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ قیاس نہیں ہے میں یہ بات ذاتی معلومات کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ انھوں نے تلاش و جستجو کا حق ادا کرنے کی امکان بھر کوشش کی ہے اور جدید اصول تدوین کی روشنی میں متن کو مرتب کیا ہے۔
میں خلیق انجم صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی اس کتاب سے جہاں غالب شناسی کے ذخیرے میں اہم اضافہ ہو گا وہاں غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کی فہرست مطبوعات میں ایک ایسی کتاب کا اضافہ ہو گا جسے صحیح معنوں میں اہم کتاب کہا جا سکے گا۔ ایسی اہم کتاب جس کا مطالعہ ہر غالب شناس کے لیے از بس ضروری ہے۔ (رشید حسن خاں)

"ایسی نوعیت کے عظیم تحقیقی کارنامے کی ترتیب پر ڈاکٹر خلیق انجم اور اس کی اشاعت پر غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی ہر طرح مبارکباد کے مستحق ہیں۔ "غالب کے خطوط" غالبیات میں ایک اہم اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ غالب شناس اس کتاب کی وہ قدر کریں گے جس کی یہ مستحق ہے۔" (پروفیسر مختار الدین احمد)

ڈاکٹر خلیق انجم نے برسوں محنت اور دیدہ ریزی کے بعد خطوط غالب کو چار جلدوں میں فراہم کیا ہے۔ غالبیات میں انھوں نے اب تک جو کام کیے تھے وہ بھی ان کی شہرت کے لیے کافی تھے، لیکن اس کارنامے نے انھیں غالب شناسوں کی صف اول تک پہنچا دیا ہے۔
(ڈاکٹر نثار احمد فاروقی)

غالبیات کے تقریباً تمام گوشوں پر ڈاکٹر خلیق انجم کی نظر ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں بر صغیر سے باہر برطانیہ میں بھی انھوں نے اردو کے علمی ذخیروں کو اچھی طرح دیکھا بھالا ہے۔ بلاشبہ اس علمی کام کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم پوری اردو دنیا کے شکریے کے مستحق ہیں۔ (پروفیسر گوپی چند نارنگ)